انقلاب ہے یہ لہو

ثاقب رزمی

(۱)

سارہ اپنے دونوں بچوں احسن اور فریدہ کے ساتھ اپنے شوہر ڈاکٹر حاران سے ملاقات کرنے کے لئے بمبئی کی سنٹرل جیل جارہی تھی۔ غروب آفتاب میں ابھی تقریباً ایک گھنٹہ باقی تھا۔ شفق کی روشنی نے سارے ماحول کو تابناک بنادیا تھا۔ ٹیکسی میں سے نظر آتے ہوئے نیلے آسمان پر سفید بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ سڑکوں پر زندگی کی گہما گہمی دیکھ کر وہ وجود کے تلوّن پر حیران رہ گئی، اسے یہ سوچ کر تعجب ہوا کہ کل صبح ڈاکٹر حاران وجود کی حدود سے باہر نکل چکا ہوگا۔ احسن اور فریدہ دونوں دم بخود بیٹھے تھے۔

وہ خیالات میں محو تھی۔ انسانی وجود مسلسل سیلان میں ہے، وقت ایک طرف نئی تخلیقات اور نئے واقعات کا قالین بچھاتا جاتا ہے اور دوسری طرف پرانی تخلیقات اور پرانے واقعات کا قالین لپیٹتا جاتا ہے، ایک طرف زندگی نئے وجود کو جنم دیتی ہے اور دوسری طرف موت پرانے وجود کو معدوم کئے جاتی ہے، لیکن انسانی وجود کا حاصل تو زندگی کا وہ بلند آدرش ہے جس کے لئے انسان خلوص وایثار کا نذرانہ پیش کرتا ہے، اس لئے موت اہم نہیں بلکہ زندگی اپنی بے مثل اہمیت رکھتی ہے۔ اس نے یہ سوچ کر فخر محسوس کیا کہ ڈاکٹر حاران ایک بلند ترین آدرش کے لئے اپنی زندگی قربان کررہا ہے، انسانی زندگی کی عظمت ایک بلند آدرش کے تعاقب میں ہے ٹیکسی

ایک سگنل پر رُکی تو سارہ اپنے خیالات سے چونکی۔ جب ٹیکسی چلی تو وہ پھر یادوں میں کھو گئی۔ سارہ سہاگ رات کو دلہن بنے دروازے کی طرف پشت کر کے پلنگ پر بیٹھی تھی۔ حاران کمرے میں داخل ہوا تو سارہ اس کے استقبال کو پلنگ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اسے سلام کیا۔ حاران نے سارہ کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر کہا "سارہ! ہمارا ملاپ جسمانی کم اور ذہنی زیادہ ہے" سارہ نے مسکراتے ہوئے کہا "میں تو اس حقیقت کو پہلے ہی بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔"

حاران نے کہا: "اچھا تو معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے" وہ دونوں ہنستے ہوئے لان میں آ گئے۔ نیلگوں شفاف آسمان پر چودھویں کا چاند دمک رہا تھا اور ہر شئے کیفِ نور میں ڈوبی ہوئی تھی۔ انہوں نے چاندنی میں ایک دوسرے کی جانب محبّت بھری نظروں سے دیکھا۔ انہیں یوں محسوس ہوا کہ اس گھڑی نور، امن اور محبّت ایک ہی پیکر میں ڈھل گئے تھے۔

پھر اسے شادی سے پہلے کا ہولی کے تہوار کا واقعہ یاد آ گیا وہ گنیش سٹریٹ میں مقیم تھے۔ جہاں کئی ہندو اور سکھ گھرانے رہتے تھے۔ یہ امرت سر کی مال روڈ سے ذرا پرے ایک انتہائی پُر فضا علاقہ تھا۔ کرنل رمیش کی کوٹھی کے لان پر ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ حاران نے تنہائی میں سشیلا، راجندر، بملا، میرا اور امرتا کو کہا کہ وہ سارہ پر پہلے رنگ پھینکے گا۔ سب رنگ بھری بالٹیاں اٹھائے اور ہاتھوں میں پچکاریاں لئے لان میں آ گئے۔ حاران نے کہا کہ سارہ پر کوئی رنگ نہیں پھینکے گا۔ سارہ لان میں ایک طرف کھڑی مسکرا رہی تھی۔ سب نے ایک دوسرے پر زرد، سرخ، سبز اور نیلا رنگ پھینکنا شروع کر دیا۔ اچانک حاران نے سارہ پر رنگ پھینکا۔ پھر سب مل کر اس پر رنگ پھینکنے لگے، سب ہنس رہے تھے۔ اور سارہ بھی ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی اسی لمحے کرنل رمیش اور اس کی بشّاش بیوی نرملا بالٹیاں اٹھائے

پچکاریاں سنبھالے اور "ہولی آئی رے ہولی آئی رے" گاتے ہوئے لان میں آ گئے اور ایک ہنگامہ مچ گیا۔ سب اونچی آواز میں ہنستے ہوئے ایک دوسرے پر رنگ پھینک رہے تھے۔ جب سب تھک گئے تو لان پر بیٹھ گئے۔ یہ ایک سہانی شام تھی۔ نیلے آسمان پر شفق کے رنگوں میں بھیگے ہوئے بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ حاران اور سارہ نے اجازت چاہی اور اپنے گھر کو روانہ ہوئے ابھی وہ اپنے گیٹ کے پاس پہنچے ہی تھے کہ ننھی نازیہ نے انہیں دیکھ لیا۔ وہ بھاگی ہوئی راشدہ کے پاس گئی اور کہنے لگی: "امی! بھائی جان اور سارہ باجی ہولی کھیل کر آ رہے ہیں۔ بالکل بھوت بنے ہوئے ہیں" دونوں نے اندر آ کر راشدہ کو امی جان کہہ کر سلام کیا۔ راشدہ انہیں دیکھ کر خوب ہنسی اور کہنے لگی "بیٹا! دل خوش رکھنے کے لئے یہ مشاغل بھی بہت ضروری ہیں۔"

ٹیکسی ہلکے سے جھٹکے سے سنٹرل جیل کے پاس رُکی تو سارہ چونک پڑی وہ تینوں ٹیکسی میں سے اترے۔ سارہ نے مغربی افق پر نظر ڈالی، لہو میں ڈوبا ہوا سورج بادل کے ٹکڑوں میں گھرا ہوا تھا اور اس کی سرخ شعاعیں جیل کی بلند قامت دیواروں پر لرز رہی تھیں۔

جب ڈاکٹر حاران ملاقات کے لئے سلاخوں کے پیچھے نمودار ہوا تو اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی تھی اور پاؤں میں بیڑیاں پڑی تھیں۔ سارہ اور بچوں نے سلام کیا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے جواب دیا۔ اس نے سلاخوں میں سے ہاتھ باہر نکال کر سارہ کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ سارہ بڑی مشکل سے مسکرا سکی۔ پھر حاران نے احسن اور فریدہ کو پیار کیا اور ان کی پیشانی کو چوما۔ ڈاکٹر حاران اور سارہ ایک معنی خیز خاموشی سے بہت دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ شاید وہ سوچ رہے تھے کہ آنے والے لمحے انہیں ہمیشہ کے لئے جدا کر دیں گے۔ پھر ڈاکٹر حاران

نے مہر خاموشی توڑتے ہوئے کہا: "سارہ! میرے بعد مایوسی کو اپنے آپ سے دور رکھنا۔ کیونکہ مایوسی انسان کے کردار کی اعلیٰ صفات کو کند کر دیتی ہے۔ اپنی جدوجہد کو جاری رکھنا۔" سارہ نے پُر وثوق لہجے میں کہا: "آپ اطمینان رکھیں۔ میں آپ کے آدرش کا تعاقب کبھی نہیں چھوڑوں گی۔"

اسی لمحے جیل کے ایک ملازم نے آکر کہا کہ ملاقات کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ حاران نے سارہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دبایا اور خدا حافظ کہا۔ پھر اُس نے بچوں کو پیار کیا۔ تینوں گیٹ کے پاس پہنچے تو انہوں نے مڑ کر حاران کو دیکھا۔ سارہ جیل سے باہر نکلی تو اس نے فضا پر ایک نظر ڈالی۔ آسمان پر کالے بادل چھائے تھے۔ اور چیختی ہوئی تیز ہوا جیل کی دیواروں سے لپٹ کر رو رہی تھی۔ ٹیکسی میں بیٹھے ہوئے سارہ پر ایک نامعلوم سہم طاری ہو گیا۔

ڈاکٹر حاران اپنے تہ خانے میں واپس آکر کافی دیر تک ایک بت کی طرح بے حس و حرکت اور خاموش بیٹھا رہا۔ شام کافی گہری ہو چکی تھی۔ اس نے اٹھ کر کھڑکی میں سے باہر دیکھا تو سامنے درخت کی لہراتی ہوئی شاخوں کے پاس چودھویں کا چاند افق سے کچھ اونچا ابھر آیا تھا۔ اس نے اس منظر کو بڑے انہماک سے دیکھا۔ اسے یہ حقیقت عجیب اور اجنبی معلوم ہوئی کہ آج کی رات اس کی زندگی کی آخری رات تھی۔ اسی لمحے کوٹھری کا دروازہ چرچراتے ہوئے کھلا اور جیلر دو وارڈروں کے ساتھ سیڑھیاں اترنے لگا۔ جیلر نے حاران کے پاس آکر اس کی آخری خواہش پوچھی۔ حاران نے تھوڑی دیر سوچ کر کہا کہ اسے ہر گھنٹے کے بعد چائے دی جائے اور اس کے کمرے میں ایک کلاک لگا دیا جائے۔ جیلر اس کی بات سن کر واپس چلا گیا۔

ڈاکٹر حاران سنہ ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوا جو انیسویں صدی کا آغاز تھا اور سنہ ۱۹۴۶ء کے وائل میں شہادت سے ہمکنار ہوا۔ اس سارے عرصے میں جدید علوم کی تیز رفتار ترقی ہوئی۔ سائنس نے حیرت انگیز انکشافات کئے۔ ٹیکنالوجی میں غیر

معمولی وسعت پیدا ہوئی۔ بڑے بڑے بینک اور ٹرسٹ قائم ہونے لگے سرمایہ اور تیار شدہ مال بڑے صنعتی ممالک سے پس ماندہ ملکوں میں درآمد کیا جانے لگا۔ بڑے سرمایہ دار ملکوں نے ساری دنیا کو نوآبادیات اور مقبوضات کی شکل میں آپس میں تقسیم کر لیا۔ روس میں سوشلسٹ انقلاب ظہور میں آیا۔ دوسری عالمی جنگ میں فسطائیت کی شکست کے بعد سوشلزم روس کی حدود سے نکل کر چین، مشرقی یورپ اور مشرقی جرمنی میں پھیل گیا۔ سب سے بڑھ کر سائنسی فکر وجود میں آیا۔ جس کے ذریعے انسانی معاشرے کی زندگی کی گتھیاں سلجھانا ممکن ہوا۔ ڈاکٹر حاران نے سائنسی فکر میں غیر معمولی درک حاصل کیا جسے وہ انسان کے سماجی مسائل کے حل اور معاشرے کی بہتر تقلیب کے لئے لابدی سمجھتا تھا۔ نئے سماج کی تشکیل کی لگن اور انقلاب کا جذبہ ہمیشہ اسے بے قرار رکھتا وہ اپنے آدرش کے لئے جیا اور اپنے آدرش ہی کے لئے شہید ہوا۔

وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے عالمِ خیال میں اپنے پسندیدہ خاموش راستے پر چل پڑا جس پر وہ عموماً لمبی سیر کو نکل جایا کرتا تھا اس لمبے راستے پر دو رویہ درخت تھے اور درختوں کے نیچے سبز گھاس کا فرش بچھا تھا وہ اس راستے پر چلتے ہوئے مختلف تصورات میں کھو گیا۔ وقت خلّاق بھی ہے۔ اور تخریب آفرین بھی وہ بسیط بھی ہے اور ہمہ گیر بھی وقت کے بطن میں انسانی حسن اور فطانت کے بے انت خزانے پوشیدہ ہیں جن سے وہ دنیا میں نت نئے جہان آباد کرتا رہتا ہے وہ تاریخ کو تشکیل دیتا ہے اور انسانی نفسیات کی تعبیر مختلف خطوط پر کرتا ہے، وقت ایک آزاد حقیقت بھی ہے ماہ و سال کی شکل میں بھی رینگتا ہے اور انسان کی زندگی کے حالیہ واقعات کو بھی جنم دیتا ہے۔ وہ کسی کے لئے خالق ہے اور کسی کے لئے خالق ہے اور کسی کے لئے قاتل وقت کا بہاؤ انسان کو بچپن

سے جوانی تک اور جوانی سے موت تک بہائے لئے جاتا ہے وقت تغیر آفرین ہے اور زندگی کو نت نئے روپ دیتا ہے۔ اس کی رفتار میں بلا کی ساحری ہے کہ وہ انفع کو قائم اور ترقی پذیر رکھتا ہے۔ اور ناکارہ اور ضرررساں کو آہستہ آہستہ فنا کر کے ناپید کر دیتا ہے۔ انسانی اعمال کے حوالے سے وقت کا بہاؤ ایک مقصدی حرکت ہے اس نے انسان کو غارنشینی سے موجودہ جدید عہد تک پہنچایا۔ وقت کا ظاہری پہلو، ماضی حال، مستقبل اور بہار و خزاں پر مشتمل ہے جب کہ اس کا باطنی پہلو تخلیقی اور انقلابی قوتوں کی جولاں گاہ ہے وقت پہ وہی انسان حکمرانی کر سکتا ہے جو ضبطِ نفس کا حامل اور سخت کوش ہو۔ انسان کے انفع عمل سے امن اور محبت کی صورت گری ہوتی ہے وقت تکرار پسند نہیں بلکہ نو آفرین اور تازہ کار ہے وہ مخاطرہ پسندی کی دعوت دیتا ہے کہ انسان ہر آن اپنے ظاہر و باطن میں تغیر آفرینی کرے، یہ وقت کی ساحری ہے کہ وہ کل صبح منہ اندھیرے اسے ابدی نیند سلا دے گا۔ حاران نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ چاروں اور سناٹا چھایا تھا۔ کبھی کبھی گھنے درختوں میں کسی پرندے کے چہچہانے کی آواز سنائی دے جاتی۔ درخت تیز ہواہیں سائیں سائیں کر رہے تھے۔

ڈاکٹر حاران سڑک پر چلتا رہا اور پھر خیالات میں کھو گیا زندگی مسلسل ہے ایک نامختتم داستان ہے اور تغیر و حرکت سے سدا تازہ کار رہتی ہے جب کہ موت ایک لمحہ ہے جو انسان کو احساس سے عاری کر کے اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ زندگی عظیم ہے کہ وہ ایک بلند آدرش کے محور پر رقصاں ہے اور ہر آن خود کو نئی شان سے ہمکنار کرنے کی دُھن میں رہتی ہے۔ موت آسان ہے کہ وہ شعور کو ختم کر دیتی ہے۔ زندگی سخت کوش، جفا طلب اور دشوار گذار ہے کیونکہ وہ شعور کی پرورش کرتی ہے اور شعور کے

سہارے آگے بڑھتی ہے۔ انسان محض زندگی بسر نہیں کرتا بلکہ ہر آن زندگی کی تقلیب کرتا ہے زندگی ارتقا کے راستے سے گذر کر انقلاب کے راستے پر ہولیتی ہے وہ خیر و شر کی کشمکش کی بنا پر مسلسل انقلاب کے پر دسس ہیں ہے موت بادِ صر صر کا ایک تیز جھونکا ہے اسے یکدم خیال آیا کہ اس کی اپنی زندگی اب ختم ہونے کو ہے بادِ صر صر کا ایک تیز جھونکا اس کی زندگی کی جلتی ہوئی شمع کو ہمیشہ کے لئے بجھا دے گا۔ اسی لمحے اس خاموش سڑک پر دُور ایک موٹر سائیکل سوار آ رہا تھا۔ موٹر سائیکل کے شور نے حاران کے خیالات کا سلسلہ توڑ دیا۔ وہ سڑک کے قریب پڑے ہوئے ایک ٹھنٹھ پر بیٹھ گیا۔ جیل کا دروازہ چڑ چڑا کر کھلا اور تین وارڈر سیڑھیاں اترنے لگے ایک وارڈر نے پانی کا گلاس اور چائے کا کپ ڈاکٹر حاران کے سامنے رکھا اور اور دو وارڈروں نے دیوار پر کلاک لگایا کلاک کی ٹک ٹک کتنی ہولناک تھی، اسے وقت سے خوف آیا۔ ڈاکٹر حاران چائے پیتے ہوئے پھر یادوں میں کھو گیا۔

اس نے ٹھنٹھ پر بیٹھے ہوئے ادگرد دیکھا۔ سبزے کا رنگ دھوپ میں انتہائی دلکش اور اجاگر ہو گیا تھا وہ ٹھنٹھ پر سے اٹھ کر چلنے لگا اور تھوڑی دور چل کر اس پگڈنڈی کو مڑ گیا جو پختہ بڑی سڑک سے جا ملتی تھی جس پر ٹریفک جاری تھی وہ بڑی سڑک کے فٹ پاتھ پر چلنے لگا اچانک اس کی نظر فٹ پاتھ کی دوسری جانب ایک بچے پر پڑی جو اپنی ماں کے ساتھ سکول جا رہا تھا۔ اُسے اپنا بچپن یاد آ گیا۔

ایک چھوٹے سے بوسیدہ مکان میں رابعہ دروازے کی دہلیز پر بیٹھی لالٹین روشن کر رہی تھی۔ باہر شام کا اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔ آسمان پہ مٹیالے بادل چھائے تھے اور موسمِ سرما کی تیز ہوا سسکیاں بھر رہی تھی یہ چولہا دو کمروں کے درمیان دیواروں کے کونے میں بنا ہوا تھا۔ چولہے کے سامنے بچھی دری پہ دو چھوٹے لڑکے بیٹھے تھے اور ایک بچی لحاف میں

سو رہی تھی رابعہ جلتی ہوئی لالٹین ہاتھ میں اٹھائے ایک مجسمے کی طرح بے حس وحرکت دروازے میں کھڑی تھی وہ ماضی کی یادوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ نیم روشن گلیارے میں ساجد نے رابعہ کے ہاتھ اپنی ہاتھوں میں تھام کر کہا "رابعہ! میں اندازہ نہیں کر سکتا کہ ہم کتنی محبت سے زندگی بسر کریں گے۔" رابعہ نے جذبات کی شدت سے مغلوب ہو کر اپنا سر ساجد کے سینے پر رکھ دیا ساجد رابعہ کے ہمسایہ کا بیٹا تھا اور بچپن ہی سے دونوں میں محبت تھی وہ گورنمنٹ کالج امرت سر میں لیکچرار تھا اور بڑا محنتی، نیک دل اور روشن خیال نوجوان تھا۔

بادل ایک دہلا دینے والے دھماکے کے ساتھ گرجا۔ رابعہ چونک پڑی بچی بھی ڈر کے مارے جاگ اٹھی۔ رابعہ لالٹین کو زمین پر رکھ کر بچوں کی جانب تیزی سے بڑھی اور بچی کو گود میں اٹھا کر سینے سے لگایا۔ اس نے دونوں لڑکوں کو بھی اپنے ساتھ لپٹا لیا وہ پھر یادوں میں کھو گئی۔ رات کے کھانے کے بعد رابعہ کا باپ غفور احمد مطالعہ میں مصروف تھا اور رابعہ کی ماں صغرا بیگم اس کے پاس بیٹھی تھی۔ صغرا نے غفور سے کہا "ہمیں ساجد سے رابعہ کی منگنی کی بات پکی کر لینا چاہیئے، ساجد پڑھا لکھا اور نیک دل لڑکا ہے۔" لیکن غفور نے یہ کہتے ہوئے اس تجویز کو رد کر دیا کہ ساجد تیلیوں کا لڑکا ہے۔ وہ راجپوت ہوتے ہوئے ایک نیچ ذات سے کس طرح رشتہ داری قائم کر سکتے ہیں! صغرا اس کا یہ دوٹوک جواب سن کر خاموش ہو گئی رابعہ باہر دروازے کے ساتھ لگی ہوئی یہ باتیں سن رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں جا کر مایوسی اور غم سے نڈھال ہو کر سسکنے لگی عالم خیال میں اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے کمرے کے روشن دان پر ایک پتھر زور سے لگا ہو اور شیشے کے بے شمار ٹکڑے اس کے ارد گرد بکھر گئے ہوں چند دنوں کے بعد غفور نے ارشاد احمد کے رشتے کو قبول کر لیا اور بہت

جلد شادی کر دی حالانکہ صغرا بیگم اس رشتے کے خلاف تھی۔ لیکن غفور احمد کی سینہ زوری کے سامنے وہ کچھ نہ کر سکی۔

غفور احمد ایک سکول میں ہیڈ ماسٹر تھا۔ وہ انتہائی قدامت پسند واقع ہوا تھا۔ اس نے رابعہ کو گھر پر ہی تعلیم دی تھی۔ رابعہ کی تعلیم کا معیار بی اے کے برابر تھا۔ تعلیم و تربیت نے اس کے کردار میں متانت تحمل اور دانائی پیدا کر دی تھی وہ صاحبِ تخیل تھی اور زندگی کا ایک نکھرا ہوا شعور رکھتی تھی

پھر اُسے اپنے شوہر ارشاد احمد کے ساتھ گزاری ہوئی زندگی کا ایک واقعہ یاد آ گیا وہ دوسرے بچے کی ماں بننے والی تھی اور اپنے دو سال کے بچے کو اپنے ساتھ لپٹائے اپنے کوارٹر میں خوف سے دبکی بیٹھی تھی کہ کہیں اس کا شوہر گھر میں داخل ہوتے ہی کسی بات پر اعتراض کرتے ہوئے اس کی توہین نہ کرنے لگے اس کے کان باہر کے دروازے پر لگے تھے یکایک احاطے کا دروازہ ایک دھماکے کے ساتھ کھلا اور ارشاد احمد وردی پہنے اور ہاتھ میں چھڑی گھماتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ بچے نے چاول کھا کر پیتل کی ایک کٹوری احاطے میں پھینک رکھی تھی جو رابعہ کے علم میں نہ تھی ارشاد نے آتے ہی اسے بوٹ سے ٹھوکر ماری اور وہ چھنچھناتی ہوئی دور جا پڑی وہ رابعہ کے پاس آ کر گرجا: "ذلیل! میں نے تمہیں کئی دفعہ کہا ہے کہ چیزیں اِدھر اُدھر مت پھینکا کرو۔ لیکن تم میری بات ایک کان سے سنتی ہو اور دوسرے سے نکال دیتی ہو۔" یہ الفاظ کہتے ہوئے اس نے رابعہ کے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور بھبوکے کی طرح اپنے کمرے میں چلا گیا۔ رابعہ دروازے سے لگ کر سسکنے لگی بچہ بھی سہم کر ماں کے ساتھ چمٹ گیا۔ ارشاد نے وردی اتار کر سادہ کپڑے پہنے رابعہ نے آنسو پونچھتے ہوئے ٹرے میں کھانا لگایا اور اسے ارشاد کی چارپائی کے پاس رکھی ہوئی تپائی پر رکھ دیا۔ اس نے کھانا کھانے کے بعد وضو کیا اور نماز ادا کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا۔

رابعہ کو اس وقت یوں محسوس ہوا جیسے سارے گھر پر نحوست اور سہم نے قبضہ کر رکھا تھا اور اس طرح اس کی روح ہمیشہ کے لئے بشاشت سے محروم ہو چکی تھی۔ اس مسلسل توہین نے اس کے دل کو زخم زخم کر دیا تھا وہ باورچی خانے میں بیٹھی ہوئی بچے کو سینے سے لگا کر سسکیاں بھرنے لگی۔ باہر دروازے پر دستک ہوئی تو وہ چونکی اور بچی کو گود سے نیچے اتار کر لالٹین لے کر دروازے کی طرف لپکی۔ اس کی عدم موجودگی میں حاران احمد نے بڑے بھائی نایاب احمد سے کہا کہ اس دیگچی میں کیا پک رہا ہے اس نے لاپروائی سے جواب دیا کہ پرسوں کی طرح پانی پک رہا ہوگا۔

رابعہ نے لالٹین کو ڈیوڑھی کے دروازے سے باہر کی طرف رکھ دیا تاکہ بچوں تک روشنی پہنچتی رہے۔ وہ دروازے کے نزدیک پہنچی تو باہر سے آواز آئی۔ "رابعہ! میں حمیدہ ہوں دروازہ کھولو" رابعہ نے دروازہ کھولا تو حمیدہ ڈیوڑھی میں آگئی۔ اس کے ہاتھ میں کھچڑی سے بھری بڑی پلیٹ تھی۔ اس نے چاولوں کی پلیٹ اور چار روپے رابعہ کو دیئے رابعہ نے خود پر ضبط کرتے ہوئے کہا: "بچے بھوکے تھے اور گھر میں انہیں کھلانے کو کچھ نہ تھا۔ میں حیران تھی کہ کیا کروں۔ آپ نے بر وقت امداد کا ہاتھ بڑھایا"

"چھوڑو بہن! یہ تو معمولی سی بات ہے اچھا اب میں چلوں" حمیدہ نے یہ کہتے ہوئے سامنے اپنے مکان کے تھڑے پر سے گذر کر ڈیوڑھی میں رکھی لالٹین اٹھائی اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

حمیدہ کا شوہر فضل دین پلنگ پر بیٹھا حقے کے کش لگا رہا تھا اس نے فضل دین کے پاس بیٹھ کر اسے بتایا کہ رابعہ اور اس کے بچے فاقے سے تھے اس نے حمیدہ کی بات سن کر دکھ بھرے لہجے میں کہا "کتنے المناک حالات ہیں ارشاد احمد کتنا سنگ دل انسان ہے کہ اسے اپنی بیوی بچوں کا خیال بھی نہیں دو مہینے ہو گئے ہیں کہ اس نے گھر کا خرچ نہیں بھیجا" حمیدہ

اس کے لئے کھانا لائی تو اس نے ایک لمبی سرد آہ بھرتے ہوئے حقے کی نے کو ایک طرف ہٹایا۔ فضل دین بڑھئی کا کام کرتا تھا لیکن دانا اور سمجھدار انسان تھا اور عورت کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھتا تھا۔ حمیدہ بھی بڑی نیک اور رحم دل خاتون تھی۔

ارشاد احمد سندھ گورنمنٹ کے محکمہ پولیس میں سب انسپکٹر تھا وہ بڑا شکی مزاج، غصیلا اور زود اعتقاد تھا۔ عورت کے معاملے میں وہ ایک کٹڑ قسم کا قدامت پسند اور سنگ دل انسان واقع ہوا تھا اور عورت پر مرد کے تحکم کو ایک الوہی اور دائمی قانون سمجھتا تھا۔ اس کا یہ چھوٹا سا بوسیدہ مکان بٹالہ کے ایک محلے میں واقع تھا یہ محلہ گلی نما تھا — ایک لمبی گلی جو زیادہ چوڑی نہ تھی۔ اور جس کے دونوں طرف مکانات تھے اور جو پچھلی طرف سے بند تھی۔

جب بچے سو گئے تو رابعہ لالٹین مدھم کر کے خود بھی لیٹ گئی تھوڑی دیر کے لئے اس کی آنکھ لگی۔ پھر نیند غائب ہو گئی اور وہ بستر پر کروٹیں بدلنے لگی۔ کارنس پر رکھا ہوا ٹائم پیس برابر ٹک ٹک کئے جا رہا تھا آخر وہ بے چینی کے عالم میں اٹھ بیٹھی بچے گہری نیند سو رہے تھے۔ وہ کوٹھے پر جانے کے لئے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

چاروں اور رات کا سناٹا چھایا تھا۔ بادل چھٹ چکے تھے اور نیلے آسمان پر آدھا چاند تیر رہا تھا جس پر سے ہلکے سفید بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے گذر جاتے رابعہ کے من میں دبے ہوئے جذبات سلگنے لگے اور وہ رات کی اتھاہ خاموشی میں کھو گئی وہ بہت دیر تک ایک تراشے ہوئے بت کی طرح چاند پر نظریں جمائے کھڑی رہی۔ "میرے ذہن پر غم کی دھند چھا رہی ہے۔ دکھوں نے مجھے وارفتہ بنا دیا ہے۔ میرے کانوں میں کسی نامعلوم خطے سے آتی موسیقی کی اداس گتیں بج رہی ہیں تارے

ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔ یادِ نسیم شب مجھے کسی کا پیغام دے رہی ہے۔ فطرت کی دیوی ان کرب ناک لمحوں میں میرے ساتھ غمگین کھڑی ہے۔ آدھا چاند کتنا روشن ہے میری زندگی تو آدھی بھی روشن نہ ہوئی میں تو ساز بھی نہ اٹھا پائی تھی کہ اس کے تار ٹوٹ گئے اور اس سے بلند ہونے والے نغمے ہمیشہ کے لیئے خاموش ہو کر رہ گئے۔ وہ عالمِ بیخودی میں سوچتی گئی۔

پھر اس کے سامنے ساجد کا حسین اور رجوان چہرہ دھیرے دھیرے ابھرا جو ملول تھا۔ ساجد کی شبیہ بہت جلد تحلیل ہو گئی اور رابعہ دیوار سے ٹیک لگا کر سسکنے لگی۔ مغرب سے اٹھتا ہوا بادل چشم زدن میں سارے آسمان پر پھیل گیا رابعہ چند لمحے سر اٹھائے حیرت سے ان طوفانی بادلوں کو دیکھتی رہی۔ اس پر پھر ایک وارفتگی چھا گئی۔ اے طوفانی بادلو ! مجھے بھی اپنے ساتھ کسی نامعلوم جزیرے کی سمت لے چلو! میں بھی ایک گرجتا طوفان ہوں۔ میں عورت کی صدیوں پر پھیلی ہوئی بپتا ہوں ساحرِ غم نے مجھ میں ایک اتھاہ قوت پیدا کر دی ہے، میں ایک کوندتی ہوئی بجلی بن کر بستئ عالم پر ٹوٹ پڑوں گی اور نسلِ انسانی کو گہری نیند سے جگا دوں گی۔ وہ اپنے ذہن میں چلائی۔ اسی لمحے بادل ہولناک طور پر پھر گرجا اور بجلی کڑک کر بادلوں میں گم ہو گئی۔ وہ اپنے مایوس کن خیالات میں گھری ہوئی سیڑھیاں اترنے لگی۔

دن کے دس بجنے والے تھے۔ خوشگوار سنہری دھوپ چاروں اور چھائی تھی اور پرندے اُجلی فضا میں چکر لگا رہے تھے۔ چودھری گلاب بازار میں چلا آ رہا تھا۔ مجید شیر فروش نے اسے سلام کیا تو وہ اس کی دکان کے پاس رُکا، اس کی خیریت معلوم کی اور چل پڑا۔ گلی کے شروع میں دائیں ہاتھ پہلا مکان اسی کا تھا۔ وہ گلی میں ایک ہمسائے سے مصافحہ کرنے

کے لیئے ٹھہر گیا۔ اس نے دیکھا کہ پست قد غلام رسول اپنے کسرتی بدن پر اتراتے ہوئے گلی کے دروازے کی جانب آ رہا ہے۔ وہ اسے بڑا مضحکہ خیز دکھائی دیا۔ جسمانی طاقت، قابلیت، عہدے اور خوشحالی پر اترانا بھی انسان کی کتنی بھول ہے، چودھری نے سوچا۔ وہ اپنے مکان کی طرف بڑھا تو قاضی افتخار اور اس کی بیوی مہر النساء دونوں گلی میں داخل ہوئے۔ وہ چودھری کے پاس سے گذرے تو اس نے قاضی کو سلام کیا لیکن قاضی نے اس کے سلام کا جواب صرف ہاتھ کے اشارے سے دیا۔ میاں اور بیوی دونوں کے چہروں پر احساسِ برتری کی وجہ سے ایک غیر ضروری سنجیدگی چھائی تھی۔ قاضی افتخار جج کے عہدے پر فائز تھا۔ وہ عام لوگوں کو اپنے سے چھوٹا اور غیر اہم سمجھتا تھا اسی لیئے وہ گلی والوں سے میل ملاپ نہ رکھتا۔ جب وہ گھر سے نکلتا تو اس کی گردن تنی ہوتی اور وہ کسی کی جانب نظر اٹھا کر دیکھنا بھی اپنے مرتبے کے خلاف سمجھتا۔

چودھری اپنے مکان کے نزدیک پہنچا تو اس کا بیٹا اشرف نشے میں جھومتا ہوا گلی میں داخل ہوا۔ چودھری گلاب اسے غصے اور حقارت سے گھورتا ہوا اپنے مکان کے اندر چلا گیا۔ وہ عافیت اسی میں سمجھتا تھا کہ اس کے منہ نہ لگے اشرف ساتھ کی گلی میں ایک مسلمان جاگیردار محمد فاضل کے ہاں ملازم تھا وہ ایک نیک دل اور بھولا بھالا نوجوان تھا۔ لیکن وہاں کے ماحول میں رہ کر وہ کئی سماجی برائیوں کو اپنا چکا تھا۔ اب وہ پہلے جیسا معصوم اور نیک دل نہ تھا۔ بلکہ اس کی سیدھی سادھی، مخلص اور مہربان ذات میں ایک شاطر، خود غرض اور سنگ دل انسان جنم لے چکا تھا۔ جاگیردار کے سارے اطوار اس میں گھر کر چکے تھے۔ کبھی کبھی جاگیردار کا منیم گاؤں سے آجاتا تو جاگیردار کے ساتھ اس کی ساری بات چیت اشرف کے سامنے ہی ہوتی اور وہ ان کی گفتگو کو بڑی توجہ سے سنتا آہستہ آہستہ اس نے بھی خود غرضی اور سنگ دلی کو اپنے کردار کا ایک

حصہ بنالیا۔

قاضی اور اس کی بیوی اپنے مکان میں داخل ہو کر سیڑھیاں چڑھ رہے تھے تو بدرو سیڑھیاں اترتے ہوئے ان کے پاس سے گذری اور اس نے انہیں سلام کیا۔ لیکن وہ دونوں اس کے سلام کو نظر انداز کر کے سیڑھیاں، چڑھنے گئے۔ بدرو نے انہیں حقارت آمیز اور غضب ناک نگاہوں سے دیکھا اور سیڑھیاں اترنے لگی۔ قاضی نے گھر میں داخل ہوتے ہی اپنی بیٹی ثریا کو ڈانٹا کہ وہ چھوٹے لوگوں کو کیوں منہ لگاتی ہے۔ ثریا نے متانت کے ساتھ مگر غصیلے انداز میں جواب دیا: "آپ اپنے دقیانوسی خیالات اپنے تک محدود رکھیں۔ میں آپ کے خیالات کو نہیں اپنا سکتی اور نہ ہی اپنے نئے خیالات کو چھوڑ سکتی ہوں، سماج انہیں لوگوں کے کندھوں پر کھڑا ہے جنہیں آپ چھوٹا اور رذیل سمجھتے ہیں۔" یہ الفاظ کہتے ہی وہ بھبوکے کی طرح اپنے کمرے کی طرف چل دی مہرالنسا دوسرے کمرے میں کھڑی یہ باتیں سن رہی تھی۔ قاضی وہیں ٹھٹک کر کھڑا رہ گیا۔ آج اس نے پہلی دفعہ نئے خیالات کو پرانے خیالات سے الجھتے ہوئے محسوس کیا۔ ثریا گریجوایٹ تھی۔ ملک میں پھیلتے ہوئے نئے علوم کی اٹھتی لہر نے اسے روشن خیال بنا دیا تھا۔

بدرو قاضی کے گھر سے نکل کر گلی میں جا رہی تھی۔ اس کا اصل نام بدرالنسا تھا وہ اپنی زندگی کے پہلے حصے میں حالات کی مجبوری کے تحت ایک طوائف رہ چکی تھی۔ لیکن گھریلو زندگی اپنانے کے بعد اس نے خود کو ایک سلجھی ہوئی، نیک اور سلیقہ شعار خاتون ثابت کیا وہ عام برتاؤ میں بڑی صاف گو اور ہمدرد تھی وہ رابعہ کے مکان کے پاس آئی تو اس نے سخاوت کو گلی میں آتے ہوئے دیکھا۔ بدرو نے رابعہ کے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا رابعہ نے دروازہ کھولا تو بدرو اس سے بغل گیر ہو کر ملی۔ وہ دونوں اندر چلی گئیں۔

سخاوت نے فضل دین کے مکان پر دستک دی۔ سلمیٰ نے دروازہ کھولا

تو سخاوت اس کے ساتھ اوپر کی منزل پر آگیا۔ اس نے حمیدہ کے متعلق پوچھا تو سلمیٰ نے اسے بتایا کہ امی ساتھ کے محلے میں گئی ہے۔ سخاوت نے سلمیٰ کے نزدیک جا کر یک لخت اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔ سلمیٰ نے متانت سے کہا "سخاوت! اگرچہ آپ میرے منگیتر ہیں۔ لیکن ہم شادی سے پہلے ایک دوسرے کے نزدیک نہیں آ سکتے ہماری تہذیبی روایات اس کی اجازت نہیں دیتیں۔" "میرے خیال میں تو اس میں کوئی حرج نہیں"۔ سخاوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ سلمیٰ نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا "جنس کی منطق کے تحت جب مرد اور عورت ایک چھوٹا سا قدم اٹھاتے ہیں تو پھر جنسی تلذذ سے مسحور ہو کر قدم بہ قدم آگے بڑھتے ہیں۔ یہاں تک وہ اپنی منزل کو پا لیتے ہیں۔ اس لئے یہ لابدی ہے کہ جنس کے سلسلے میں ضبطِ نفس سے کام لیا جائے۔" "لیکن فرد کو سماج میں آزادی بھی تو میسر ہونی چاہیئے۔" سخاوت نے کھڑکی میں سے جھانکتے ہوئے کہا۔ "آپ ٹھیک فرماتے ہیں لیکن ابھی تک میں کسی بے لگام آزادی کی قائل نہیں ہو سکی۔ میرے نزدیک آزادی چند پابندیوں ہی نام ہے۔" سلمیٰ یہ الفاظ کہتے ہوئے باورچی خانے کی جانب چل دی۔ سلمیٰ فضل دین کی بیٹی تھی۔ اس کی تربیت میں حمیدہ کا بڑا ہاتھ تھا وہ میٹرک پاس کر چکی تھی اور آزاد مطالعہ کی بڑی دلدادہ تھی۔ سخاوت سلمیٰ کی بڑی خالہ کا بیٹا تھا۔ وہ میڈیکل طالب علم تھا اور بہت خوش اطوار نوجوان تھا۔ سخاوت نے سلمیٰ کے نزدیک جا کر کہا۔ "سلمیٰ! میں آپ کے خیالات کا بڑا احترام کرتا ہوں اچھا اب میں چلتا ہوں۔"

سخاوت گلی میں گیا تو سلمیٰ کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی اس نے سخاوت کو بازار میں مڑتے ہوئے دیکھا تو اسی وقت نوید گلی میں داخل ہوا اس نے محمودہ کے مکان پر دستک دی چند لمحوں کے بعد محمودہ نے دروازہ کھولا اور وہ دونوں اوپر کی منزل پر چلے آئے۔ نوید ساتھ کی گلی میں رہتا تھا

وہ دونوں جاگیردار گھرانوں کی اولاد تھے۔ کھلنڈرے اور عیش و آرام میں زندگی بسر کرنے والے دولت کی فراوانی کی وجہ سے وہ زیادہ تعلیم بھی حاصل نہ کر سکے۔ محمودہ کی تعلیم میٹرک تک تھی۔ وہ انتہائی شائستہ اور حسین تھی وہ اکثر رومانوی خیالات میں گھری رہتی وہ نوید کو بہت چاہتی تھی لیکن کبھی کسی موقع پر اپنی محبت کا اظہار نہ ہونے دیتی۔ محمودہ نے نوید سے کہا کہ آج تو وہ اس سے گانا ضرور سنے گی لیکن پہلے چائے کا انتظام کرے۔ کچھ دیر کے بعد بدرو رابعہ کے گھر سے نکل کر محمودہ سے ملنے کے لئے اس کی ڈیوڑھی میں داخل ہوئی اور آدھی سیڑھیاں چڑھنے کے بعد اس نے سنا تو نوید غالب کی غزل گا رہا تھا گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو" وہ وہیں ٹھہر گئی۔ نوید ہارمونیم کی سنگت میں غزل گا رہا تھا اور محمودہ پر ایک وارفتگی کا عالم طاری تھا۔ وہ نوید کے دلکش خدوخال اور اس کے گانے سے مسحور تھی حسین احساسات اس کے ذہن پر سے گذر جاتے۔ کبھی رنگا رنگ پھول لہلہاتے کبھی سبز پوش وادی میں جھرنوں کے گرنے کی کیف آفرین آواز سنائی دیتی۔ کبھی بادِ صبح کا خنک لمس بدن میں اہتزاز پیدا کرتا۔ کبھی دور مغربی افق پر شفق کے رنگ ٹک اٹھتے۔ کبھی وہ چاندنی کے سیلِ نور میں بہنے لگتی اور کبھی کسی نامعلوم مندر میں گھنٹیاں بجنے کی مقدس جھنجھناہٹ سنائی دیتی۔ گانا ختم ہوا تو محمودہ کی ذہنی کیفیت بھی بدلی اور وہ نوید کی مسحور کن آواز کی داد دینے لگی بدرو سیڑھیاں اتر کر اپنے گھر کو چل دی۔

صبح کے دس بجے تھے رابعہ صحن میں جھاڑو دے رہی تھی۔ حاران نے ڈیوڑھی میں سے خط اٹھاتے ہوئے کہا "امی! خط آیا" اور خط لا کر اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ رابعہ خط پڑھنے لگی۔ حاران نے بے تابی سے پوچھا کہ یہ خط کس کا ہے۔ رابعہ نے اسے بتایا کہ اس کے ابو کا خط ہے اور وہ بہت جلد آرہا ہے۔ حاران یہ خوش خبری اپنے بھائی اور بہن کو سنانے کے لئے

سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ یہ خط کتنے روکھے پن سے لکھا ہوا ہے اور پھر وہ یکدم اتنی جلدی کیوں آرہا ہے۔ رابعہ نے سوچا۔ یکایک اسے منظور احمد کی آمد کا واقعہ یاد آگیا جو ایک مہینہ پہلے اس کے گھر آیا تھا۔ رات کے نو بجے تھے۔ چولہے کے بائیں ہاتھ کے کمرے سے منظور احمد نے ذرا اونچی آواز میں کہا "میرا بٹوا نہیں مل رہا۔ نجانے کیا ہوا!" یہ سن کر رابعہ اس کے کمرے میں آگئی "آپ نے اپنا بٹوا کہاں رکھا تھا" رابعہ نے اس کے پاس آکر پوچھا۔ منظور احمد نے یک لخت اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر سرمستی کے عالم میں کہا "رابعہ" اس کے خوبصورت ہاتھ کے لمس نے منظور احمد میں ایک ہیجان پیدا کر دیا۔ اس کے اس غیر متوقع رویے نے رابعہ کو چکرا دیا۔ اس نے خود کو سنبھال کر فوراً اپنا ہاتھ منظور احمد کے ہاتھوں سے چھڑا کر کہا "منظور! ہوش میں آؤ! میں تمہاری نفسانی خواہش کے آگے نہیں جھک سکتی۔ میں چار سال سے ضبطِ نفس کی آگ میں صرف اس لئے جل رہی ہوں کہ میں اپنی دوہری تقدیس کے تحفظ کا وہ فرض ادا کر سکوں جو عورت اور ماں ہونے کے ناتے مجھ پر عائد ہوتا ہے" لیکن جنسی جذبے نے منظور احمد کے ذہن پر اس طرح تسلط جما لیا تھا کہ اس پر رابعہ کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ~~جنسی ہیجان پر اس~~
~~طرح تسلط جما لیا تھا کہ اس پر رابعہ کی باتوں کا کوئی اثر~~ نہ ہوا۔ جنسی ہیجان نے اس کے چہرے کو بھیانک بنا دیا تھا۔ اس نے بڑی ڈھٹائی سے واضح لفظوں میں کہا "اگر آپ انکار کرتی ہیں تو آپ کو انتقام کا سامنا کرنا ہوگا میں ارشاد احمد کو آپ کے خلاف بھڑکانے کا فن خوب جانتا ہوں اس کی پہلی بیوی نے بھی میری بات نہیں مانی تھی تو میں نے ارشاد احمد کی زود اعتقادی سے فائدہ اٹھا کر اسے طلاق دلوا دی تھی" منظور کی وحشت ناک آنکھوں سے خوف آتا تھا "ہاں! مجھے ہر قیمت پر انکار ہے" یہ الفاظ کہتے ہوئے رابعہ طیش کے عالم میں اپنے کمرے کی جانب

لوٹی۔ ادپر بچوں کے شور کی تیز آواز نے رابطہ کو چونکا دیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ زمین پر بیٹھی تھی۔ اور اس کے ہاتھ میں جھاڑو تھا۔ اس پر ایک مہلک خوف طاری ہو گیا وہ فرش کی صفائی جلدی ملے کر کے کوٹھے پر گئی اور تینوں بچوں کو سینے سے لگا کر آب دیدہ ہو گئی۔

منظور احمد ارشاد کی خالہ کا بیٹا تھا جس کی عمر پینتیس سال کے لگ بھگ تھی۔ اس کا باپ ایک جاگیردار تھا۔ دولت کی فراوانی نے منظور احمد میں عیش کوشی کے تمام عیوب پیدا کر دیئے تھے۔ وہ رابعہ کے ہاں بدنیتی سے ایک رات ٹھہرا تھا۔ لیکن رابعہ کی اخلاقی ثابت قدمی کی وجہ سے وہ اپنے ارادے میں ناکام رہا۔ ناکامی کے بعد اس نے ارشاد احمد کو ایک خط لکھا جس میں اس نے انتہائی مکّاری سے رابعہ کی جنسی بے راہروی کی ایک مؤثر تصویر کھینچی اور اس طرح اسے اپنے وحشیانہ انتقام کا نشانہ بنایا۔

ارشاد احمد کا خط موصول ہوئے آج تیسرا دن تھا اور ایک نامعلوم خوف رابعہ کا پیچھا کر رہا تھا۔ سہ پہر کا وقت تھا۔ بچے کوٹھے پر کھیل رہے تھے۔ رابعہ چولہے کے پاس بیٹھی خیالات میں گم تھی۔ باہر دروازے پر کسی نے دستک دی۔ لیکن رابعہ نہ سن سکی نایاب احمد نے نیچے اتر کر بتایا کہ کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ رابعہ چونک پڑی اور نایاب سے دروازہ کھولنے کو کہا، اس اثنا میں دونوں بچے بھی کوٹھے پر سے نیچے اتر آئے۔ اسی لمحے ارشاد احمد اندر داخل ہوا منظور احمد بھی اس کے ہمراہ تھا۔ ارشاد احمد اندر آتے ہی بھبوکے کی طرح دائیں ہاتھ کے کمرے میں چلا گیا۔ منظور احمد اور رابعہ کی آنکھیں ایک لمحے کے لئے چار ہوئیں۔ رابعہ نے دیکھا کہ منظور احمد کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ ارشاد احمد کمرے سے باہر نکلا تو اس کے ہاتھ میں رابعہ

کا سفید برقعہ تھا، اس نے برقعہ رابعہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "یہ لو برقعہ اور میرے گھر سے فوراً باہر نکل جاؤ!" رابعہ برقعے کی طرف اپنا ہاتھ نہ بڑھاتے ہوئے کہنے لگی: "آپ میری بات بھی تو سن لیں!" "میں تمہاری باتیں اردگرد کے ہمسایوں اور اپنے رشتہ داروں سے سن چکا ہوں!" ارشاد احمد نے نہایت غصیلے انداز میں کہا۔ جب رابعہ نے پھر بھی برقعہ نہ پکڑا تو ارشاد اسے بازو سے پکڑ کر باہر کے دروازے کی طرف گھسیٹنے لگا۔ تینوں بچے روتے ہوئے ماں سے لپٹ گئے تو اس نے انہیں جھنجھوڑ کر رابعہ سے الگ کر دیا۔ بچوں کے رونے سے ایک کہرام مچ گیا وہ رابعہ کو گھسیٹتے ہوئے بیرونی دروازے سے باہر لے آیا اور اسے زور سے دھکا دے کر سامنے مکان کے تھڑے پر پھینک دیا اور برقعہ اس کے اوپر دے مارا۔ رابعہ تھڑے پر بیٹھی ہوئی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ فوراً اندر گیا اور بچوں کو لے کر باہر نکل آیا اور دروازے پر تالا ڈال دیا۔ منیرہ کو منظور احمد نے اٹھا رکھا تھا جو بُری طرح روتی ہوئی ماں کی طرف اچھل رہی تھی۔ دونوں لڑکے ارشاد کے ساتھ تھے جو رو رہے تھے اور مڑ مڑ کر ماں کی طرف دیکھتے جا رہے تھے رابعہ بھی سسکیاں بھرتی ہوئی بچوں کی جانب مسلسل دیکھ رہی تھی ارشاد اور منظور بچوں کو لئے گلی کے دروازے سے باہر نکل کر بائیں ہاتھ بڑی سڑک کو مڑ گئے ارشاد بچوں کو اپنے بڑے بھائی جواد کے ہاں لے گیا۔

آسمان پر کالے بادل چھائے تھے اور سرد ہوا سائیں سائیں کر رہی تھی۔ گلی میں محلّے کے لوگ اپنے اپنے مکانوں کے آگے کھڑے ابھی تک تماشائی تھے۔ رابعہ حمیدہ کے مکان کی دہلیز پر بیٹھی تھی اور اپنا سر زانوؤں پر رکھے لگاتار سسکیاں بھرے جا رہی تھی اس کی شخصیت کی بہیمانہ توہین نے اس کی خود اعتمادی کے آبگینے کو چکنا چور کر دیا تھا اس صدمے نے اس کی قوتِ حیات کو سلب کر لیا تھا اور اب وہ بظاہر زندہ تھی لیکن باطنی

طور پر وہ ہو چکی تھی۔ بدرو رابعہ کے پاس ہی ششدر کھڑی تھی۔ یکا یک حمیدہ نے دروازہ کھولا اور بدرو کی مدد سے رابعہ کو اٹھا کر ڈیوڑھی میں لے آئی۔ حمیدہ نے اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ رابعہ کی دماغی حالت بگڑ چکی تھی۔ پہلے اسے محسوس ہوا کہ ایک خوفناک زلزلہ آیا ہے اور مکانات زمین بوس ہو رہے ہیں اور کئی جگہ سے زمین پھٹ گئی ہے۔ پھر اس نے خود کو ایک بپھرے ہوئے طوفان میں بیچارگی سے ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے پایا۔ رابعہ کے ناک سے خون بہنے لگا۔ اس کے دماغ کی شریان پھٹ چکی تھی۔ چند لمحوں کے بعد اس نے زور سے ہچکی لی اور ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔ حمیدہ نے اس کے دل پر ہاتھ رکھا جو پتھر بن چکا تھا۔ اس نے اوپر سے چھوٹی چارپائی منگوائی اور رابعہ کو اس پر لٹا کر اسے چادر سے ڈھانپ دیا۔ پھر اس نے فضل دین سے کہا کہ وہ فوراً رابعہ کے بھائیوں کو بلا آئے۔

ڈاکٹر حارث ایک تیز ہارن سے چونک پڑا۔ اس نے سڑک پر نظر دوڑائی ٹریفک برابر جاری تھی، وہ پھر یادوں میں کھو گیا۔

---

(۲)

حارث اور منیرہ کو جواد احمد کے ہاں رہتے ہوئے دس سال گذر چکے تھے۔ نایاب احمد کو ارشاد کا بھائی کوئٹہ لے گیا تھا۔ منیرہ جوانی میں قدم رکھ چکی تھی۔ وہ چودہ سال کی ہونے کو تھی۔ قد و قامت اور چہرے کے خدوخال کی بنا پر رابعہ سے ملتی جلتی تھی۔ وہی بلا کا حسن، وہی شائستگی، وہی خاموش طبیعت وہ سارا دن گھر کے کام کاج میں لگی رہتی۔ اسے دن میں کئی بار ماں کا خیال آتا نجانے امی کیسی تھی۔ اگر وہ زندہ ہوتی تو اسے کتنا پیار کرتی۔ اکثر وہ انہیں خطوط پر سوچا کرتی کئی دفعہ اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے۔ اس نے چھٹی جماعت کے معیار تک اردو پڑھ رکھی تھی۔ اس کے سکول جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کیونکہ جواد عورت کو جدید تعلیم دلانے کا سخت مخالف تھا کئی دفعہ وہ حسرت سے سوچتی کہ کاش وہ بھی کسی سکول کی طالبہ ہوتی۔

اب حارث احمد آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا وہ اپنی عمر کے لڑکوں سے کہیں زیادہ ذہین تھا۔ اور چلتی پھرتی زندگی کا گہرا مطالعہ کرتا۔ لیکن کسی غیر ضروری معاملے میں دخل نہ دیتا اور اپنی پڑھائی میں جٹا رہتا۔ اس کی روزمرہ زندگی بڑی منظم تھی، وہ چار بجے سہ پہر کے قریب ہاتھ میں ہاکی لئے گھر سے نکل کھڑا ہوتا اور سیدھا بلدیہ کے پبلک ریڈنگ روم میں پہنچتا۔ وہاں ضروری اخباریں اور رسالے پڑھنے کے بعد وہ کھیل میدان کا رخ کرتا۔ اس کی منجھی ہوئی

عادات اور ذہانت کی وجہ سے سکول کے تمام ٹیچر اُسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور ہونہار سمجھتے۔

جواد احمد جس گلی میں رہتا تھا اس میں مسلمان اور ہندو دونوں رہتے تھے۔ گلی کے آخر میں ایک چھوٹا سا احاطہ تھا اور وہاں گلی بند ہو جاتی تھی۔ جواد کا دو منزلہ مکان اس احاطے کے دائیں کونے پر واقع تھا۔ اس کے مکان کی مشرقی جانب ایک چھوٹے سے مندر کے سوا کوئی اونچا مکان نہیں تھا۔ اس لئے اوپر کی منزل کی مشرقی کھڑکیوں میں سے صبح سویرے سورج کی کرنیں سیدھی کمرے میں آتی تھیں۔ اس کمرے کے ساتھ باورچی خانہ اور دو اور کمرے تھے۔ جواد کی دو لڑکیاں عابدہ اور ساجدہ تھیں اور تین لڑکے قدیر، نذیر اور بشیر تھے۔

جواد نے اپنے بچوں میں سے کسی ایک کو بھی سکول کا منہ نہ دیکھنے دیا تھا۔ وہ جدید تعلیم اور جدید لباس دونوں کو مذہب کے خلاف سمجھتا تھا۔ نذیر تیرہ سال کی عمر میں گھر سے بھاگ نکلا تھا اور اب اسے گھر سے گئے تیرہ سال گذر چکے تھے۔ نذیر ایک فونڈری میں خراد کا کام کرتا تھا اور بشیر بڑھئی تھا وہ ہنر مند تو تھے۔ لیکن تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے زندگی کو سمجھنے سے عاری تھے یہی حال دونوں لڑکیوں کا تھا۔ وہ بھی زندگی کی تفہیم سے بے بہرہ تھیں منیرہ بھی انہی کے زمرے میں شامل ہو گئی تھی۔

انگریزی دور کی ساری روشن خیالی جواد کے گھر میں راہ نہ پا سکی وہ مرتے دم تک قدامت پسندی کا دم بھرتا رہا اور اس نے اپنے گھرانے کو علم کی روشنی سے محروم رکھا وہ جاگیرداری عہد کے جمود کی مکمل نمائندگی کرتا تھا وہ پرانے کا دلدادہ اور نئے سے خوف زدہ تھا۔ اس کی بیوی فضیلہ نے بہتیری کوشش کی کہ کم از کم اس کے تین لڑکے ہی تعلیم حاصل کر لیں لیکن جواد کی قدامت پسندی اور ہٹ دھرمی کے سامنے اس کی ایک نہ چل سکی فضیلہ ایک تیز طبع اور ذہین خاتون تھی وہ پڑھی لکھی نہ تھی۔ لیکن زندگی

سے زندہ تعلیم حاصل کرنے کا گُر جانتی تھی اور حواس کی دنیا میں رہتے ہوئے اپنے حواس کو چوکنا رکھتی۔ محلے کی تمام تعلیم یافتہ خواتین سے اس کے گہرے مراسم تھے۔ جواد اسے بہتیرا دبا کر رکھنے کی کوشش کرتا۔ لیکن وہ دبنے نہ پاتی اور لگی لپٹی رکھے بغیر اس کی ہر بات کا معقول جواب دیتی وہ اپنے اردگرد کی زندگی کے تجربوں کو بڑے غور سے دیکھتی اور اس لئے ہر موقع پر ہوش مندی کا اظہار کرتی۔

فضیلہ کی بالواسطہ تعلیم کا ذریعہ محلے کی تعلیم یافتہ خواتین کی صحبت تھی۔ اس کے برعکس جواد کا کسی سے میل جول نہ تھا وہ ایک ایسا شخص تھا جو اپنی ذات میں غرق ہو چکا تھا۔ وہ انگریزی عملداری سے پہلے کے جاگیرداری سماج کی قدامت پرستی کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھا۔ اسے ملک میں پھیلے ہوئے نئے علم و ادب اور صحافت نئی سائنسی ایجادات اور انکشافات سے کوئی دلچسپی نہ تھی جنہوں نے ذہنوں میں ہلچل پیدا کر رکھی تھی۔ نئے اور پرانے میں ایک تصادم جاری تھا۔ نئے کی مسلسل ضربوں تلے قدامت پرستی کراہ رہی تھی۔

جدید پسندی اور قدامت پرستی کا یہ تصادم بڑے شہروں سے چھوٹے شہروں میں اور چھوٹے شہروں سے قصبوں تک پھیل رہا تھا۔ نظریات میں ایک کشمکش اور خیالات میں ایک ہیجان تھا۔ اخباروں اور رسالوں میں نئی نئی بحثیں اٹھ رہی تھیں اور ایک دوسرے پر نظریاتی حملے شدت اختیار کر گئے تھے۔ لیکن جواد اس نئی دنیا سے منہ موڑ کر جاگیرداری عہد کے دقیانوسی خیالات کے اندھیرے غار میں بھٹک رہا تھا اسے بہتی ہوئی زندگی کے زندہ حقائق سے کوئی سروکار نہ تھا۔

جب ان کی تعلیم کا سوال پیدا ہوا تو فضیلہ نے جواد کو صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ وہ دوسرے کی اولاد کے معاملے میں دخل دینے کا

کوئی حق نہیں رکھتا۔ اس طرح حاران اس کی قدامت پسندی کا نشانہ نہ بن سکا جواد کے ظلمت پسند رجحانات کی وجہ سے اس کے گھر پر ایک نحوست چھائی رہتی۔ اس کے بچے مستقل طور پر بیدلی اکتاہٹ اور مایوسی کا شکار رہتے گھر کے ماحول کی گھٹن نے ان کی بشاشت کو ختم کر دیا تھا اور ان کی صلاحیتوں کو دبا دیا تھا۔

ساجدہ صحن میں برتن صاف کر رہی تھی اور منیرہ کمرے میں جھاڑ دینے میں مصروف تھی۔ فضیلہ نے باورچی خانے میں سے نکلتے ہوئے کہا۔ "تمہارے ابا تو اتوار کو بھی گھر میں نہیں ٹھہرتے۔ ان کے پاؤں میں تو ایک چکر ہے۔" پھر اس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا: "یہ عابدہ کی بچی کہاں ہے؟" ساجدہ نے اسے بتایا کہ وہ نچلے کمرے میں لیٹی ہوئی ایک ناول پڑھ رہی ہے جس کا نام "انجام محبت" ہے فضیلہ نے برملا کہا کہ جب اسے جدید تعلیم میسر نہیں آسکی تو ایسے سستے قسم کے ناول ہی پڑھے گی وہ بہت زیرک تھی۔ اس نے سوچا کہ اس وقت عابدہ کو کچھ کہنا ٹھیک نہیں وہ کسی مناسب موقع پر اسے سمجھا دے گی عابدہ ایک ایسی لڑکی تھی جو زندگی کے سہانے خواب دیکھا کرتی۔ جب کبھی وہ محلے کے اچھے گھرانوں میں جاتی جہاں بشاشت، علم، آرٹ اور باپ کی شفقت مسرت بکھیر رہی ہوتی تو دل گرفتہ ہو جاتی اور سوچا کرتی کہ کاش اس کے گھر کا ماحول بھی اتنا روشن ہوتا۔

عابدہ نے سب کو بتایا کہ راشد بھائی آئے ہیں۔ فضیلہ نے اسے خوش آمدید کہا۔ راشد نے ساجدہ کی طرف کتاب بڑھاتے ہوئے کہا "ساجدہ! لو بھئی جغرافیہ کی کتاب۔ اگلی دفعہ تاریخ کی کتاب لاؤں گا۔" "بہت بہت شکریہ راشد بھائی"۔ ساجدہ نے کتاب لیتے ہوئے کہا۔ راشد جواد کے ماموں کا بیٹا تھا وہ فورتھ ایئر کا طالب علم تھا اور بڑا روشن خیال اور ہونہار نوجوان تھا وہ جانتا تھا کہ جواد کی قدامت پسندی کی وجہ سے ساجدہ

تعلیم حاصل نہیں کر سکی۔ اس لئے وہ اسے مختلف موضوعوں پر کتابیں لا کر دیا کرتا وہ کچھ دیر کے بعد فضیلہ کو سلام کر کے اور ساجدہ پر ایک نظر ڈال کر سیڑھیاں اترنے لگا۔ ساجدہ گھر کے یاس بھرے ماحول سے زیادہ متاثر نہ ہوئی تھی۔ اس پر راشد کی محبت کا خوشگوار اثر نمایاں تھا۔ وہ اس حقیقت پر بہت خوش تھی کہ راشد ایک تعلیم یافتہ، نیک اور مخلص نوجوان تھا۔ اس بشاشت اور راشد کی حوصلہ افزائی نے اس میں کتابیں پڑھنے کی لگن پیدا کر دی تھی۔ مطالعہ نے اس کے ذہنی افق کو وسیع کر دیا تھا اور وہ اپنے ارد گرد کی دنیا کو کافی حد تک سمجھ سکتی تھی۔

ایک دن فضیلہ نے سوچا کہ تعلیم کی روشنی تو ان بچیوں تک نہیں پہنچ سکی۔ کم از کم وہ انہیں اپنی عصمت کی حفاظت کی اہمیت سے تو آگاہ کر دے۔ اس ناگہانی خیال کے تحت اس نے تینوں لڑکیوں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا۔ "میں نے تمہیں ایک انتہائی اہم بات بتانے کے لئے بلایا ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم میری اس نصیحت پر عمل کرو گی عموماً مرد طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے نوجوان لڑکیوں کو ورغلانے کی کوشش کرتے ہیں یاد رکھو! شادی سے پہلے کسی قیمت پر کسی مرد کے فریب میں مت آؤ! اس اخلاقی اصول کو ہمیشہ سامنے رکھو جو ہماری تہذیبی روایت ہے۔ اب جاؤ اور اپنا کام کرو!" تینوں لڑکیاں اٹھ کر چلی گئیں۔ پھر وہ خود بھی اٹھ کر باورچی خانے میں چلی گئی۔

شام زیادہ گہری نہ ہوئی تھی۔ حاران ہاکی کھیل کر واپس آ رہا تھا اس نے اپنی گلی کے نزدیک پہنچ کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک تانگہ آ کر ٹھہرا جس میں رشیدہ اپنے تین بچوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ حاران نے گھر آ کر سب کو بتایا کہ باجی رشیدہ آئی ہے۔ سب لڑکیاں نیچے کو دوڑیں اتنی دیر میں رشیدہ دروازے کے پاس پہنچ چکی تھی آداب بجا لانے

کے بعد لڑکیوں نے بچوں کو اٹھا لیا اور سب سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ رشیدہ جواد کی پھوپھی کی بیٹی تھی۔ رشیدہ نے فضیلہ کو سلام کیا اور جواد کے کمرے میں جاکر اسے آداب کہا۔ رات کو کھانا جلد کھا کر سب بڑے کمرے میں جمع ہو گئے۔ جواد چارپائی پر بیٹھا حقے کے کش لگا رہا تھا اور باقی سب نیچے دری پر بیٹھے تھے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ رشیدہ نے جواد کو اکسانے کے لئے کہہ دیا کہ یورپ کی عورتیں کتنی خوش نصیب ہیں جو پردے کی زحمت سے بچی ہوئی ہیں۔ اس پر جواد بھڑک اٹھا "دوزخ کا ایندھن بھی تو وہی بنیں گی نا! عورت کی بے پردگی تو خدا کا قہر ہے جو کسی قوم پر نازل ہوتا ہے اور یہ بے پردگی جدید تعلیم کا نتیجہ ہے جو ہماری موجودہ نسل کو تباہ کئے دے رہی ہے۔" اس نے مشتعل ہو کر ایک ہی سانس میں یہ سب کچھ کہہ ڈالا۔ جب رشیدہ میٹرک پاس کر چکی تو اس کی شادی کر دی گئی تعلیم نے اسے بڑی روشن خیال خاتون بنا دیا تھا وہ جواد کے دقیانوسی خیالات کو مضحکہ خیز سمجھتی تھی۔ "تایا جی! آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ جدید تعلیم ہی سے زندگی کا سارا کاروبار چل رہا ہے۔" رشیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا "جدید تعلیم کا سب سے زیادہ مذموم پہلو یہ ہے کہ اس نے عورت کو آزاد کر دیا ہے اور اس کی آزادی مذہب اور انسانیت دونوں کے لئے خطرناک ہے۔" جواد نے طیش کے عالم میں حقے کی نے کو ایک طرف کھسکاتے ہوئے کہا اسی لمحے نیچے کسی نے جواد کو آواز دی۔ حارن نے اندر آکر کہا کہ انہیں گردھاری لال بلا رہا ہے۔ جواد یہ سنتے ہی کمرے سے باہر نکل گیا۔ گردھاری لال جواد کا ہمسایہ تھا وہ تجارت پیشہ اور بڑا محبِ وطن اور دردمند انسان تھا وہ انڈین نیشنل کانگرس کا ممبر بھی تھا۔ فضیلہ نے اٹھتے ہوئے رشیدہ سے کہا کہ وہ اس سے بحث مباحثہ نہ کرے۔ کیونکہ وہ تو ہاتھ دھو کر عورت اور جدید تعلیم کے پیچھے پڑا ہوا ہے یہ کہتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ لڑکیاں جواد

کی باتوں سے اکتا کر پہلے ہی باہر جا چکی تھیں، رشیدہ کمرے میں اکیلی رہ گئی اسی لمحے بیس سال پہلے کا ایک واقعہ جب جواد دو بچوں کا باپ تھا۔ رشیدہ کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ رات کے سناٹے میں جواد اپنے پلنگ پر بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا۔ جب کلاک نے تین بجائے تو وہ اٹھ بیٹھا۔ وہ ایک چھوٹے کمرے میں اکیلا ہی تھا۔ اس کی ایک رشتہ دار لڑکی کی شادی تھی اور گھر والے برات کو وداع کرنے کے بعد تھک کر گہری نیند سو رہے تھے۔ ہر کمرے میں ایک مدھم لالٹین جل رہی تھی۔ جب رات کو سب اپنی اپنی جگہ پر لیٹ گئے تھے تو اس نے کسی بہانے سے وہ جگہ تاڑ لی تھی جہاں رشیدہ سوئی تھی وہ دبے پاؤں اپنے کمرے سے نکل کر ساتھ کے کمرے میں آیا جہاں رشیدہ سوئی تھی اس وقت رشیدہ کی عمر سولہ سال کے لگ بھگ تھی۔ اس نے دیکھا کہ وہ باہیں پھیلائے گہری نیند میں بے خبر پڑی تھی۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر جواد کا ہیجان بڑھ گیا اس نے رشیدہ کو اپنی باہوں میں سمیٹ کر اٹھا لیا اور اسے لاکر اپنے پلنگ پر لٹا دیا۔ وہ اس کے منہ اور باہوں کو دیوانہ وار چومنے لگا۔ رشیدہ کی آنکھ یک لخت کھل گئی وہ خود کو جواد کے کمرے میں پاکر حیران رہ گئی جب اس نے اٹھنا چاہا تو جواد نے اسے لیٹے رہنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی۔ رشیدہ نے اسے پرے دھکیلتے ہوئے کہا۔ "ذلیل انسان! اگر تم میرے نزدیک آئے تو میں چیخ چیخ کر سب کو جگا دوں گی۔" اس کے یہ الفاظ سن کر جواد ٹھٹک کر کھڑا رہ گیا اور وہ اٹھ کر اس کے کمرے سے باہر نکل گئی۔ فضیلہ کمرے میں داخل ہوئی تو رشیدہ چونک پڑی یہ واقعہ یاد آنے کے بعد اس کا دل چاہا کہ وہ جواد کی شکل نہ دیکھے اس نے فضیلہ سے دوسرے کمرے میں چلنے کو کہا وہ دونوں کمرے سے باہر نکل گئیں۔

حارن آٹھویں جماعت کا امتحان دے چکا تھا۔ اب وہ فارغ

تھا۔ لیکن اس کی اس فراغت میں بھی ایک منظم مصروفیت پائی جاتی تھی۔ وہ دوستوں سے مختلف موضوعوں پر کتابیں لے کر پڑھتا اور پبلک ریڈنگ روم میں پہلے سے زیادہ وقت صرف کرتا۔ اسی طرح وہ ورزش اور کھیلوں میں زیادہ حصہ لیتا۔ امتحان دینے کے بعد دوسرے دن وہ صبح سویرے اٹھا۔ مشرقی افق پر اجالے کی ہلکی دھاریاں پھیل چکی تھیں وہ اپنے دوست مہیش کے ساتھ کھیتوں کی جانب نکل گیا وہ دونوں راہٹ سے کچھ فاصلے پر ورزش کرنے لگے۔ سماں بڑا سہانا تھا پرند چہچہا رہے تھے کچھ بشاشت سے فضا میں چکر لگا رہے تھے۔ مشرق میں اب نیلگوں اجالا زیادہ روشن ہو چکا تھا۔ راہٹ ایک نفیری سجاتا ہوا چل رہا تھا اور شفاف پانی بڑی سرعت سے نزدیک و دور کی کیاریوں میں دوڑتا چلا جا رہا تھا۔ وہ دونوں کافی دیر تک ورزش کرتے رہے پھر وہ کنوئیں کے پاس آکر ایک ٹھنٹھ پر بیٹھ گئے۔ وہاں سے چلنے سے پہلے انہوں نے ہاتھ منہ دھویا اور تازہ پانی پیا نتیجہ نکلنے تک حاران اسی طرح صبح سویرے اٹھ کر سیر کو جاتا رہا۔

مہیش کا مکان گلی کے شروع میں تھا وہ ایک پڑھے لکھے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا باپ رلیارام شہر کا مشہور وکیل تھا۔ مہیش کی ماں مہادتی حاران کو بہت پیار کیا کرتی تھی۔

حاران اپنے ہم عمر لڑکوں میں بہترین کھلاڑی مانا جاتا تھا اور ہاکی ٹیم کا کپتان تھا۔ شام گہری ہو چکی تھی۔ حاران اور مہیش دونوں ایک لمبے بازار سے گذرتے ہوئے اپنے گھر کو آ رہے تھے، بازار میں بڑی گہما گہمی تھی۔ کلاتھ ہاؤس پر عورتوں کی بھیڑ تھی۔ شیر فروش کی دکان پر لوگ مزے سے دودھ پی رہے تھے۔ مٹھائی کی دکانوں پر بڑی چہل پہل تھی۔ لوگوں کی آمد و رفت زوروں پر تھی۔ سائیکل سوار تانگے، چھکڑے چلے جا رہے

تھے۔ کچھ مزدور گندم کی بوریوں سے بھری گاڑی کو کھینچ رہے تھے۔ حاران مہیش کے ساتھ مہادتی کو سلام کرنے کے لئے اس کے گھر چلا آیا۔ جب کبھی مہادتی اسے پیار کرتی تو اسے پیار کرتی تو اسے عجیب طرح کا سکون ملتا اور وہ اپنے اعصاب میں ایک ٹھنڈک اور من میں ایک تفخر محسوس کرتا۔ شاید ایک ماں اپنے بیٹے کو اسی طرح پیار کرتی ہے۔ اس نے گھر جاتے ہوئے سوچا۔

رات کے گیارہ بجے تھے۔ حاران، عابدہ، ساجدہ اور منیرہ دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھ کر کوٹھے پر آ گئے، یہ چودھویں رات تھی۔ پورا چاند نکھرے ہوئے آسمان پر دمک رہا تھا اور اس کے اردگرد مدھم ستارے بکھرے ہوئے تھے۔ چاند سے بہت پرے بادلوں کے سفید ٹکڑے ہلکے نیلے آسمان پر تیر رہے تھے۔ حاران کو یوں لگا جیسے وہ کمرے کی گھٹن سے نکل کر ایک نئی حسین دنیا میں آ گیا ہو۔ وہ کوٹھے پر ٹہلتے ہوئے آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہے چکور نغمہ ریزی کرتے ہوئے چودھویں کے چاند کی جانب مسلسل پرواز کر رہا تھا اور کئی دفعہ چاند کے سامنے آ کر ایک سیاہ دھبہ معلوم ہوتا۔ ہوا کے تازہ جھونکوں اور چاندنی کی خنکی میں سب مسرور تھے۔ جب وہ اپنے کمروں میں واپس آئے تو رات کے بارہ بج چکے تھے۔

صبح آٹھویں جماعت کا نتیجہ نکلنے والا تھا۔ حاران چارپائی پر لیٹا تو کافی دیر تک کروٹیں بدلتا رہا۔ وہ صبح سویرے اٹھا اور خوب بن سنور کر اپنے سکول پہنچا۔ لڑکے سکول کے احاطے میں آہستہ آہستہ جمع ہو رہے تھے۔ ساڑھے آٹھ بجے ہیڈ ماسٹر تمام ٹیچروں کے ساتھ برآمدے میں نمودار ہوا۔ ہیڈ ماسٹر نے لڑکوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر حاران احمد یہاں موجود ہو تو وہ برآمدے میں آ جائے۔ حاران برآمدے میں پہنچا اور ہیڈ ماسٹر کو سلام کیا۔ ہیڈ ماسٹر نے اسے اپنے پاس کھڑا کر لیا اور شہر کے تین مڈل سکولوں کے آٹھویں جماعت کے طالب علموں میں حاران

کے اوّل آنے کا اعلان کیا۔ تمام لڑکوں نے اس خبر کا خیر مقدم پُر زور تالیاں بجا کر کیا۔ اس کے دوست مہیش نے فرسٹ ڈویژن حاصل کی تھی جب حاران مہیش کے ساتھ اس کے گھر آیا تو مہاوتی نے اسے بیس روپے انعام کے طور پر دیئے اور سینے سے لگا کر پیار کیا۔ مہیش بھی حاران کے ساتھ چل دیا۔ مہیش نے فضیلہ کو سلام کیا اور بتایا کہ حاران شہر کے تین مڈل سکولوں کے آٹھویں جماعت کے طالب علموں میں اوّل رہا ہے۔ فضیلہ نے شاباش کہتے ہوئے حاران کو تھپکی دی اور اسے اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کیا۔ عابدہ ساجدہ اور منیرہ خوشی سے اچھل پڑیں۔ مہیش بہت جلد اپنے گھر کو لوٹ گیا حاران کی نمایاں کامیابی کا سن کر فضیلہ پر ایک گونہ مایوسی اور بے دلی چھا گئی۔ اسے اپنی اولاد کے ان پڑھ رہ جانے کا انتہائی صدمہ تھا جو اس وقت تازہ ہو گیا۔

اتوار کی شام کو حاران نے گھر آ کر سب کو بتایا کہ سکول میں اس کے اعزاز میں ایک تقریب ہوئی ہے اور ہیڈ ماسٹر نے اسے چند کتابیں اور پچاس روپے انعام کے طور پر دیئے ہیں اس نے ستر روپے فضیلہ کے قدموں میں رکھ دیئے۔ فضیلہ نے حاران کو سینے سے لگا کر پیار کیا اور کہا کہ وہ روپے اپنے پاس رکھ لے۔ حاران نے فضیلہ سے کہا۔ "نہیں امی جان! میں روپے نہیں لوں گا مجھے تو ضرورت کی ہر چیز گھر سے مل جاتی ہے۔" فضیلہ حاران کے کردار کے اس پہلو کو دیکھ کر ششدر رہ گئی اور سوچنے لگی کہ وہ زندگی میں کتنے اچھے کردار کا مظاہرہ کرے گا۔ فضیلہ نے حاران سے کہا کہ وہ بیس روپے اس نے کہاں سے لئے ہیں۔ حاران نے بتایا کہ مہیش کی امّی نے اسے یہ روپے انعام کے طور پر دیئے تھے۔ فضیلہ حاران کے اس استغنا پر بہت دنوں تک حیران رہی۔

رات کے دس بجے تھے۔ جواد کے دروازے پر کسی نے دستک دی۔

حاران لالٹین لے کر نیچے آیا اور دروازہ کھولا۔ آسمان پر آدھا چاند بادلوں کے سیاہ ٹکڑوں میں گھرا ہوا تھا۔ لالٹین کی روشنی میں تار والے نے کاغذ آگے بڑھایا حاران نے دستخط کر کے تار وصول کیا اور اوپر آگیا۔ اس نے لالٹین زمین پر رکھ کر لفافہ کھولا اور تار پڑھ کر بتایا کہ ارشاد احمد پانچ دن پہلے ٹائیفائیڈ سے انتقال کر گیا اور اس کی سروس کے دوران جو ایک ہزار روپے جمع ہوئے تھے وہ گورنمنٹ دس دن کے اندر جواد احمد کے نام بھیج دے گی سب پر خاموشی چھا گئی۔ جواد اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔ منیرہ اور حاران پر کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے باپ نے کتنی سنگ دلی سے انہیں ماں سے جدا کیا تھا۔

فضیلہ اس حادثے کے مالی پہلو پر غور کرنے لگی۔ اس نے سوچا کہ وہ منیرہ کی شادی تو کسی نہ کسی طرح کر دے گی۔ لیکن حاران کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گی۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ بہت جلد جواد کے چھوٹے بھائی شہزاد احمد کی منت کرے گی کہ وہ حاران کا بوجھ اٹھا لے سب اپنے اپنے کمروں کو چلے گئے۔

جواد نے صبح سویرے ہی شہزاد کو ارشاد کی وفات کی اطلاع پہنچا دی۔ شہزاد سہ پہر کو آیا اور جواد کے پاس بیٹھا ارشاد کی باتیں کرتا رہا۔ جواد گردھاری لال کو ملنے کے لئے نیچے گیا تو فضیلہ نے شہزاد کو اکیلا پا کر حاران کے بارے میں کہا شہزاد فوراً مان گیا اور اس نے کہا کہ وہ جواد سے اس معاملے پر ابھی بات کرے گا۔ جواد واپس آیا تو فضیلہ بھی کمرے میں آ گئی اس نے کہا شہزاد! تمہارے بھائی کی بے وقت موت کا بڑا صدمہ ہوا۔" بھابی جان! موت ایک اٹل حقیقت ہے اگرچہ وہ ہمیں بہت متاثر کرتی ہے۔" شہزاد نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "بھائی جان! میں چاہتا ہوں کہ اب حاران کا بوجھ میں اٹھا لوں۔ کیونکہ ارشاد احمد کی وفات کے بعد آپ کی آمدنی میں زیادہ

آدمیوں کی گذر اوقات نہیں ہو سکتی۔" شہزاد نے بڑے اعتماد سے کہا۔ جواد نے سر جھکا کر کہا کہ وہ جیسے مناسب سمجھے کرے۔ شہزاد نے کہا کہ وہ اس مہینے کے آخر میں حاران کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ وہ گھر جانے کو کمرے سے باہر نکلا تو شام ابھی اجاگر تھی۔ فضیلہ نے حاران کو اس فیصلے سے آگاہ کر دیا۔

یہ ایک انتہائی سرد رات تھی دو بجے کے قریب جواد کی آنکھ کھلی تو اسے دل کے مقام پر شدید درد کا احساس ہوا۔ اس نے فضیلہ کو جگا کر اپنی حالت بتائی۔ باہر موسلا دھار مینہ برس رہا تھا بادل گرجنے کی دل دہلا دینے والی آواز رہ رہ کر آ رہی تھی۔ مندر کے درختوں میں اُلّو بول رہا تھا اور اس کی ہولناک آواز برابر سنائی دے رہی تھی۔ فضیلہ پانی لینے کے لئے باورچی خانے میں گئی۔ اس نے واپس آ کر دیکھا تو جواد ہمیشہ کے لئے خاموش ہو چکا تھا تمام بچے اسی کمرے میں آ گئے۔ فضیلہ سسک سسک کر رونے لگی ساجدہ اور منیرہ نے تلاوتِ قرآن شروع کر دی۔ فضیلہ طرح طرح کی سوچوں میں گھری ہوئی تھی۔ اس نے صبح سویرے نذیر اور بشیر کو تمام رشتہ داروں کو اطلاع دینے کے لئے بھیج دیا۔

ساجدہ کھڑکی کے پاس کھڑی تھی اسے کمرے میں بہت گھٹن محسوس ہوئی۔ اس نے یک لخت کھڑکی کھول دی باہر نئے دن کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ سرد اور تازہ ہوا نے اس کے چہرے کو چھوا تو اس نے بڑی بشاشت محسوس کی۔ اس نے کھڑکی میں سے جھانک کر نیچے دیکھا تو اسے بیرونی دروازے میں داخل ہوتا ہوا ایک شخص دکھائی دیا جس نے انگریزی سوٹ پہن رکھا تھا اور جو ایک ہاتھ میں سوٹ کیس سنبھالے اور دوسرے ہاتھ سے منہ میں پائپ دبائے ہوئے تھا۔

ساجدہ نے جلدی سے یہ ساری بات فضیلہ کو بتائی۔ اس نے بے پروائی سے کہا کہ یہ اس کا وہم تھا۔ ان کے ہاں ایسا آدمی کہاں آ سکتا ہے فضیلہ ابھی

اپنی بات ختم نہ کر پائی تھی کہ وہ شخص اندر داخل ہوا اور دروازے کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگا۔ "امی جان! مجھے پہچانیئے۔ میں قدیر ہوں۔" یہ الفاظ سنتے ہی فضیلہ اٹھ کر اس کے پاس پہنچی اور اسے گلے سے لگا کر پیار کرنے لگی۔ "امی جان میں ڈاکٹر ہوں، میں نے ایک سال پہلے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کا امتحان پاس کیا تھا" قدیر نے اپنی خوشی کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔ فضیلہ نے تعجب سے پوچھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ قدیر نے بتایا کہ بمبئی کے ایک مخیّر ہندو سیٹھ نے اسے اپنے خرچ پر پڑھایا اور اس طرح اس نے ایک نئی زندگی پائی۔ یہ ایک لمبی داستان ہے وہ کسی وقت اسے سنائے گا۔

"ابا جان کہاں ہیں؟" قدیر نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا اس کے والد کا تو آج صبح انتقال ہو گیا۔ وہ چارپائی پر پڑے ہیں فضیلہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ قدیر نے پلنگ کے پاس جا کر جواد کے چہرے سے کپڑا اٹھا کر دیکھا۔ اس نے افسوس ظاہر کیا کہ کاش وہ دو دن پہلے آ جاتا۔ "امی جان! میں اپنی بہنوں سے تو مل لوں۔ نذیر اور بشیر کہاں ہیں؟" قدیر نے بڑی بے تابی سے پوچھا۔ فضیلہ نے کہا کہ اس کے دونوں بھائی تو رشتہ داروں کو اطلاع دینے گئے ہیں۔ دوسرے کمرے میں وہ اپنی بہنوں سے خود ہی مل لے دوسرے کمرے میں جا کر قدیر نے عابدہ اور ساجدہ کو گلے لگایا وہ منیرہ کو دیکھ کر ٹھٹک کر رہ گیا اور خاموش رہا۔ پھر اس نے حاران کو دیکھا اور فضیلہ سے پوچھا کہ یہ دو بچے کون ہیں۔ فضیلہ نے بتایا کہ وہ اس کے چچا ارشاد احمد کے بچے حاران اور منیرہ ہیں۔ چند دن پہلے ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اسی لمحے نذیر اور بشیر اندر داخل ہوئے۔ جب وہ قدیر کو نہ پہچان سکے تو اس نے انہیں اپنے متعلق بتایا وہ ششدر رہ گئے۔ قدیر نے فضیلہ کو دوسرے کمرے میں لے جا کر پانچ سو روپے دیئے اور تسلی دی کہ وہ گھر کا کافی بوجھ خود اٹھائے گا۔ پھر قدیر نے

کہا۔" امی جان! میں بمبئی میں ملازم ہوں۔ اس لئے صرف پندرہ دن ٹھہر سکوں گا آپ منیرہ سے میری شادی کر دیں۔ میں اسے اپنے ساتھ ہی لے جاؤں گا۔ معمولی رسم نکاح کافی ہو گی۔" فضیلہ نے کہا کہ یہ معاملہ اس کی مرضی کے مطابق طے پائے گا۔ لیکن پہلے اس کے والد کی تجہیز و تکفین اور متعلقہ رسوم سے تو نپٹ لیں یہ سن کر قدیر کے چہرے پر خوشی سے سرخی دوڑ گئی۔

شام کے چھ بجے سب لوگ جواد احمد کو سپرد خاک کر کے واپس آ گئے بہت سے لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اب بڑے کمرے میں گھر کے لوگ اور چند مہمان بیٹھے تھے۔ ایک عمر رسیدہ شخص نے سرد آہ بھر کر کہا کہ موت بڑی حقیقت ہے۔ موت سے بھاگنا ناممکن ہے شہزاد نے اس سے مخاطب ہو کر کہا، صاحب! موت اٹل حقیقت ضرور ہے۔ لیکن زندگی موت سے کہیں زیادہ سنگین حقیقت ہے موت ہمارے جسم کے طبیعی فعل کا اختتام ہے۔ جب کہ زندگی ہمارے جسم کے طبیعی فعل کا تسلسل ہے موت ہم سے کوئی مطالبہ نہیں کرتی جب کہ زندگی ہم سے ہر قدم پر ایک مطالبہ کرتی ہے۔ ہم کسی وقت بھی زندگی سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ موت کے ساتھ تمام مسائل ختم ہو جاتے ہیں جب کہ زندگی لمحہ بہ لمحہ نئے مسائل کو جنم دیتی ہے۔" حاران شہزاد کی باتیں بڑے انہماک سے سن رہا تھا وہ ہمیشہ اس کی گفتگو میں گہری دلچسپی لیتا۔ اسے یوں محسوس ہوتا جیسے شہزاد ہی وہ شخص تھا جو صحیح معنوں میں اس کی رہنمائی کر سکتا تھا۔

اس عمر رسیدہ شخص نے شہزاد کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے زندگی کی واقعی اہمیت پر روشنی ڈال کر ذہنوں میں ایک اجاگرت پیدا کی شہزاد نے کہا کہ وہ اس کا مشکور ہے۔ باہر شام کا اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ اسی وقت فضیلہ کی سہیلیاں تعزیت کے لئے آ گئیں وہ دوسرے کمرے میں ان کے پاس چلی گئی۔ شہزاد نے حاران کو چلنے کے لئے کہا تو

اس نے جواب دیا کہ "وہ بالکل تیار ہے۔" قدیر! مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے تم تعلیم حاصل کر کے ایک شائستہ اور قابل نوجوان بن گئے ہو۔" شہزاد نے اٹھتے ہوئے کہا قدیر نے شہزاد کا شکریہ ادا کیا۔ حاران اپنا بیگ، چھوٹا سوٹ کیس اور ہاکی اٹھا کر شہزاد کے ساتھ ہو لیا۔

وہ گلی سے گذر کر اب بازار میں جا رہے تھے۔ حاران کو مہادنی کا خیال آیا کہ اس نے کتنی محبت سے اسے الوداع کہا تھا۔ بازار میں شہزاد کچھ سودا سلف لینے لگا تو حاران بازار کی گہما گہمی میں محو ہو گیا۔ شام کا اندھیرا چھا چکا تھا دکانداروں نے بتیاں جلالی تھیں لوگوں کی آمد و رفت اور خریداری سے ہر طرف رونق تھی کئی قلی بھاری بھرکم بوریاں اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے جا رہے تھے۔ اسے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ غریب لوگ اپنی ناداری کے باوجود اتنے تنومند کیوں ہوتے ہیں اور امیر لوگ معمولی سا بوجھ بھی نہیں اٹھا سکتے اور عموماً بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں شہزاد نے چیزیں خرید لیں تو وہ دونوں گھر کی جانب چل پڑے۔

ڈاکٹر حاران سڑک پر چلا جا رہا تھا۔ ایک تانگے والے نے کہا "بچو بابو جی" تو وہ چونکا اور فٹ پاتھ پر ذرا پیچھے ہٹ کر چلنے لگا۔ ٹریفک بدستور رواں تھی تھوڑی دور چلنے کے بعد اس کی نظر ایک دسویں جماعت کے طالب علم پر پڑی جو سکول جا رہا تھا۔ اسے اپنا دسویں جماعت کی طالبعلمی کا زمانہ یاد آ گیا۔

---

(۳)

شہزاد احمد حارلن کو اپنے ساتھ گھر لایا تو حارلن نے چچی فاخرہ کو جھک کر سلام کیا۔ فاخرہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار کیا اور بیٹھک کے ایک کونے میں اس کا سامان رکھ دیا اور اس کے مطالعہ کے لئے چھوٹی میز اور کرسی دے دی۔

شہزاد گورنمنٹ ہائی سکول میں ہیڈ ماسٹر تھا وہ خاموش اور فلسفی قسم کا آدمی تھا اور سیاسی اور علمی مسائل میں بہت دلچسپی لیتا تھا اس کا زیادہ وقت مطالعہ میں گذرتا۔ اس کے پاس سوشلزم پر کئی چھوٹی چھوٹی کتابیں تھیں اور وہ سوشلزم کا صدقِ دل سے قائل تھا۔ وہ اپنی بیٹیوں کو پڑھائی میں مدد دیتا اور اب حارلن کی رہنمائی بھی کرتا۔

فاخرہ الٹے پاؤں واپس آئی اور شہزاد کو تنہائی میں کہنے لگی کہ وہ حارلن کو کیوں ساتھ لے آیا ہے۔ یہاں تو پہلے ہی اتنے کھانے والے ہیں کہ گذارہ مشکل سے ہوتا ہے۔ شہزاد نے اسے یہ کہہ کر دلاسا دیا کہ وہ حارلن کا خرچ دو ٹیوشنیں لے کر نکال لے گا۔

فاخرہ امیر باپ کی بیٹی تھی اور بہت دنیادار واقع ہوئی تھی اسے شہزاد کا مطالعہ میں گم رہنا پسند نہ تھا وہ عموماً اسے کہتی رہتی کہ وہ ٹیوشنیں لے کر روپیہ کمائے۔ لڑکیوں کی شادیاں کس طرح ہوں گی وہ اپنے بیٹے فرید کی کمزوریوں کو چھپاتی اور شہزاد کے سامنے اس کی تعریف کرتی رہتی۔

جب حارلن کھیل کے میدان سے واپس لوٹا تو اس نے دیکھا کہ مغربی افق پر شام کا منظر ایسا تھا جیسے مختلف رنگوں کی دھاریاں بہہ رہی ہیں۔ گھر پہنچ کر حارلن کپڑے بدل کر اور ہاتھ منہ دھو کر اپنے کمرے میں جا کر مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔ رات کو فاخرہ نے اسے کھانے کے لئے بلایا۔ کھانا کھانے کے بعد فرید نے حارلن کو مجید کے ہاں جا کر تاش کھیلنے کی دعوت دی۔ حارلن نے جواب دیا کہ وہ تاش کھیلنا نہیں جانتا فرید نے کہا کہ وہ اسے تاش کھیلنا سکھا دیگا اس پر حارلن نے کہا کہ وہ پڑھائی کے وقت کھیلنا پسند نہیں کرتا۔ فرید یہ سن کر گھر سے باہر چلا گیا۔

فرید ایک کھلنڈرا نوجوان تھا جسے پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور اس کی زندگی تنظیم سے عاری تھی وہ اپنا تمام وقت سگریٹ نوشی تاش بازی اور اپنے ہم خیال دوستوں کے ساتھ گپ شپ میں گذار دیتا۔ سکول جانا بھی اس کے لئے ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔ پہلے پہل فرید نے حارلن کو اپنے ڈھب پر چلانے کی کوشش کی۔ جب وہ اپنی اس کوشش میں ناکام رہا تو حارلن سے کد رکھنے لگا۔ نتیجہ کے طور پر دونوں کے تعلقات کشیدہ رہنے لگے۔

شہزاد کی دو بیٹیاں رخسانہ اور آصفہ تھیں۔ رخسانہ میٹرک پاس کر چکی تھی اور اب آزاد مطالعہ میں بہت دلچسپی لیتی۔ کیونکہ اسے مزید تعلیم دلانا والدین کی استطاعت سے باہر تھا۔ وہ گھر کے کام کاج میں ماں کا ہاتھ بٹاتی اور سینے پرونے میں بھی دسترس رکھتی تھی۔ وہ باپ کی طرح روشن خیال تھی معاشرے کے لئے سوشلزم کی اہمیت کو پوری طرح سمجھتی تھی اور اس کی سیاسی سوجھ بوجھ بہت گہری تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ آدرش پسند واقع ہوئی تھی۔ حسین خیالات اسے گھیرے رکھتے، وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتی تھی اور آزادیٔ نسواں کے نصب العین کے لئے کام کرنے کی خواہاں تھی۔

آصفہ ابھی میٹرک کی طالبہ تھی۔ لیکن وہ ذہنی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ

جسمانی سرگرمیوں میں بھی خوب حصہ لیتی۔ وہ بڑے مضبوط جسم کی لڑکی تھی اور اپنے سکول کی کھیلوں میں عموماً انعام حاصل کرتی۔ وہ عمران کو بہت سلجھا ہوا نوجوان سمجھتی اور اسے چاہتی تھی۔ عمران فاخرہ کی بڑی بہن کا بیٹا تھا وہ ایک امیر گھرانے کا پروردہ تھا، اس نے پوسٹ گریجوایشن لندن میں کی تھی لیکن اس میں یورپ زدہ رجحانات بہت زیادہ سرایت کر گئے تھے۔ وہ محبت نام کی کسی شے کو نہیں مانتا تھا اور جنسی تسکین کے حصول ہی کو اپنا مقصود سمجھتا۔

ایک شام کو جب کہ نیلے آسمان پر بادلوں کے سفید ٹکڑے دھیرے دھیرے خراماں تھے اور سارا ماحول اجلا تھا۔ حاران اور فرید دونوں کھیل کے میدان سے لوٹ رہے تھے تو راستے میں فرید نے سگرٹوں کی ڈبی نکالی اور حاران کو سگریٹ پیش کیا۔ حاران نے کہا کہ وہ سگریٹ نہیں پیتا۔ اس پر فرید نے کہا "ارے یار پیو بھی اس میں کیا حرج ہے"۔ لیکن حاران نے دوبارہ یہ کہہ کر ٹال دیا کہ سگریٹ نوشی اس کے اصول کے خلاف ہے پھر فرید نے ایک سگریٹ سلگایا اور ہاتھ میں سگریٹ لئے واپس کھیل کے میدان کو چل دیا اور حاران اکیلا گھر کی طرف روانہ ہوا وہ بازار کے نزدیک پہنچ چکا تھا جب اسے پورن ملا۔ پورن کے ساتھ اس کے گھر پہنچا۔ پورن نے اپنی ماں سے کہا کہ حاران آیا ہے حاران نے پورن کی ماں کو امی جان کہا اور جھک کر سلام کیا۔ پورن کی ماں رادھا نے اسے سینے سے لگا کر بہت پیار کیا۔ اس وقت حاران کو اپنی ماں یاد آ گئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔

پورن حاران کا ہم جماعت تھا۔ اس کا مکان محلے کے شروع میں واقع تھا۔ اس کا باپ بابو کمار گورنمنٹ آفیسر اور روشن خیال آدمی تھا وہ صحت مند پرانی تہذیبی اقدار کے ساتھ جدید رجحانات کا بھی قائل تھا اور فرسودہ رسوم کا بڑا مخالف تھا۔ پورن کی ماں رادھا گریجوایٹ تھی وہ سراپا انکسار اور انتہائی ہمدرد خاتون تھی، پورن بہت شائستہ، محنتی اور فرمانبردار لڑکا تھا

اس کی بڑی بہن لیلا ایک مڈل سکول میں ہیڈ مسٹرس تھی۔ وہ تعلیم و تربیت کے اصول خوب جانتی تھی اور بچوں کو مارنے پیٹنے اور لعن طعن کرنے کی بجائے نفسیاتی رویہ اختیار کرنے کی قائل تھی۔

حاران گھر شام کو گھر پہنچا تو شہزاد نے اسے کھانا کھانے کو کہا۔ اس نے ہاکی اندر رکھ کر کپڑے بدلے اور ہاتھ منہ دھو کر کھانے کے لئے بیٹھ گیا۔ فرید کھانا کھا کر باہر چلا گیا۔ اب ایک گھر میں رہتے ہوئے فرید اور حاران دونوں کے راستے بالکل جدا تھے حاران کی زندگی میں تنظیم اور سخت کوشی نمایاں تھی۔ شہزاد ان دونوں لڑکوں کے کردار کے فرق کو پوری طرح سمجھتا تھا لیکن فاخرہ کی وجہ سے خاموش تھا۔ کیونکہ وہ اس کے تحکم آمیز رویے سے خائف رہتا تھا

حاران روزانہ رات کا کھانا کھانے کے بعد بیس منٹ تک گلی میں چہل قدمی کرتا اور پھر مطالعہ میں مشغول ہو جاتا، وہ ہر رات بارہ بجے تک پڑھتا ایک دفعہ فاخرہ رات کے ساڑھے گیارہ بجے اٹھی تو اس نے دیکھا کہ حاران پڑھائی میں مشغول ہے اور فرید بے خبر پڑا سو رہا ہے۔ وہ حاران اور اپنے بیٹے فرید کے کردار کے فرق کو خوب سمجھتی تھی۔ لیکن حسد کی وجہ سے وہ حاران کو اچھا نہ سمجھتی اور ہمیشہ شہزاد کے سامنے فرید کی تعریف کرتی۔ شہزاد سب کچھ سمجھتے ہوئے خاموش رہتا اور فاخرہ سے الجھنے سے گریز کرتا۔

شہزاد کی دونوں بیٹیوں رخسانہ اور آصفہ پر اس کی روشن خیالی کا کافی اثر تھا وہ شہزاد کے کتب خانے کی تقریباً تمام کتابوں کا مطالعہ کر چکی تھیں۔ اس لئے ان کا ذہنی افق بہت وسیع تھا۔ اب حاران پر شہزاد کی روشن خیالی کا اثر بتدریج ہو رہا تھا وہ اس کے کتب خانے کی کتابوں کا مطالعہ باقاعدگی سے کر رہا تھا اور فرصت کے اوقات میں رخسانہ اور آصفہ سے کئی مسائل پر گفتگو کرتا۔

یہ موسم سرما کا ایک اجلا دن تھا۔ آصفہ گھر پر اکیلی تھی۔ اتفاقاً عمران

آگیا۔ آصفہ نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ اس کے سلام کا جواب دیا۔ اس کے پوچھنے پر آصفہ نے اسے بتایا کہ امّی اور رخسانہ دونوں ایک رشتہ دار کے ہاں گئی ہیں۔ آصفہ نے عمران کو بیٹھک میں بٹھا دیا اور خود بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اسے خیال آیا کہ عمران کے نظریۂ جنس کی ٹوہ لگانے کا بڑا اچھا موقعہ ہے۔ اس نے عمران سے پوچھا کہ وہ جنس کے متعلق کیا نظریہ رکھتا ہے۔ وہ آصفہ کے سوال پر بہت حیران ہوا اور اس نے سوچا کہ اسے پوری دیانت کے ساتھ جنس کے متعلق اپنے نظریہ کا اظہار کر دینا چاہیئے۔ عمران نے صاف لفظوں میں کہا کہ وہ محبت کو ایک مابعد طبیعیاتی تصوّر سمجھتا ہے۔ اور جنسی تسکین ہی کو مقصود قرار دیتا ہے۔ آصفہ نے کہا: "اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ عائلی زندگی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ کیونکہ آپ کا نظریۂ جنس عائلی زندگی کے تصوّر کو ختم کر دیتا ہے۔ مجھے آپ کے نظریات معلوم کر کے بہت مایوسی ہوئی ہے، میں تو سمجھتی تھی کہ آپ یورپ جانے کے بعد مشرقی تہذیبی روایات کو ایک نئی روشنی میں دیکھیں گے، لیکن آپ کے نقطہ نظر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ اپنی روایات کو نظر انداز کر کے یورپ کے نظریۂ جنس کو اپنا چکے ہیں اور عورت کو ایک ساتھی سمجھنے کی بجائے محض جنس کی ایک علامت تصور کرتے ہیں۔"

عمران آصفہ کی باتوں پر حیران بھی ہوا اور ان سے متاثر بھی ہوا۔ دراصل اس نے ایسے خیالات پہلے کبھی سنے ہی نہ تھے۔ کالج کے زمانے میں وہ امیر گھرانوں کے لڑکوں کی صحبت میں رہا اور اس کے بعد یورپ چلا گیا۔ عمران نے آصفہ سے کہا کہ وہ اس موضوع پر مزید روشنی ڈالے۔ آصفہ نے پھر کہنا شروع کیا۔ "عورت نصف انسانیت ہے، ایک آزاد فرد ہے اور مرد کی خود مختار ساتھی ہے وہ مرد جو عورت کو ایک انسانی ہستی کی بجائے جنس کی ایک علامت سمجھتا ہے۔ عورت کے ساتھ غیر جنسی رویہ اختیار نہیں

کر سکتا۔ عورت کے ساتھ مرد کا غیر جنسی اور رفیقانہ رویہ اس کی خود تہذیبی کو ظاہر کرتا ہے۔ انسان تمام مخلوقات سے افضل اسی لیئے ہے کہ وہ اپنی جبلتوں پر قابو پا سکتا ہے۔ لیکن ضبطِ نفس زندگی کے شعورِ کامل کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا۔" عمران آصفہ کے خیالات سن کر "بہت خوب" کہہ کر ہیجان سے اچھل پڑا اور آصفہ سے بر ملا کہنے لگا: "آصفہ! تمہاری تلقین نے عورت اور جنس کے متعلق میرے نظریات کو یکسر بدل دیا ہے۔ اور مجھے نئی روشنی دی ہے۔" عمران کے یہ الفاظ سن کر آصفہ کے چہرے پر مسرت کی سرخی جھلک اٹھی عمران نے آصفہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر کہا "اب میری امی ایک پیغام لے کر خالہ جان کے پاس آئیں گی۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔"

حارا ن عموماً موسم گرما کی چھٹیوں میں پورا ایک مہینہ سیر و تفریح اور جسمانی ورزش پر صرف کرتا۔ اس دفعہ بھی اس نے پورن اور پرتاپ سے مل کر پروگرام بنایا۔ پورن کی ماں نے انہیں تیس روپے دیئے اور کھانے کی کچھ چیزیں دے دیں۔ وہ پورن کے چچا کے پاس گاؤں چلے گئے وہ تینوں صبح سویرے کھیتوں میں راہٹ کے پاس ورزش کرتے طلوعِ صبح کا نظارہ بڑا حسین ہوتا۔ پہلے نیلگوں اجالا پھیلتا۔ پھر تمام مشرقی افق پر احمریں غبار سا اڑنے لگتا۔ اس کے بعد ابھرتے ہوئے سورج کی سنہری کرنیں کھیتوں میں بکھرنے لگتیں تو تمام ہریالی دمک اٹھتی۔ راہٹ چل رہا ہوتا اور کسان ہل چلا رہے ہوتے۔

آج حارا ن، پورن اور پرتاپ تینوں بہت خوش تھے۔ کیونکہ رات کو گاؤں میں لوک فن کاروں نے اپنے فن کا مظاہرہ کرنا تھا۔ سر شام برگد کے بہت بڑے درخت کے نیچے دریاں بچھا دی گئیں اور ان کے آخر میں پلنگوں اور چارپائیوں کی لمبی قوسی قطار تھی۔ حارا ن، پورن اور پرتاپ پورن کے چچا کے پاس چارپائی پر بیٹھے تھے۔ رات کے دس بجے پروگرام

شروع ہوا۔ پہلے کچھ لوک فن کاروں نے بلھے شاہ، سلطان باہو، خواجہ فرید، وارث
شاہ، مولوی غلام رسول اور میاں محمد بخش کا کلام سنایا اور ایک سماں باندھ دیا۔
اس کے بعد انہوں نے مختلف گانوں کے ساتھ لوک رقص پیش کئے حاران
ان شاعروں کے کلام سے بہت متاثر اور محظوظ ہوا۔ رات کی بہتی ہوئی ہوا
میں عجیب طرح کی مستی تھی اور آسمان پر ستارے دیدۂ نگراں کی طرح دیکھ
رہے تھے۔ یہ پروگرام رات کو ساڑھے بارہ بجے ختم ہوا۔

ایک مہینہ سیر و تفریح کرنے کے بعد حاران نے صبح کی سیر اور ورزش
کے ساتھ ساتھ پبلک ریڈنگ روم میں باقاعدہ جانا شروع کر دیا۔ چھٹیوں
کے دوران اس نے آزاد مطالعہ بھی ختم کر لیا۔

شام کو حاران گھر آیا تو سلام کرنے کے بعد شہزاد کے پاس بیٹھ کر کہنے لگا۔
"چچا جان! مجھے کوئی ایسی نصیحت کریں جو میری زندگی کی سمت کو متعین
کر دے"، شہزاد نے چند لمحے سوچ کر کہا: بیٹا! تم حصولِ علم کے آدرش کو تو
پہلے ہی پورا کر رہے ہو۔ بس اس آدرش کا رخ معاشرے کی تقلیب کیلئے
مسلسل جد و جہد کی جانب پھیر دو! اپنے مفاد پر معاشرے کے مفاد کو ترجیح دو!
تمہاری زندگی کا مقصد سامراج سے نجات اور استحصالی سماجی نظام کے
خاتمے کے لئے جد و جہد ہونا چاہیئے۔" "چچا جان! کیا سماجی اصلاحی کوششیں
بھی اہمیت رکھتی ہیں"؟ حاران نے پوچھا۔ "ہاں بیٹا! سماجی اصلاحی کوششوں
کی ضرورت طبقاتی اور لاطبقاتی دونوں معاشروں میں ہوتی ہے۔ طبقاتی
معاشرے میں سماجی اصلاحی کوششوں کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ
لوگوں میں طبقاتی جد و جہد کے لئے خلوص و ایثار پیدا کیا جا سکے! لاطبقاتی
معاشرے میں اصلاحی کوششوں کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ لوگوں
میں بے غرضی اور ضبطِ نفس پیدا کر کے ان کی انقلابیت کو قائم رکھا جائے
اور ان میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کو نشوونما دی جائے۔ لیکن طبقاتی معاشرے

میں سب سے پہلا بنیادی کام استحصالی سماجی نظام کو بدلنا ہے تاکہ فرد اخلاقی
انسان بن سکے۔ کیونکہ استحصالی سماجی نظام انسان کی اعلیٰ اخلاقی تقلیب کے
راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے"۔ شہزاد نے وضاحت کی حاران نے
اٹھتے ہوئے کہا کہ ان کی نصیحت واقعی اس کی زندگی کی سمت بدل دے گی
وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ فاخرہ گھر کا کام کاج کرتے ہوئے سوچتی رہی کہ
حاران اور فرید کے کردار میں کتنا فرق ہے۔ اسی لئے اسے حاران سے نفرت
تھی اور اسے حاران کا اس کے گھر میں رہنا ناگوار گذر رہا تھا۔

۳۱ جولائی ۱۹۱۴ء کی شام کو حاران نے کھیل کے میدان سے واپس آتے
ہوئے دیکھا کہ مغربی افق پر سورج اس طرح دکھائی دیتا تھا جیسے لہو میں نہایا
ہوا ہو وہ یہ منظر دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ یکم اگست کو وہ صبح سویرے
کوئی چیز لینے کے لئے بڑے بازار گیا تو اس نے ہاکر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ
"پہلی عالمی جنگ چھڑ گئی"۔ حاران نے فوراً ایک پرچہ خریدا اور تیزی سے
گھر آیا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی شہزاد سے کہا: "چچا جان! پہلی عالمی
جنگ چھڑ گئی یہ دیکھئے!" اس نے اخبار شہزاد کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
حاران ہاتھ منہ دھونے میں مصروف ہو گیا اور شہزاد اخبار پڑھنے
لگا۔ جب وہ ناشتہ کرنے کے لئے شہزاد کے پاس بیٹھا تو شہزاد نے کہا:
"یہ جنگ بہت طویل ہوگی اور اس کے خاتمے پر عالمی کساد بازاری کا دور
شروع ہوگا"۔ حاران شہزاد کی یہ باتیں سن کر اس کی سیاسی سوجھ بوجھ پر
حیران ہوا۔ شہزاد سکول جانے کے لئے کپڑے تبدیل کرنے لگا اور حاران اٹھ
کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ صحن میں رکھے ہوئے گملوں میں پھول صبح کی تازہ
ہوا میں جھوم رہے تھے۔

حاران سکول سے واپس آکر جلد ہی پبلک ریڈنگ روم چلا گیا اور
وہاں اس نے انگریزی اور اردو اخباروں میں جنگ کے موضوع پر لکھے

ہوئے تمام مضامین پڑھ ڈالے۔ یورپ کی بڑی طاقتوں کے دو دھڑوں کے درمیان چھڑی ہوئی یہ جنگ بہت جلد عالمی جنگ بن گئی۔ برطانیہ کے تمام مقبوضات نے اپنی خدمات حکومتِ برطانیہ کو پیش کر دیں۔

پورن، حاران اور پرتاب تینوں ہاتھوں میں ہاکیاں لئے کھیل میدان کو جا رہے تھے تو انہوں نے جنگی تیاریوں کے مناظر دیکھے۔ فوجی بھرتی کے دفتر میں نوجوانوں کا بڑا ہجوم تھا۔ ایک طرف دو فوجی افسر نوجوانوں کا طبی معائنہ کر رہے تھے۔ تیسرا آفیسر میز کے سامنے کرسی پر بیٹھا ہوا کچھ لکھے جا رہا تھا۔ اس دفتر سے تھوڑی دور میدان میں رنگروٹوں کو فوجی ٹریننگ دی جا رہی تھی۔ پورن نے کہا کہ ان دنوں فوجی بھرتی زوروں پر ہے پرتاب نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے کہا کہ نوجوان نسل کس طرح جنگ کا ایندھن بن رہی ہے۔ وہ تینوں یہ مناظر دیکھتے ہوئے کھیل کے میدان کی جانب ہو لئے۔

نویں جماعت کا نتیجہ نکلا تو حاران، پورن اور پرتاب نے بالترتیب فرسٹ سیکنڈ اور تھرڈ ڈویژن حاصل کی۔ فرید بھی پاس ہو گیا لالہ نند لال نے نویں جماعت میں حاران کے اوّل آنے کے اعزاز میں اپنے ہاں ہفتے کی رات کو ایک محفل موسیقی کا پروگرام رکھا لالہ نند لال شہزاد کا ہمسایہ تھا اور آڑھت کا کام کرتا تھا وہ مذاہب کی رسوم ادا کرنے کا مخالف نہیں تھا۔ لیکن بھگتی تحریک کا حامی تھا جس کے نزدیک روحِ مذہب اور وحدت انسانیت اہم ہوتی ہے وہ خاموش طبع اور انسان دوست تھا۔

کبھی کبھی شہزاد اور لالہ نند لال اکٹھے ہوتے تو کئی مسائل پر تبادلۂ خیال کرتے۔ ایک دفعہ وہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے تو شہزاد نے کہا: "ایک استحصالی سماجی نظام میں حقیقی انسان دوستی قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ ایسے نظام میں متضاد معاشی طبقوں کے مفادات آپس میں ٹکراتے رہتے

ہیں لالہ نند لال نے اس نکتہ کو بہت سراہا تھا۔

پھر گفتگو کا رخ ملک کی سیاست اور عالمی جنگ کی جانب پھر گیا شہزاد نے ملک میں فوجی بھرتی پر اس طرح روشنی ڈالی کہ لالہ نند لال حیران رہ گیا، شہزاد نے بتایا: "فوجی بھرتی کے متعلق اصل حقائق لوگوں سے چھپائے جاتے ہیں، برطانوی سامراج کے نمائندوں نے فوجی بھرتی کے لئے زبردست اودھم مچا رکھا ہے۔ پنجاب کے علاقوں میں فوجی بھرتی کے نام پر کسانوں پر شدید مظالم توڑے جا رہے ہیں۔ دیہات نوجوانوں سے خالی ہو گئے ہیں اس بے چینی نے جنگ کے دوران پنجاب میں کسانوں کی بغاوتوں کی بنیاد رکھی ہے، بغاوتوں کو بے دردی سے کچل دیا جاتا ہے، پورے گاؤں کو سرکاری اہل کار نرغے میں لے لیتے ہیں اور ساری آبادی کو گھروں سے نکال کر قطار میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ پھر جس نوجوان کی طرف سرکار کی انگلی اٹھ جاتی ہے اسے پا بجولاں ضلع کے صدر مقام میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اور رضاکارانہ طور پہ بھرتی کیا ہوا رنگروٹ سمجھ لیا جاتا ہے"

لالہ نند لال نے کہا کہ یہ تو انتہائی سینہ زوری اور غیر جمہوری طریق ہے۔

شہزاد نے کہا: "ابھی اس لرزہ خیز داستان کی مزید تفصیل سنیئے دیہات کے باشندوں نے مشتعل ہو کر بھرتی کرنے والے افسروں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔ بڑے بڑے بلوے ہونا شروع ہو گئے ہیں اور بعض جگہ تو گاؤں کی پوری آبادی کو گرفتار کر کے عدالتوں میں پیش کیا گیا ہے۔

"سر مائیکل اوڈوائر نے کہا ہے کہ پنجاب سے دو لاکھ رنگروٹ درکار ہیں۔ اگر لوگ بخوشی بھرتی نہیں ہوں گے تو سرکار انہیں جبری طور پہ بھرتی کرے گی۔ ایک طرف عوام کو دہشت میں رکھا جاتا ہے اور دوسری طرف ٹوڈیوں کی آؤ بھگت کی جاتی ہے۔ نمبرداروں اور ذیلداروں کی شامت آئی ہوتی ہے، سرکار ان سے رنگروٹ مانگتی ہے۔ وہ نمبردار جو معذوری

ظاہر کرتے ہیں انہیں حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے۔ جب تک وہ رنگروٹوں کی بھرتی کا وعدہ نہیں کرتے انہیں رہا نہیں کیا جاتا۔ پھر سرکار کی یہ پالیسی ہے کہ دیہات میں جو مظالم ڈھائے جا رہے ہیں ان کی خبر شہروں تک نہیں پہنچنے دی جاتی۔ بلوے کے ایک مقدمے میں پولیس بیک وقت سو سو، دو دو سو آدمیوں کا چالان کر دیتی ہے اور ان کے خلاف یہ الزام ہوتا ہے کہ انہوں نے جبری بھرتی کی مخالفت کی ہے۔" جنگ کے دوران جبری بھرتی کی یہ داستان سن کر لالہ نند لال اپنے گھر کو جاتے ہوئے کہنے لگا۔ "واقعی غلامی انسان کیلئے ایک عذاب ہے۔"

یہ موسم سرما کی سہ پہر تھی۔ جلیانوالہ باغ میں غدر پارٹی کے انقلابیوں کی سزائے موت کے حکم کے خلاف ایک احتجاجی جلسہ ہو رہا تھا۔ سینکڑوں لوگ جلسے میں شرکت کے لئے جوق در جوق چلے آ رہے تھے۔ حاران، پورن اور پرتاب تینوں ڈائس سے کافی پرے کھڑے تھے۔ ڈائس پر چار سیاسی لیڈر بیٹھے تھے۔ جن میں دو سکھ تھے۔ ایک ہندو اور ایک مسلمان تھا۔ پہلے ایک سکھ راہنما ڈائس پر آیا اور اس نے مائیک کے سامنے آ کر اپنی تقریر شروع کی جس میں اس نے کہا کہ غدر پارٹی کے انقلابیوں نے کوئی ناقابلِ معافی جرم نہیں کیا انہوں نے سامراجی استحصال و تشدد کے خلاف انقلابی جدوجہد کی ہے جو ان کا پیدائشی حق ہے۔ اس لئے سزائے موت کو منسوخ کیا جائے۔ حاضرین نے فلک شگاف نعرے لگائے: "غدر پارٹی کے انقلابی زندہ باد" "برطانوی سامراج مردہ باد" جب دوسرا مقرر ڈائس پر آیا تو حاران پورن اور پرتاب جلسہ گاہ سے باہر نکل گئے۔

اتوار کے دن حاران، پورن اور پرتاب تینوں غدر پارٹی کی کہانی سننے کے لئے اس بوڑھے سکھ لیڈر کے پاس گئے جو ابتدا سے غدر پارٹی میں موجود تھا وہ بہت بوڑھا تھا اور آنکھیں بند کر کے غدر پارٹی کی داستان سنانے لگا

غدر پارٹی کے انقلابیوں کی ۱۹۱۴-۱۵ء کی بہادرانہ جدوجہد برصغیر کی قومی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے غدر پارٹی کے انقلابی زیادہ تر ماجھے اور دوآبے کے سکھوں پر مشتمل تھے۔ انہوں نے انقلابی جدوجہد کی سنسناتی ہوئی گولیوں کو اپنے سینوں پر روکا۔ پھانسی کے تختے پر ہنستے ہوئے چڑھے اور جب کالے پانی کی سزا ملی تو اپنی جدوجہد انڈیمان میں بھی جاری رکھی اگرچہ غدر پارٹی کے انقلابیوں کی بغاوت ناکام ہو گئی۔ لیکن ان کے غیر معمولی ایثار و جرأت کی انقلابی روایات زندہ رہیں۔

حاران گذشتہ ایک سال کے عرصے میں اپنی عمر کے لحاظ سے کہیں زیادہ روشن خیال اور صاحبِ فکر ہو چکا تھا۔ پبلک ریڈنگ روم میں مختلف اخباروں اور رسالوں کے باقاعدہ مطالعے، غدر پارٹی کے انقلابیوں کی جدوجہد اور انڈین نیشنل کانگرس کی سیاسی بیداری عالمی جنگ کے پس منظر، سوشلزم کے نظریات اور آزاد مطالعے نے اس کے افکار کو نئی وسعت اور نئی سمت دے دی تھی وہ انجانے طور پر ایک بلند نصب العین کی جانب بڑھ رہا تھا۔ کثرتِ مطالعہ، جسمانی تنومندی علم دوستی، سیاسی سوجھ بوجھ اور اخلاقی جرأت اس کے کردار کو نئی تشکیل دے رہے تھے۔ نت نئی امنگیں اس کے دل میں چٹکیاں لیتیں وہ نئے راستوں پر گامزن ہونے کو بے تاب رہتا۔

شام کے وقت حاران اپنے گھر کی ڈیوڑھی میں آیا تو فرید اور فاخرہ میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ وہ وہیں ٹھہر گیا۔ فرید نے گرجتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ اسے اپنے گھر سے نکال کیوں نہیں دیتے۔ اس نے گھر میں فتور ڈال رکھا ہے۔" فاخرہ نے اس پر [illegible] کرتے ہوئے جواب دیا۔ "تم اسے نکالنے پر تلے ہوئے ہو۔ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر کیوں نہیں دیکھتے وہ جتنا لائق ہے تم اتنے ہی نالائق ہو وہ تندہی سے پڑھتا ہے۔ تم

بے فکری سے آوارہ گردی کرتے ہو اور ماں ہونے کی حیثیت سے میری بددیانتی یہ ہے کہ میں شہزاد کے سامنے تمہاری تعریف کرتی رہتی ہوں۔ تم خود ہی سوچو کہ میں شہزاد کو اسے گھر سے نکال دینے کے لیے کیسے کہہ سکتی ہوں۔ مناسب یہی ہوگا کہ میٹرک کے نتیجے کے بعد اسے یہاں سے ہٹانے کی کوئی سکیم سوچی جائے۔" فرید خاموش ہوگیا۔ حاران نے دوبارہ باہر کے دروازے کو زور سے بند کر دیا اور ڈیوڑھی کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور فاخرہ کو سلام کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

دسویں جماعت کا امتحان ختم ہو چکا تھا۔ اب حاران نے پھر پورن اور پرتاب کے ساتھ ایک مہینہ کے لئے سیر و تفریح کا پروگرام بنایا۔ حاران، پورن، پرتاب کے ساتھ ایک مہینہ کے لئے لمبی سیر کے لئے دیہات کی طرف نکل گئے۔ وہاں ایک نہر میں تیراکی کے مقابلے ہوئے اور تانگوں کی دوڑ ہوئی۔ واپسی کے دن حاران صبح سویرے اٹھا تو صبح کی دھج دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس کے تمام ساتھی بے خبر سوئے تھے۔ وہ وہاں سے چل کر تھوڑی دور ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں چلا گیا۔ مشرقی افق پر گہرا نیلگوں غبار اڑ رہا تھا اور چاروں اور مدھم سیمگوں اجالا پھیلا تھا۔ صبح کی خنک ہوا کا جانفزا لمس بڑا خوشگوار معلوم ہوتا تھا۔ درختوں میں پرندوں کے نغمے دھیرے سے بیدار ہو رہے تھے۔ حاران ایک عجیب سرخوشی میں کھو گیا۔ سورج نکلتے ہی سب گھروں کو چل دیئے۔

حاران اور پورن صبح سویرے میٹرک کا نتیجہ دیکھنے کے لئے بڑے بازار کو گئے۔ ابھی انہوں نے بازار میں قدم رکھا ہی تھا کہ ایک ہاکر "میٹرک کا نتیجہ" کہتے ہوئے بھاگا چلا آ رہا تھا۔ پورن نے بڑھ کر ایک اخبار خریدا۔ اخبار کی ایک چھوٹی سرخی یوں تھی: "میٹرک کا نتیجہ: حاران احمد پنجاب بھر میں اوّل رہے۔" پورن اخبار کی سرخی دیکھ کر خوشی سے چیخ پڑا۔ حاران

نے تعجب سے پوچھا "پورن کیا ہوا؟" پورن نے اخبار حاران کے سامنے کر دیا۔ حاران نے مسکرا کر کہا، "چھوڑو پورن! یہ کوئی اتنا بڑا واقعہ نہیں۔ آؤ! تمہارا اور پرتاب کا نتیجہ دیکھیں۔" وہ دونوں بازار سے ذرا ہٹ کر گلی کی نکڑ پہ کھڑے ہو کر رول نمبر ڈھونڈنے لگے۔ پورن اور پرتاب دونوں نے فرسٹ ڈویژن حاصل کی تھی۔ فرید کا رول نمبر دیکھا تو اسے فیل پایا۔

حاران اور پورن دونوں لمبے ڈگ بھرتے ہوئے گھر پہنچے۔ حاران نے دور ہی سے کہا "امی جان! آپ کو مبارک ہو۔ پورن اور پرتاب نے فرسٹ ڈویژن حاصل کی ہے۔" رادھا نے پرماتما کا شکر ادا کیا۔ اس دوران پورن حاران کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پورن نے فوراً کہا "ماتا جی! حاران کا اپنا حال بھی تو سنیں۔ وہ پنجاب بھر میں اوّل رہے ہیں۔" رادھا نے یہ سن کر بے ساختہ کہا "شاباش بیٹا! تم نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔" رادھا نے حاران کو سینے سے لگایا اور پیار کیا۔ رادھا فوراً کمرے میں چلی گئی اور واپس آکر حاران کو تیس روپے انعام کے طور پر دیئے۔

حاران نے روپے لیتے ہوئے بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ رادھا نے کہا "بیٹا! اب ناشتہ کر کے جانا۔" اس نے کسی کام کے لئے پورن کو آواز دی اور خود باورچی خانے میں چلی گئی۔ حاران نے وہیں بیٹھے بیٹھے سوچا کہ یہ تیس روپے اس کے امرت سر جانے کے لئے کافی ہوں گے۔ اس نے امرت سر جانے کے بعد نامعلوم حالات کے پیشِ نظر ان روپوں کو غنیمت سمجھا۔

حاران، پورن اور پرتاپ سکول کے احاطے میں پہنچے تو لڑکوں کا بڑا ہجوم تھا اور چند ٹیچر اور ہیڈ ماسٹر برآمدے میں کھڑے تھے۔ لڑکوں

نے حاران کو کندھوں پر اٹھا لیا۔ اور برانڈے کی جانب چل پڑے برانڈے کے پاس پہنچ کر لڑکوں نے حاران کو کندھوں سے اتارا۔ اس نے ہیڈ ماسٹر کے پاس جا کر اسے سلام کیا جس نے اسے تھپکی دی اور لڑکوں سے مخاطب ہو کر کہا: "میں اپنی اور سکول کی طرف سے حاران کو مبارکباد دیتا ہوں اور آپ سب سے امید کرتا ہوں کہ آپ بھی حاران کے نقشِ قدم پر چلیں گے، کل سکول میں حاران کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد ہو گی۔ یہ الفاظ کہہ کر ہیڈ ماسٹر ٹیچروں کے ساتھ اپنے آفس کی جانب چلا گیا اور لڑکے اپنی کلاسوں کی طرف چل دیئے۔

حاران سکول سے سیدھا گھر آیا۔ شہزاد نے اسے گلے لگا کر پیار کیا۔ نزہ نے بھی سطحی طور پر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور شاباش کہا۔ رخسانہ اور آصفہ نے حاران کو مبارکباد دی۔ فرید حاران کو دیکھتے ہی باہر نکل گیا وہ ہاتھ منہ دھو کر شہزاد کے پاس بیٹھ گیا۔ شام کو پورن نے آکر پیغام دیا کہ اسے پتا جی نے بلایا ہے۔ حاران نے کپڑے تبدیل کئے اور وہ دونوں چل پڑے

حاران پورن کے گھر میں داخل ہوا تو سامنے پورن کا باپ بابو کمار کرسی پر بیٹھا تھا۔ حاران نے اسے سلام کیا۔ کمار نے کرسی سے اٹھ کر اسے شاباش دی اور اس کی پیشانی کو چوما۔ اس نے حاران کو ساتھ لے کر باورچی خانے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "رادھا! حاران بیٹا آئے ہیں۔" یہ سن کر رادھا باورچی خانے سے باہر آئی اور حاران کو سینے سے لگا کر پیار کیا اور کہا "بیٹا! تم اندر بیٹھو! میں تمہیں کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دوں گی۔"

سکول کا ہال طالب علموں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا جب شہزاد ہال میں داخل ہوا تو سٹیج پر ہیڈ ماسٹر کہہ رہا تھا: "علم کی لگن اور سخت کوشش کے بغیر کوئی طالب علم نمایاں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا اس کی بہترین مثال حاران کی نمایاں کامیابی ہے۔ میں حاران کو سکول کے عملے اور طالب علموں

کے والدین کی جانب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور انعام کے طور پر ہاکی فلیٹ بوٹ اور چند کتابیں پیش کرتا ہوں۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ حاران انعام وصول کرنے کے بعد اپنے خیالات کا اظہار کرے۔"

حاران سٹیج پر آیا اور انعام وصول کرنے کے بعد حاضرین سے مخاطب ہوا۔ "معزز حاضرین! طالب علم کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ علم کو مسلسل تلاش کے بعد حاصل کرے۔ لیکن اس تلاش کے لئے محنت اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسری مخلوق کے مقابلے میں انسان کی عظمت اس میں ہے کہ وہ شعوری طور پر محنت کرتا ہے۔ محنت کا جادو تو ایک نئی دنیا تخلیق کر دیتا ہے۔ اس لئے میری کامیابی کوئی معجزہ نہیں بلکہ میری انتھک محنت اور سخت کوشش کا ایک لازمی نتیجہ ہے میں لیکن تمام حاضرین کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔" حاران سٹیج سے نیچے اترا تو ہال پُر زور تالیوں سے گونج اٹھا۔" پھر میوزک ماسٹر نے علامہ اقبال کی نظم "کوششِ ناتمام" سنائی۔ نظم ختم ہونے پر حاضرین نے تالیاں بجائیں اور سب جانے کے لئے اٹھے۔

دوسرے دن شام کے وقت حاران پورن اور پرتاب کے ساتھ گراؤنڈ کے پاس کھڑا تھا تو فرید اپنے تین دوستوں کے ساتھ آیا اور حاران کے منہ پر تھپڑ مارتے ہوئے کہنے لگا! "کیوں بے نمک حرام! تو ہمارا کھاتا ہے اور ہمیں کو گھورتا ہے۔" حاران کو اس کے رویّے پر بڑا تعجب ہوا۔ اس نے پورن اور پرتاب سے خاموش کھڑا رہنے کے لئے کہا اور چشم زدن میں حاران نے فرید کے منہ پر ایک مکا رسید کیا۔ اس کے بعد وہ گتھم گتھا ہو گئے فرید نے اسے پھر تھپڑ مارنے کی کوشش کی لیکن حاران نے اس کا ہاتھ روک کر اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا۔ اس طرح فرید نے کافی مار کھائی اور یہ کہتے ہوئے کہ وہ پھر کبھی اس سے بدلہ لے گا اپنے دوستوں کے ساتھ ہو لیا۔

حاران، پورن اور پرتاب کے ساتھ گھر آیا اور خود اکیلا اندر گیا تو شہزاد اور فاخرہ کو جھگڑتے ہوئے پایا۔ اس نے بیٹھک میں جا کر اپنی چیزیں اور کپڑے سوٹ کیس میں ڈالے اور سوٹ کیس بیگ اور ہاکی لے کر باہر نکلا اور شہزاد اور فاخرہ سے کہا۔ "میں آپ کا بہت شکرگزار ہوں۔ اب میں امرت سر جا رہا ہوں خدا حافظ۔" وہ دونوں حیران ہو کر ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ جب حاران باہر نکلا تو پورن نے اسے کہا کہ وہ رات بھر اس کے ہاں ٹھہر جائے۔ حاران خاموش رہا۔

پورن اور حاران گھر پہنچے تو پورن نے اپنی ماں کو الگ کمرے میں لے جا کر صورت حال سے آگاہ کیا۔ رادھا حاران کے پاس آئی اور اسے سینے سے لگا کر پیار کیا اور کہا: "بیٹا! میں تمام ماجرا سن چکی ہوں۔ تم آج رات یہیں ٹھہر جاؤ۔ کل دن کے دو بجے کی گاڑی سے چلے جانا۔" حاران کو ماننے ہی بنی۔ رات کو کھانے کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر چائے کا دور چلا۔ بابو کمار اور رادھا نے حاران سے کہا کہ وہ انہیں کے ہاں ٹھہر جائے اور ان کے گھر کو اپنا گھر سمجھے۔ لیکن حاران نے کہا: "امی جان! میں آپ کا بہت مشکور ہوں، میں یہاں سے جا رہا ہوں تو میں اپنی حقیقی ماں سے جدا ہو رہا ہوں جسے میں نے آپ کی شکل میں پایا تھا۔ مجھے بہت افسوس ہے، لیکن میں مجبور ہوں۔ میں اپنی زندگی میں تغیر چاہتا ہوں۔" پھر کمار نے حاران کو اپنے ایک رشتہ دار مسٹر سیٹھی کے نام ایک خط دیا اور اس کے ہاں جانے کی تاکید کی۔!

ڈاکٹر حاران فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے انجانے میں سڑک کے قریب آ گیا اور ایک سائیکل سوار سے ٹکرانے لگا تو اپنے خیالات سے چونک پڑا اور فٹ پاتھ کے ایک چھوٹے سے سبزہ زار میں پڑے ہوئے بنچ پر بیٹھ گیا۔ جیل کا دروازہ چرچراتے ہوئے کھلا اور وارڈر چائے کا

کپ لے کر سیڑھیاں اترنے لگا۔ وارڈر نے چائے کا کپ ڈاکٹر حاران کے پاس رکھا اور وہ چائے پیتے ہوئے پھر یادوں میں کھو گیا۔ وہ بنچ سے اٹھ کر تھوڑی دور گیا تو اسے کالج کا طالب علم نظر آیا۔ اسے امرت سر کو اپنی روانگی اور کالج کی زندگی یاد آ گئی۔ وہ ایک خاموش راستے پر ہو لیا جس کے دونوں طرف قدآور درخت ہوا میں سرسرا رہے تھے۔

حاران ریل گاڑی میں بیٹھا ہوا مختلف خیالات میں کھویا رہا۔ بے منزل سفر بھی کتنا سہمگیں ہوتا ہے۔ اس نے سوچا۔ جب گاڑی امرت سر کے نزدیک پہنچی تو حاران اپنی چیزیں سمیٹ کر اترنے کے لئے تیار ہو گیا۔ گاڑی سٹیشن پر رکی تو وہ نیچے اترا۔ شام کی شفق نے آسمان پر تیرتے ہوئے بادلوں کے ٹکڑوں کو رنگین بنا دیا تھا اور فضا دہک اٹھی تھی۔ وہ سٹیشن سے باہر نکل کر مال روڈ کے لئے تانگے میں بیٹھ گیا۔ راستے بھر وہ اس اجنبی شہر پر ایک چھچھلتی ہوئی نظر ڈالتا گیا۔ تانگے والے نے اسے ایک ایسے چوراہے پر اتار دیا جس کے ایک راستے سے مال روڈ شروع ہوتی تھی۔ حاران اپنا سوٹ کیس بیگ اور ہاکی اٹھائے مال روڈ پر چل پڑا۔ راستے کے دونوں طرف پھولوں کے پودے اور اونچے درخت شام کی خوشگوار ہوا میں جھوم رہے تھے وہ چلتا رہا۔ کمپنی باغ اب زیادہ دور نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ رات کمپنی باغ میں گزار کر کل بلدیہ کے دفاتر میں ملازمت کے حصول کے لئے کوشش کرے گا۔ اس نے مسٹر سیٹھی کے ہاں جانا پسند نہ کیا۔

حاران کچھ دیر ستانے کے لئے اپنا سامان سڑک کے کنارے رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر بے منزل ہونے کی بے یقینی جھلک رہی تھی۔ اسی لمحے ایک امیر خاتون اپنی بگھی میں بیٹھی ہوئی اس کے پاس سے گزری، اس خاتون نے پیچھے مڑ کر حاران پر دوبارہ نظر ڈالی اور کوچبان کو ٹھہرنے کے لئے کہا۔ وہ بگھی سے اتر کر اس کے پاس آئی اور کہنے لگی۔

"بیٹا! تم مسافر معلوم ہوتے ہو۔ آؤ میرے ساتھ چلو!" حاران انکار نہ کر سکا اور بگھی میں بیٹھ گیا۔ وہ اپنی کوٹھی پر پہنچی تو اسے معلوم ہوا کہ وہ ایک امیر کبیر شخص کی بیوی مسز نواس ہے اور جیمخانہ کلب کی روحِ رواں ہے اس کے گھر کا ماحول انتہائی مغربی تھا۔ اس کی چھوٹی بیٹی کماری میٹرک کی طالبہ تھی مسز نواس نے حاران کو ایک چھوٹے کمرے میں ٹھہرایا اور اس کا سامان انہیں رکھوا دیا۔ اس نے حاران کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "بیٹا! اب اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھو!"

رات کو کھانے پر کچھ انگریز عورتیں اور مرد بھی مدعو تھے۔ ڈنر کے بعد رقص شروع ہوا۔ حاران اس منظر کو دیکھ کر بہت گھبرایا۔ اتنے میں کماری اس کے پاس آئی اور اس نے حاران کو ڈانس کرنے کی دعوت دی۔ حاران نے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کی اسے ڈانس کرنا نہیں آتا وہ ہال سے باہر نکل گیا اور اپنے کمرے میں آکر مطالعہ کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد کماری نے اپنی ماں سے کہا: "ماتا جی! حاران کتنا بیک ورڈ لڑکا ہے"۔ مسز نواس نے یہ کہہ کر کماری کو دلاسا دیا کہ وہ ایک اجنبی ماحول میں آیا ہے۔ اور چند دنوں کے بعد اس نئے ماحول کو اپنا لے گا۔

کماری چپکے سے حاران کے کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے ہاتھ سے کتاب چھین کر کہنے لگی: "ہر وقت سٹڈی میں لگے رہتے ہو! چلو! باہر لان میں بیٹھیں۔ اس کے لہجے میں اپنی امارت کی تمکنت کی گونج تھی حاران اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ وہ اٹھا اور مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ دونوں باہر لان میں ایک بنچ پر بیٹھ گئے۔ کماری نے حاران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا: "حاران! کہتے ہیں کہ محبت اس چودھویں رات کی چاندنی کی طرح چپکے سے دل میں اتر جاتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟ حاران نے کہا کہ محبت تو انسانیت کا آدرش ہے۔ کماری نے بگڑ کر کہا: "یہ

آدرش کیا بلا ہوتی ہے۔ تم اتنے سیدھے سادھے موضوع کو اس طرح کیوں الجھا رہے ہو؟" حاران سمجھ گیا کہ وہ کوئی اونچی بات نہیں سمجھ سکتی۔ اور اپنی زندگی بے سوچے سمجھے گذار رہی ہے حاران نے فوراً کہا: "میں نے محبت کبھی نہیں کی۔ لیکن میں تمہاری بات سمجھ سکتا ہوں، واقعی محبت چپکے چپکے دل میں گھر کر لیتی ہے"۔ یہ سن کر کماری کھل اٹھی۔ ایک اجنبی مسرت کی لہر اس کے چہرے پر بکھر گئی۔ کماری نے سوچا کہ حاران پر اس کی بات کا اثر خاطر خواہ ہوا ہے۔ اور وہ اس نکتے کو سمجھ گیا ہے جسے وہ اس تک پہنچانا چاہتی تھی۔ اس نے ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا: "دیکھو! چاند کی نور بھری کشتی کس سکون سے بہے جا رہی ہے"۔ اتنے میں مسز نواس کی تیز آواز گونجی۔ وہ کماری کو بلا رہی تھی۔ حاران اور کماری دونوں لان سے اٹھ کر کمرے کی جانب چل دیئے۔

رات کو حاران بستر پر لیٹا تو اس نے اپنی موجودہ حالت پر ایک نظر ڈالی پہلے اس نے سوچا کہ اس گھر میں اسے ہر سہولت میسّر ہے۔ وہ یہیں رہ کر اپنی تعلیم جاری رکھے گا۔ لیکن دوسرے لمحے اسے خیال آیا کہ وہ اس گھر میں رہ کر ہر طرح کا آرام تو حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن وہ اپنی مرضی کے مطابق پڑھائی میں دل نہیں لگا سکتا۔ اسے اپنے راستے میں کماری بہت بڑی رکاوٹ معلوم ہوئی۔ اس پر ایک کشمکش کی حالت طاری ہو گئی۔ آخر اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ کسی قیمت پر وہاں نہیں رہے گا۔ کیونکہ اس ماحول میں رہ کر وہ اپنے آدرش کا تعاقب نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد اسے گہری نیند نے آدبوچا۔ لیکن وہ ایک خواب دیکھنے لگا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ چٹیل میدان میں ایک درخت کے نیچے اکیلا اداس کھڑا ہے۔ اس کی حیرانی کی حد نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس سے تھوڑے فاصلے پر ایک درویش چلا آ رہا ہے سفید داڑھی اور لمبے چغے نے اسے ایک باوقار شخصیت بنا دیا تھا۔ درویش نے حاران کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا: "بیٹا! تم یہاں حیران و پریشان

کیوں کھڑے ہو؟"

"میں زندگی کو سمجھنا چاہتا ہوں لیکن مجھے کوئی راہ نہیں سوجھتی" حاران نے کہا۔ درویش نے سنجیدہ ہو کر کہا "بیٹا! اگر تم زندگی کو سمجھنا چاہتے ہو تو طبقاتی نقطہ نظر پیدا کرو! پھر تم زندگی کی گہرائیوں تک پہنچ سکو گے اور زندگی کو بدلنے کے لئے جد و جہد پر مجبور ہو جاؤ گے۔ زندگی کا طبقاتی شعور تمہیں آمریت، غلامی، استحصال، استبداد، سامراج، معاشی نا مساوات اور بے انصافی کا دشمن بنا دے گا۔ طبقاتی شعور کے بغیر تم زندگی کے انتہائی گہرے انتشار کے سامنے بے بس کھڑے رہ جاؤ گے۔" "آپ مجھے یہ بتائیں کہ انسان کی پاکیزہ ترین امنگ کیا ہے؟" حاران نے پوچھا۔ "بیٹا! معاشرے کو بہتر خطوط پر بدلنے کی امنگ ہی انسان کی پاکیزہ ترین امنگ ہے اور جو شخص معاشرے کو بہتر خطوط پر بدلنے کے لئے اجتماعی سطح پر طبقاتی جد وجہد میں حصہ لیتا ہے وہی نیک اور عظیم انسان ہے۔ طبقاتی جد وجہد سے منہ پھیر کر آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنا انسانیت کی نہیں حیوانیت کی علامت ہے کیونکہ استحصالی قوتوں کے خاتمے کے بعد ہی انسان امن اور نیکی کے راستے پر گامزن ہو سکے گا۔ لیکن تم نے تو سماجی زندگی کا حقیقی چہرہ دیکھا ہی نہیں۔ جب تک تم سماجی زندگی کو واقعیت کے رنگ میں نہیں دیکھو گے، تم اسے سمجھ نہیں سکتے۔ تم آنکھیں بند کرو! میں تمہیں زندگی کا حقیقی چہرہ دکھاتا ہوں" حاران نے آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر کے بعد درویش نے اسے آنکھیں کھولنے کے لئے کہا۔ حاران نے آنکھیں کھولیں تو اس نے دیکھا کہ وہ دونوں ایک چھوٹے قالین پر بیٹھے فضا میں اڑے جا رہے ہیں۔ "بیٹا! ہم بہت نیچی سطح پر پرواز کر رہے ہیں۔ اس لئے ہم سب کچھ دیکھ سکتے ہیں لیکن ہمیں کوئی انسانی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ ہم ایشیا اور افریقہ کی فضاؤں میں اڑیں گے" درویش نے کہا۔ کچھ دیر کے بعد درویش نے زمین کی جانب

اشارہ کرتے ہوئے کہا "ان دور تک پھیلے ہوئے سرسبز کھیتوں میں جاگیردار کے لئے خوشحالی اگتی ہے۔ لیکن کاشت کرنے والے کسانوں کے لئے بدحالی جنم لیتی ہے کھیتوں سے ذرا پرے کسانوں کا گاؤں ہے"۔ "جھونپڑیوں کے درمیان یہ محل کس کا ہے؟" حاران نے پوچھا۔ "یہ محل جاگیردار کا ہے جس میں وہ آرام و آسائش سے رہتا ہے اور اس کے کتے ناز و نعمت میں پلتے ہیں۔ اب ہم ملوں اور فیکٹریوں کے پاس آ گئے ہیں، ان ملوں اور فیکٹریوں کے مالک چند سرمایہ دار ہیں مزدوران کے پاس اپنی قوتِ محنت بیچتے ہیں اور وہ مزدوروں کو اتنی اجرت دے دیتے ہیں جس سے وہ کام کرنے کے لئے زندہ رہ سکیں محنت کش عوام نئی زندگی کے پیغامبر اور لا طبقاتی معاشرے کے معمار ہیں طویل طبقاتی جد وجہد کے بعد آخر فتح مند وہی ہوں گے۔ کیونکہ وہ اس طبقاتی معاشرے کے تنومند اور پُرعزم عناصر ہیں" درویش نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن جاگیردار اور سرمایہ دار طبقہ تو استحصال کو ایک معاشرتی جرم نہیں سمجھتا!" حاران نے کہا "بیٹا! بورژوا معاشیات والوں نے لفظ "استحصال" کو معاشیات ہی سے نکال دیا ہے۔ اس لئے وہ استحصال کو کوئی جرم نہیں سمجھتے" درویش نے بتایا "کیا مذہبی پیشوائیت بھی استحصال کی مخالف نہیں؟" حاران نے سوال کیا۔ "مذہبی پیشوائیت تو سرمایہ دار طبقے کی وظیفہ خوار ہے۔ اس لئے وہ حقیقی مذہبی تعلیم کو توڑ مروڑ کر استحصال کے حق میں فیصلہ دیتی ہے اب ہم قحبہ خانے پر سے گذر رہے ہیں۔ جہاں مرد حاوی معاشرہ عورتوں سے جسم فروشی کراتا ہے، یہاں عورت کی تقدیس کا سودا ہوتا ہے سماجی قباحت کا یہ ادارہ بڑا پرانا ہے۔" یہ کہہ کر درویش کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ حاران نے پوچھا "قحبہ خانے کے متصل وہ عمارت کیا ہے" "وہ نشہ بازی کا بہت بڑا اڈہ ہے جہاں ہر قسم کا نشہ کیا جاتا ہے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں زندگی کو بے مقصد سمجھ کر نشہ بازی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کتنا

بھیانک منظر ہے۔ کتنے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں زندگی کی جدوجہد سے منہ موڑ
کر خود فراموشی کی دنیا میں کھوئے ہوئے ہیں۔" درویش نے جواب دیا: "وہ
چوک میں کیسا ہنگامہ برپا ہے؟" حاران نے اپنی جگہ پر اچھلتے ہوئے کہا۔ "سامراجی
تشدد کے خلاف عوامی مظاہرین پر سامراجی فوج اور پولیس لاٹھی چارج
اور فائرنگ کر رہی ہے ایشیا اور افریقہ کی معیشت اور سیاست دونوں
پر سامراجی طاغوت مسلط ہے اور مقامی استحصالی طبقے اس کی پشت پناہی
کرتے ہیں سامراج اور مقامی استحصالی طبقے دونوں کو ملیامیٹ کئے بغیر
معاشرتی ماحول کو انسانی نہیں بنایا جاسکتا۔" درویش نے جواب دیا حاران
نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: "ان محلوں اور بازاروں میں دھنگا
فساد کیسا ہے؟" "بیٹا مذہب کی بنا پر دو فرقوں میں خونریزی ہو رہی ہے۔ دونوں
طرف کے لوگ ایک دوسرے پر حملے کر رہے ہیں اور ایک دوسرے کی
دکانوں اور مکانوں کو نذرِ آتش کر رہے ہیں۔ عورتوں اور بچوں کی چیخیں
کتنی دلدوز ہیں سامراجی اور مقامی استحصالی طبقے مذہبی جذبات کو
ابھارتے ہیں اور اس طرح فرقہ واریت کو ابھار کر عوام کے ذہنوں سے
طبقاتی شعور کو محو کر دیتے ہیں یہ حربہ سامراجیوں اور مقامی استحصالی طبقوں
کا بہت بڑا حربہ ہے۔" درویش نے وضاحت کی۔

درویش نے زمین کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ دیکھو!
شہر کے بڑے سرکاری ہسپتال پر غریب مریضوں کا کتنا ہجوم ہے یہاں ہر
روز ایسے پندرہ سولہ مریض دم توڑ دیتے ہیں جنہیں ڈاکٹر دیکھ نہیں پاتے
اونچے طبقوں کے لئے پرائیویٹ ہسپتال ہیں جہاں علاج پر ہزاروں روپے
خرچ ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹروں کی پرائیویٹ کلینکوں پر بھی بھاری رقمیں دینا
پڑتی ہیں۔ ایک طبقاتی معاشرے میں حکومت عوام کے روزگار، تعلیم
اور صحت کے بارے میں کوئی ذمہ داری نہیں لیتی۔ اس لئے عوام

نادار، جہالت اور بیماری کا شکار ہوتے ہیں اور ہر طرف سماجی قباحتیں پھیلی
ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایشیا اور افریقہ میں تعلیم اور صحت کے ادارے
زیادہ تر پرائیویٹ منافع خور عناصر کے ہاتھوں میں ہیں۔" درویش نے ہاتھ
کے اشارے سے کہا: "یہ عبادت گاہیں ہیں جہاں روحِ مذہب مر چکی ہے
اور مذہب کے رسوم و ظواہر باقی رہ گئے ہیں۔"

درویش نے کہا: "اب ہم نچلے اور متوسط طبقوں کے محلوں پر سے گذر
رہے ہیں۔ اس مکان میں ایک خاندان فاقہ زدہ ہے بچے بھوک سے
بلک رہے ہیں اور ان کے ماں باپ دم سادھے بیٹھے ہیں۔ وہ شخص اپنی
بیوی کو بالوں سے پکڑ کر اسے پیٹتے ہوئے دروازے سے باہر پھینک رہا
ہے وہ ایک نوجوان اپنے باپ کو پیٹ رہا ہے یہاں چار سگے بھائیوں
میں لڑائی ہو رہی ہے۔ وہ شخص نشہ پی کر جھومتا ہوا اپنے گھر میں داخل ہو رہا
ہے۔" یہ کہتے ہی درویش خاموش ہو گیا۔ کچھ توقف کے بعد اس نے پھر کہنا شروع
کیا: "یہ تھانہ پولیس ہے ہیڈ کانسٹیبل نے رشوت لے کر ایک پیشہ ور جیب کترے
کو چھوڑ دیا ہے یہ عمارات حکومت کے دفاتر ہیں۔ جو پبلک سے لین دین
کرتے ہیں۔ یہاں رشوت اور سفارش کی بنا پر بڑے بڑے معاملات غیر قانونی
طور پر طے پا جاتے ہیں۔ یہ سٹہ بازار ہے یہاں سرمایہ دار ایک مخصوص مال
کی مصنوعی قلت پیدا کر کے تھوڑے عرصے میں لاکھوں کما لیتے ہیں۔" "یہ
عظیم الشان عمارت کیا ہے؟" حاران نے یک لخت کہا۔ "یہ پارلیمنٹ ہاؤس
ہے۔ بورژوا جمہوریت کی تماشا گاہ۔ یہاں الیکشن میں لاکھوں روپے
خرچ کر کے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے نمائندوں کو کامیاب کر کے
لایا جاتا ہے۔ چند عوامی نمائندے بھی کامیاب ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان
کی آواز بڑی آوازوں کے شور میں دب کر رہ جاتی ہے۔ سکہ استحصالی
نظام ہی کا چلتا ہے۔" درویش نے بتایا۔ "بھلا استحصال کی سرپرستی

ہی کیوں کی جاتی ہے ؟" حاران نے پوچھا۔" بیٹا! استحصال کے استحکام میں وہی طبقے حصہ لیتے ہیں جن کا مفاد اس سے وابستہ ہوتا ہے اور جو اپنے عیش و آسائش کو محنت کش عوام کی خوشحالی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس طرح سوشلسٹوں کے سوا بالعموم دانشور، مذہبی پیشوا اور بورژوا سیاست دان استحصال کی سرپرستی کرتے ہیں اور اسے اخلاقی، مذہبی اور انسانی لحاظ سے کوئی سماجی قباحت نہیں سمجھتے۔" درویش نے جواباً کہا۔ حاران نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا۔" پھر تو معاملہ بہت ہی گہرا اور بہت ہی اہم ہے۔" درویش نے کہا۔" تم ٹھیک کہتے ہو بیٹا! اسی لئے تو ابھی بہت لمبے عرصے تک انسان کی زندگی کا اوّلین مقصد معاشرے کو بہتر خطوط پر بدلنے کے لئے طبقاتی جدوجہد جاری رکھنا ہے۔" درویش نے نیچے دیکھ کر کہا۔" یہ تعلیمی اداروں کی عمارات ہیں۔ گورنمنٹ عوام کی تعلیم کے لئے زیادہ سکول اور کالج مہیا نہیں کرتی۔ اس لئے ہر طرف پرائیویٹ تعلیمی ادارے ابھر رہے ہیں جو خوب دولت کما رہے ہیں۔ اسی لئے محنت کش عوام کے بچے تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ تعلیم انتہائی مہنگی ہے، اب کالجوں میں بھی طبقاتی شعور ابھر رہا ہے اور طالب علم رجعت پسند اور ترقی پسند گروہوں میں بٹتے جا رہے ہیں۔" "یہ ساحلِ سمندر کے نزدیک جارکشتیوں میں کیا لدا ہوا ہے۔" حاران نے اچنبھے سے کہا۔

"یہ سمگل شدہ مال ملک کے اندر لایا جا رہا ہے۔ اس کاروبار کو چلانے میں بڑے بڑے سرمایہ داروں اور حکومت کے اعلیٰ افسروں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ طبقاتی معاشرے میں ایسی ہزاروں قسم کی سماجی برائیاں ہوتی ہیں۔" درویش نے بتایا۔ اس نے اپنا ہاتھ اونچا کر کے لہرایا تو قالین بلا کی تیزی سے پرواز کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد درویش نے کہا:" اب ہم برِّاعظم افریقہ کی سرزمین میں داخل ہو چکے ہیں یہ دریا

جنگل اور پہاڑ افریقہ ہی کے ہیں۔ اب ہم جنوبی افریقہ پر پرواز کر رہے ہیں جہاں برطانیہ کی گوری اقلیت نے جبر و تشدد کے بل بوتے پر اپنی نوآبادی قائم کر رکھی ہے۔ بڑے پیمانے پر لوٹ کھسوٹ کر رہی ہے اور نمیبیا کی سونے کی کانوں میں سے دن رات سونا نکال کر اپنے ملک میں پہنچا رہی ہے اس لوٹ کھسوٹ میں کئی دوسری مغربی سامراجی قوتیں بھی شامل ہیں۔" مسلح گوری فوجیں کتنی سنگ دلی سے نہتے افریقی مرد عورتوں پر گولیاں چلا رہی ہیں۔" حاران نے بڑے قلق سے کہا۔" بیٹا! یہاں یہ کھیل تو دن رات کھیلا جاتا ہے افریقی عوام اپنی آزادی کا حق مانگتے ہیں۔ لیکن برطانیہ کی گوری اقلیت اس کا جواب انہیں لاٹھی چارج اور فائرنگ سے دیتی ہے۔ اگر کسی نے برطانیہ کی نام نہاد جمہوریت کا حقیقی روپ دیکھنا ہو تو وہ جنوبی افریقہ میں آ کر دیکھ لے۔ افریقہ کے عوام بھی سینہ سپر ہو کر جدوجہد آزادی میں سرگرم ہیں

" انسان عظیم ہے۔ انسان نے سماجی تشکیل کے کئی مراحل طے کئے ہیں اس نے دورِ غلامی کے دس ہزار سالوں کے اندھیروں میں اپنی جدوجہد کی شمع جلائے رکھی۔ اس نے جاگیرداری عہد کے جبر و استحصال کا مقابلہ کیا وہ سرمایہ داری نظام کے انتہائی مسلح جبر و تشدد کے سامنے ڈٹا ہوا ہے اور اس نے اپنی جدوجہد سے سوشلسٹ نظام بھی قائم کر دیا ہے اور وہ لاطبقاتی سماج کی طرف بڑھ رہا ہے انسان کبھی ہار نہیں مان سکتا وہ اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ کر رہے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے معاشرے کو انسانی اور اخلاقی بنانا ہے یاد رکھو بیٹا! اپنی زندگی میں خلوص اور دیانت کے پرچم کو اونچا رکھو اور معاشرے کی بہتر ترتیب کے لئے کوشاں رہو اگر تم طبقاتی نقطہ نظر رکھتے ہو تو تم زندگی ہی سے سب کچھ سیکھ سکتے ہو۔ زندگی ہی تمہاری درس گاہ ہے۔" درویش نے پُر یقین لہجے میں کہا۔ اس نے دوبارہ ہوا میں ہاتھ لہرایا تو وہ نئے ماحول میں موجود تھے۔ حاران نے نیچے دیکھ کر

حیرت سے کہا: یہ نئی دنیا کیا ہے؟" "بیٹا! یہ وہی نئی دنیا ہے جسے لاطبقاتی معاشرہ کہتے ہیں وہ دیکھو! ہر مذہب کا معبد کتنا حسین ہے اور اس کے کلس سورج کی روشنی میں کس شان سے دمک رہے ہیں۔ سڑکوں پر ٹریفک کتنی منظم طور پر جاری ہے۔ لائبریری کی عمارتیں کتنی دلکش اور عظیم الشان ہیں۔ عورتیں اور مرد اطمینان سے بیٹھے ہوئے مختلف موضوعات پر تحقیقی کام کر رہے ہیں یہاں نہ کوئی شخص امیر ہے نہ غریب بلکہ سب یکساں طور پر خوشحال ہیں یہاں استحصال سب سے بڑا جرم ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی انتہا کو پہنچ چکی ہے وہ دیکھو! وہ ملوں کا ایریا ہے۔ جن کی چمنیوں میں سے دھواں نہیں نکلتا کیونکہ وہ ایٹمی توانائی سے چلتی ہیں مشینوں کی خودکاری اتنی عام ہو چکی ہے کہ فیکٹریاں اور ملیں معاشرے کی تمام ضروریات ایک ماہ میں پیدا کر لیتی ہیں۔ اس بنا پر انسان کو اپنے تہذیبی ارتقا کے لئے اتنی فرصت حاصل ہے کہ اسے اس سے پہلے تاریخ کے کسی دور میں حاصل نہ ہوئی تھی۔ معاشی مساوات اور ضبطِ نفس کی مداومت نے معاشرے سے سماجی قباحتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے انسان اخلاقی انسان بنتا جا رہا ہے کیونکہ معاشرے میں کرداری تضادات کی نفسیاتی کشمکش ہمہ وقت جاری ہے وہ دیکھو! جگہ جگہ فنونِ لطیفہ ادب اور مختلف علوم پر سیمینار اور نمائشیں ہو رہی ہیں، سامراجی اور استحصالی قوتیں اس معاشرے سے معدوم ہو گئی ہیں اور سائنسی فکر اور تمام مذاہب کی اخلاقی تعلیمات انسانوں کے قلب و ذہن کو روشن کر رہی ہیں۔" درویش نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا "کاش! ہماری دنیا بھی اتنی حسین بن جائے۔" حاران نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ درویش نے حاران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "بیٹا! یہ دنیا انسان کی طبقاتی جدوجہد کی منزلِ مقصود ہے۔ ایک دن تمہاری دنیا اسی طرح حسین اور پُرطمانیت ہو جائے گی۔ لیکن اس منزل تک پہنچنے کے لئے کئی نسلوں کی اجتماعی طبقاتی جدوجہد درکار ہو گی۔ انسانی معاشرے

کی بہتر تقلیب کا راستہ ایک انتہائی طویل اور کٹھن راستہ ہے۔ بیٹا! تم زندگی میں خلوص۔ بے غرضی اور ضبطِ نفس کو اپنے اخلاقی اصول بنا لو! ان صفات کے بغیر کوئی سائنسی فکر معاشرے کی بہتر تقلیب نہیں کر سکتا۔ کیونکہ معاشرے کی بہتر تقلیب کا پروسس انسانوں کے ذریعے ہی سرانجام پاتا ہے۔ وہ دیکھو! اوپر کالے بادل منڈلا رہے ہیں۔" حاران نے اوپر دیکھا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ مسز نواس کی کوٹھی کے لان میں کھڑا تھا۔ اسی وقت حاران کی آنکھ کھل گئی اور وہ چارپائی پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے پانی کے دو گھونٹ پیئے۔ اس خواب کا تعلیمی اثر حاران کے کردار پر تمام عمر نمایاں رہا اور وہ اپنی عمر کے لحاظ سے کہیں زیادہ زندگی کی تفہیم میں پختہ ہو گیا۔ اس کے بعد تعلیم اور وسیع مطالعہ نے اسے ایک انقلابی دانشور بنا دیا۔ حاران پھر لیٹ گیا اور جلد ہی نیند میں کھو گیا۔

وہ صبح اٹھا اور ناشتہ کرنے کے بعد بلدیہ کے دفاتر کی طرف چل دیا۔ اس نے بلدیہ کے دفتر سے ملازمت کے متعلق معلوم کیا تو انچارج نے بتایا کہ آج متعلقہ آفیسر دفتر نہیں آیا۔ اس لئے وہ کل معلوم کرے وہ ہال بازار سے گذرا اور گہما گہمی کے مناظر دیکھتا گیا۔

سرما کی خوشگوار ہوا دھیرے دھیرے بہہ رہی تھی۔

وہ گھر پہنچا اور اپنے کمرے میں داخل ہوا تو ملازم سے معلوم ہوا کہ مسز نواس کھانا کھا چکی ہے اور کماری ابھی سکول سے واپس نہیں لوٹی وہ کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آیا تو دو بج چکے تھے۔ گھر میں سناٹا تھا اور باہر کے گیٹ کے آس پاس بھی کوئی آدمی نظر نہ آتا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے اپنی چیزیں درست کیں اور سوٹ کیس، بیگ اور ہاکی اٹھا کر چپکے سے بڑے گیٹ سے باہر نکل گیا وہ کمپنی باغ میں پہنچ کر ایک درخت کے نیچے

ایک بنچ پر بیٹھ گیا جس کے پاس ہی بجلی کا ایک کھمبا بھی تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ یہاں رات گذار کر صبح جلد بیہ کے دفتر جائے گا۔ اسے پورا یقین تھا کہ اسے ملازمت مل جائے گی۔ کیونکہ وہ پنجاب بھر میں میٹرک میں اوّل رہا تھا جو کوئی معمولی بات نہیں شام کے قریب لوگ جوق در جوق آنے لگے حاران درخت کے پاس ٹہلتا رہا اور نوجوانوں اور بچوں کی سرگرمیاں دیکھتا رہا۔!

اس نے اپنے پاس سے گذرتے ہوئے ایک شخص سے وقت پوچھا

تو رات کے دس بج چکے تھے۔ اس نے کتاب کھولی اور پڑھنے لگا بارہ بجے کے قریب ایک ہیڈ کانسٹیبل اور کانسٹیبل ادھر آ نکلے۔ حاران پڑھتے پڑھتے ہاتھ میں کتاب تھامے اور کھمبے سے سر ٹکا کر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ کانسٹیبل نے درشتی سے کہا "کون ہو تم؟ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟" حاران جاگ پڑا۔ ہیڈ کانسٹیبل نے اس کی وضع قطع دیکھ کر کانسٹیبل سے کہا کہ وہ خاموش رہے۔ اس نے مشفقانہ انداز میں پوچھا "کیا اس شہر میں آپ کا کوئی رشتہ دار نہیں۔ حاران نے کہا کہ سارے ملک میں اس کا کوئی رشتہ دار نہیں پھر ہیڈ کانسٹیبل نے اس کا نام پوچھا اس نے کہا کہ اسے حاران احمد کہتے ہیں۔ ہیڈ کانسٹیبل نے بڑی عجلت سے کہا کہ ایک حاران احمد تو پنجاب بھر میں میٹرک میں اوّل رہا تھا۔ حاران نے کہا "جی ہاں میں وہی حاران احمد ہوں"۔ اس پر اس نے حاران کو تھپکی دی۔ پھر اس نے کہا "میرا نام فاروقی ہے۔ میں آپ کو کانسٹیبل کے ساتھ پولیس لائن بھیج دیتا ہوں آپ وہاں میرے بستر پر سو جائیں۔ کیونکہ میں تو ڈیوٹی پر ہوں"۔ "آپ وہاں حاران نے فاروقی کا شکریہ ادا کیا۔ فاروقی نے کانسٹیبل سے کہا "رشید اتم ہوٹ

کیس اٹھالو"۔ حاران کانسٹیبل کے ساتھ پولیس لائن کو چل دیا۔

صبح سویرے جب فاروقی ڈیوٹی سے واپس آیا تو اس نے حاران کو اپنے بستر پر سویا ہوا پایا۔ وہ خود ایک سپاہی کے بستر پر لیٹ گیا۔ آٹھ بجے کے قریب ڈیوٹی بدلنے پر پولیس ٹرک آیا تو فاروقی حاران کو اپنے ساتھ گھر لے گیا۔ اس نے حاران کو بیٹھک میں بٹھا دیا اور اپنے بیٹے طارق کو آواز دے کر بلایا اور حاران اور اسے آپس میں متعارف کرایا۔ ناشتہ کرنے کے بعد فاروقی نے حاران سے کہا کہ وہ ایک ضروری کام کے لئے جا رہا ہے۔ اور تقریباً ایک گھنٹے میں واپس آجائے گا۔

فاروقی سائیکل پر سوار ہو کر محمد احسن خاں کے پاس گیا اور اسے اور اس کی بیوی راشدہ کو حاران کی داستان سنائی۔ راشدہ نے حاران کی داستان سن کر احسن سے کہا کہ وہ جلد جائیں اور بچے کو لے آئیں احسن امرت سر کا مشہور وکیل اور نہایت روشن خیال، خوش اخلاق اور ہمدرد انسان تھا۔ وہ وکالت کے پیشے میں بھی نہایت بااصول تھا۔

احسن اپنی کار میں فاروقی کے گھر پہنچا اور حاران سے ملا، اسے پیار کیا اور کہا کہ وہ جلد چلے۔ کیونکہ اس کی امی اس کا انتظار کر رہی ہے۔ احسن اسے اپنی کار میں بٹھا کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ جب احسن حاران کو ساتھ لے کر گھر پہنچا تو راشدہ نے اسے گلے لگا کر پیار کیا۔ اس نے مشتاق احسن، اخلاق احسن، آفاق احسن اور چھوٹی بچی نازیہ احسن سے حاران کا تعارف کرایا۔ اور اپنے بچوں سے کہا کہ حاران ہمارا حقیقی بیٹا ہے۔ اس لئے وہ ان کا حقیقی بھائی ہے۔ حاران نے نازیہ کو گود میں اٹھا لیا اور اسے پیار کرنے لگا۔ راشدہ نے حاران کا سامان ایک چھوٹے کمرے میں رکھوا دیا اور اسے کہا کہ وہ کمرہ اس کا ہے۔ راشدہ بڑی سلیقہ شعار اور دانشمند خاتون اور ایک عالی ظرف۔ اور

شفیق ماں تھی، اس نے حاران کو عملی طور پہ ایک انتہائی مہربان ماں کی ممتا دی۔ دوسرے دن آفاق اور حاران کو ڈی۔ اے۔ وی کالج میں انٹرمیڈیٹ کے لئے داخلہ مل گیا۔ دو ہی دنوں میں آفاق حاران سے گھل مل گیا۔ احسن اور راشدہ نے حاران کو متعارف کرانے کے لئے اپنے ہاں ایک تعارفی تقریب کا انعقاد تجویز کیا اور یہ بھی طے پایا کہ موسیقی کے لئے ایک نظم حاران کی ہو گی اور دوسری نظم انگریزی زبان کی شاعرہ شیلا کی ہو گی جس کا منظوم ترجمہ حاران کرے گا۔

جب حاران کو معلوم ہوا کہ شیلا انگریزی زبان کی شاعرہ ہے تو اس نے شیلا سے ملنے کے لئے خود میں ایک بے چینی محسوس کی شام گہری ہو چکی تھی۔ حاران آفاق کے ساتھ پروفیسر ماتھر کے ہاں گیا شیلا کی ماں کملا باہر کے گیٹ پہ آئی تو حاران نے اسے خالہ جان کہہ کر سلام کیا۔ کملا نے اسے دعائیں دیں اور انہیں شیلا کے کمرے میں بٹھایا۔ پروفیسر ماتھر ایم۔ اے (فلسفہ) تھا اور بڑا خوش اطوار اور آزاد خیال آدمی تھا۔ کچھ دیر کے بعد شیلا کمرے میں داخل ہوئی شیلا اور حاران نے ایک دوسرے کو مؤدبانہ سلام کیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے دلکش خدوخال میں کھو کر رہ گئے اور مضطرب احساسات کی کئی لہریں ان کے ذہن پہ سے گذر گئیں۔ آفاق نے شیلا سے حاران کا تعارف کرایا اور اسے اپنے ہاں کی تقریب کے متعلق بتایا اور اس تقریب میں گائے جانے کے لئے اس سے ایک نظم مانگی شیلا نے کہا کہ اس کی نظم تو انگریزی میں ہو گی۔ آفاق نے بتایا کہ حاران بھیا اس کا منظوم اردو ترجمہ کر دیں گے۔ یہ سن کر شیلا نے اپنا بیاض حاران کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے ایک نظم منتخب کر لی۔ جس کا عنوان تھا: "مجھ کو ہے اب تک تمہارا انتظار"۔ شیلا فورتھ ایئر کی طالبہ تھی۔ اس کا رنگ سانولا تھا

لیکن اس کے خدوخال انتہائی دلکش تھے۔ وہ غیر معمولی طور پہ ذہین شائستہ اور علم و تہذیب کی دلدادہ تھی۔ وہ انگریزی زبان کی شاعرہ اور ترقی پسند افکار کی حامل تھی۔ وہ اپنے کالج کے مباحثوں میں باقاعدہ حصہ لیتی اور کالج یونین کے الیکشن میں کامیاب عہدہ دار تھی۔

اسی لمحے شیلا کا بڑا بھائی راج کمرے میں داخل ہوا۔ آفاق نے اس سے حاران کا تعارف کرایا۔ راج ایم۔ اے (انگلش) کا طالب علم تھا اور ایک ابھرتا ہوا سنگ تراش تھا۔ وہ بہت خاموش اور متفکر قسم کا نوجوان تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ہنس مکھ بھی تھا۔ سب شیلا کے کمرے سے اٹھ کر راج کے سٹوڈیو میں چلے آئے جہاں کئی مجسمے رکھے تھے اور ایک ادھورے مجسمے کو کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا۔ شیلا نے بتایا کہ بھیا اس مجسمے کو مکمل کر کے ایک تقریب میں اس کی نقاب کشائی کرائیں گے۔

اسی دن راشدہ رات کے وقت حاران کو لے کر احسن کے چھوٹے بھائی محمد محسن خان کے ہاں گئی اور حاران کا تعارف فرداً فرداً محسن، واجدہ، سارہ اور ایاز اور اعجاز سے کرایا۔ محسن تاجر تھا اور ایک مرنج مرنجاں اور عبادت گذار آدمی تھا۔ لیکن اس کے خیالات بہت دقیانوسی تھے وہ عورت کی جدید تعلیم اور آزادی کا بڑا مخالف تھا۔ اسی لئے اس نے سارہ کو جدید زندگی سے الگ رکھا اور اسے پرائیویٹ طور پہ ہی میٹرک کا امتحان پاس کرنے کی اجازت دی واجدہ بھی عبادت گذار اور خوش طبع خاتون تھی لیکن محسن کے برعکس وہ سارہ کو جدید زندگی اور جدید تعلیم سے متعارف کرانے کے حق میں تھی۔ سارہ بڑی ذہین اور متین لڑکی تھی اور اپنی زندگی کو ایک بلند آدرش سے ہمکنار کرنا چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی قدرت نے اسے انتہائے حسن کی نعمت سے نوازا تھا۔ لیکن پھر بھی اس میں پندارِ حسن کا شائبہ تک نہ تھا۔

راشدہ نے محسن کو بمعہ اہل و عیال اتوار کی تقریب میں شرکت کرنے کی دعوت دی، لیکن محسن نے راشدہ سے برملا کہہ دیا کہ سارہ اس تقریب میں شامل نہیں ہو گی۔ راشدہ خاموش رہی اور واجدہ سے اجازت لے کر گھر جانے کو اٹھی۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے حاران نے سارہ سے کہا کہ وہ تھوڑی دیر میں اس کے لئے ایک کتاب لے کر آئے گا۔

جب راشدہ چلی گئی تو سارہ کچھ دیر کمرے میں خاموش کھڑی رہی محسن کھڑکی کی جانب منہ کر کے کرسی پر بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا اور واجدہ باورچی خانے میں تھی۔ سارہ انتہائی طیش کے عالم میں تھی اور غصے میں پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ اس دوران میں حاران کتاب لئے کچھ سیڑھیاں چڑھ چکا تھا۔ لیکن سارہ کی آواز سن کر وہیں ٹھہر گیا۔ سارہ نے اپنے غصے پر قابو پا کر محسن سے کہنا شروع کیا۔ "آپ مجھے جدید معاشرے سے الگ کر کے اس چار دیواری میں اس لئے رکھنا چاہتے ہیں کہ آپ میری عصمت کی حفاظت کر سکیں لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کوئی مرد ایک عورت کو چار دیواری میں رکھ کر اس کی عصمت کی حفاظت نہیں کر سکتا تا وقتیکہ خود عورت کو اپنی عصمت کی حفاظت کرنے کا پورا پورا شعور حاصل نہ ہو۔ یہ چار دیواری میری حفاظت نہیں کر سکتی کیونکہ اسی چار دیواری میں سینکڑوں مرد ہزاروں عورتوں سے عصمت فروشی کراتے ہیں۔ صرف عورت ہی زندگی کا کامل شعور حاصل کر کے اپنی عصمت کی حفاظت کر سکتی ہے"۔ سارہ یہ الفاظ کہتے ہوئے جوش کے عالم میں کمرے میں ٹہل رہی تھی اور حاران سیڑھیوں میں کھڑا سارہ کی تمام گفتگو سن رہا تھا۔ اس نے پھر کہنا شروع کیا۔ "یہ مرد ہیں جنہوں نے دنیا کی لاکھوں عورتوں کو بازار میں عصمت فروشی پر مجبور کر رکھا ہے۔ اگر بیٹی کو زندگی کا شعور کامل نہیں تو باپ اسے چار دیواری میں رکھ کر اس کی عصمت کی حفاظت نہیں کر سکتا اور زندگی کے شعور کامل کا حصول اعلیٰ تعلیم کے بغیر ناممکن ہے آپ

کو معلوم ہونا چاہیئے کہ گناہ کو ہزاروں خفیہ راستے جاتے ہیں۔ میں کل کالج میں داخلہ لوں گی اور اتوار کو تقریب میں بھی جاؤں گی۔ اگر آپ نے مجھے جدید زندگی اور جدید علوم سے محروم رکھنے کی کوشش کی تو میں چچا احسن کے ہاں چلی جاؤں گی وہاں حاران جیسے لائق نوجوان کی قربت بھی حاصل ہو گی"۔ سارہ اپنے کمرے میں جا کر پلنگ پر گر پڑی اور سسکیاں بھرنے لگی۔ گھر میں ایک ہولناک سناٹا چھایا تھا۔ واجدہ محسن کے کمرے میں خاموش اور مغموم کھڑی تھی۔ حاران چپکے سے سیڑھیاں اتر کر اپنے گھر کو چل دیا۔ دراصل سارہ کی باتیں محسن پر گہرا اثر کر چکی تھیں اور اسے سارہ کے شعورِ زندگی پر کامل اعتماد پیدا ہو گیا تھا وہ کرسی سے اٹھ کر سارہ کے کمرے میں گیا اور اس کے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے کہنے لگا: "سارہ بیٹی! تم کالج میں داخلہ لے سکتی ہو اور ہر تقریب میں شرکت کر سکتی ہو"۔ سارہ آنسو پونچھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور محسن کے پاؤں چھونے کیلئے جھک گئی۔ محسن نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر اوپر اٹھایا۔ اور سینے سے لگا کر پیار کیا۔ سارہ مسکرانے لگی۔ محسن نماز کے لئے اپنے کمرے میں چلا گیا اور سارہ باورچی خانے میں جا کر واجدہ سے لپٹ گئی۔ اس نے سارہ کی پیشانی کو چوما اور اسے پیار کیا۔

سارہ نے ہاتھ منہ دھو کر کپڑے تبدیل کئے اور واجدہ سے کہنے لگی کہ وہ تھوڑے وقت کے لئے چچا جان کے ہاں جا رہی ہے۔ سارہ مسکراتی ہوئی حاران کے کمرے میں گئی تو وہ چارپائی پر مغموم بیٹھا تھا۔ وہ سارہ کو بشاش دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ سارہ نے اسے بتایا کہ ڈیڈی نے اسے کالج میں داخلہ لینے اور ہر تقریب میں جانے کی اجازت دے دی ہے اس لئے کل وہ اور آفاق اس کے ساتھ چلیں تا کہ وہ گورنمنٹ کالج میں داخلہ لے سکے حاران نے سارہ کو مبارک باد دی اور اسے ساتھ لے کر راشدہ کے پاس آ کر کہنے لگا: "امی جان! سارہ نے اپنی قوتِ بیان سے مفذمہ جیت لیا ہے، اب

وہ کالج میں داخلہ لے سکتی ہیں اور ہر تقریب میں شرکت کر سکتی ہیں۔ کل میں اور آفاق ان کے ساتھ کالج میں داخلہ کے لئے گورنمنٹ کالج جا رہے ہیں"۔ راشدہ نے خوشی کے عالم میں سارہ کو سینے سے لگا کر پیار کیا اور کہا کہ وہ حاران کے کمرے میں بیٹھے وہ اس کا منہ میٹھا کراتی ہے۔

دوسرے دن سارہ کو گورنمنٹ کالج میں داخلہ مل گیا اور اس نے باقاعدہ کالج جانا شروع کر دیا۔ وہ پڑھائی میں ہمہ تن مشغول ہو گئی لیکن ٹینس بھی باقاعدہ کھیلتی رہی اور گھریلو کاموں میں ماں کا ہاتھ بٹاتی رہی، وہ نہایت سادہ پسند اور ہوش مند لڑکی تھی اور کسی قسم کا بناؤ سنگار نہ کرتی، اس نے کالج یونین کے الیکشن میں بھرپور حصہ لیا اور سیکرٹری جنرل بن گئی۔

جمعہ کی رات کو احسن اور راشدہ اپنے کمرے میں بیٹھے تھے تو راشدہ نے احسن سے کہا کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو حاران کو روپے پیسے کے معاملے میں آزما کر دیکھ لیا جائے۔ کیونکہ روپیہ اپنے اندر ایک خاص کشش رکھتا ہے اور انسان کے کردار کی اچھائی یا برائی کو اجاگر کر دیتا ہے۔ احسن نے کہا کہ وہ یہ آزمائش بھی کر کے دیکھ لے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ راشدہ نے اٹھ کر اپنی الماری سے ایک بٹوا نکالا اور اس میں پچاس روپے رکھ کر بیٹھک میں پڑی ہوئی دو کرسیوں کے درمیان پھینک دیا۔ کیونکہ ان کرسیوں کے پیچھے دیوار میں ایک الماری تھی جس میں احسن کی کتابیں پڑی تھیں اور حاران عموماً اس الماری سے کتابیں نکالا کرتا تھا۔

صبح ناشتے کے فوراً بعد حاران ایک کتاب رکھنے کے لئے الماری کے پاس گیا تو اسے دو کرسیوں کے درمیان پڑا ہوا ایک بٹوا دکھائی دیا۔ اس نے بٹوے کو کھول کر دیکھا تو اس میں پچاس روپے تھے۔ اس نے فوراً راشدہ کے پاس جا کر کہا۔ "امی جان! ڈرائنگ روم سے مجھے یہ بٹوا ملا ہے جس میں پچاس روپے ہیں"۔ اس نے بٹوا راشدہ کو دے دیا۔

راشدہ نے کہا "بیٹا! بیس تیس روپے لے لو" اس پر حاران نے کہا "نہیں امی جان میں ایک روپیہ بھی نہیں لوں گا۔ کیونکہ مجھے ضرورت کی ہر چیز گھر سے مل جاتی ہے اور پھر زیادہ روپوں کی موجودگی ایک طالب علم کے کردار پر برا اثر بھی ڈال سکتی ہے" یہ کہہ کر حاران اپنے کمرے کی جانب چلا گیا۔ احسن نے راشدہ کو اپنے کمرے میں لے جا کر کہا کہ یہ لڑکا غیر معمولی کردار رکھتا ہے۔ راشدہ نے جواباً کہا کہ واقعی وہ ٹھیک کہتے ہیں، ایسے بچے کا مل جانا ان کی خوش قسمتی ہے۔ پھر راشدہ باورچی خانے کو چل دی۔

یہ اتوار کی ایک خوشگوار شام تھی مغربی افق پر شفق کے رنگ بکھرے تھے اور ہوا میں نرم خرامی اور سرمستی تھی احسن احمد خاں کے ہاں حاران کے تعارف کی تقریب تھی لان میں ایک تخت پوش پر سفید چادر بچھا کر سٹیج بنایا گیا تھا۔ جس کے سامنے کرسیوں پر گنیش سٹریٹ کے تمام باسی بیٹھے تھے۔

احسن نے سٹیج کے پاس آ کر کہا "معزز خواتین و حضرات! میں حاران احمد کو آپ سے متعارف کرانا چاہتا ہوں جسے میں نے اور راشدہ نے اپنے چھوٹے بیٹے کی حیثیت سے اپنایا ہے حاران انتہائی محنتی اور نیک کردار طالب علم ہے اور اس نے حال ہی میں میٹرک میں پنجاب بھر میں ٹاپ کیا ہے جو کوئی اتنی معمولی بات نہیں میں حاران سے کہوں گا کہ وہ حاضرین سے مخاطب ہو کر کچھ الفاظ کہے"۔

احسن اگلی قطار میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ حاران نے سٹیج کے پاس آ کر کہا: معزز خواتین و حضرات! میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ حالات کی لہریں مجھے گنیش سٹریٹ میں لے آئیں جہاں مجھے ڈیڈی، امی اور بہن بھائی بھی ملے اور آپ جیسے روشن خیال، بے لوث اور ہمدرد انسانوں کی ہمسائیگی بھی نصیب ہوئی میں تو ایک معمولی سا طالب علم ہوں جو مسلسل اس کوشش میں ہے کہ خود کو معاشرے کے لئے ایک انتہائی کارآمد فرد کے روپ میں ڈھالے، کامیابی یا نمایاں کامیابی کوئی معجزہ نہیں بلکہ انتھک اور مسلسل محنت اور سخت کوشش کا نتیجہ ہوتی

ہے۔میرا آدرش یہ ہے کہ میں سماج کے لئے سراپا ایثار بنوں کیونکہ ایثار کی فراوانی ہی قوموں کو اوجِ ثریا تک پہنچاتی ہے اور ایثار کا فقدان قوموں کے انحطاط کا باعث بنتا ہے۔ میں آپ کا تہہ دل سے مشکور ہوں کہ آپ نے اس تقریب میں آنے کی زحمت گوارا فرمائی اور میری عزت افزائی کی۔" حاضرین نے مسلسل تالیاں بجائیں اور حاران اپنی نشست کی جانب بڑھا۔ حاران کے فوراً بعد کرنل رمیش اظہار خیال کے لئے سٹیج کے پاس آیا۔ اس نے کہا: "خواتین و حضرات! ہم حاران جیسا بیٹا مل جانے پر جناب احسن احمد خاں اور ان کی بیگم صاحبہ کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ لیکن حاران گنیش سٹریٹ کے تمام گھرانوں کا بیٹا بھی ہے، اس لئے ہم بھی قابلِ مبارکباد ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حاران اپنے ہم عمر لڑکوں سے کہیں زیادہ بلکہ غیر معمولی طور پر ذہین ہے، ہماری پرارتھنا ہے کہ پرمیشور حاران کو اپنا آدرش پورا کرنے کی توفیق دے۔" حاضرین نے پُرزور تالیاں بجائیں اور کرنل رمیش اپنی نشست کی طرف بڑھا۔

احسن نے اٹھ کر کہا: "اب میوزک ماسٹر حفیظ دو نظمیں پیش کریں گے، پہلی نظم حاران کی ہے اور دوسری نظم شیلا بیٹی کی ہے جس کا منظوم اُردو ترجمہ حاران نے کیا ہے۔" حفیظ نے حاران کی نظم "بھولی ہوئی محبت" پیش کی۔ حاضرین نے پرزور تالیاں بجائیں۔ اس کے بعد حفیظ شیلا کی نظم "مجھ کو ہے اب تک تمہارا انتظار" گانے لگا۔ گانا ختم ہونے پر حاضرین نے مسلسل تالیاں بجائیں۔ حاران نے دیکھا کہ اپنی ہی نظم سے متاثر ہو کر شیلا کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے ہیں اور وہ مغموم ہو گئی ہے۔ سب جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

آج کالج میں حاران کا پہلا دن تھا۔ کالج کے احاطے میں لڑکے چھوٹے چھوٹے گروپوں میں کھڑے تھے۔ حاران بھی آفاق، سریندر اور کنور کے ساتھ کھڑا تھا۔ کالج کے لان میں یکدم ہنگامہ ہو گیا۔ حاران ادھر کو بڑھا۔ اس کے پیچھے آفاق، سریندر اور کنور بھی بھاگے۔ ایک لڑکا لان کی جانب سے بھاگا ہوا آرہا تھا۔ حاران نے اس سے

پوچھا کہ یہ ہنگامہ کیسا ہے۔ لڑکے نے بتایا کہ تھرڈ ائیر کا ایک لڑکا جیراج فرسٹ ائیر کے ایک لڑکے پرکاش کو پیٹ رہا ہے۔ یہ سن کر حاران لان کی جانب بھاگا۔ جب وہ موقع پر پہنچا تو جیراج پرکاش کو مکوں سے پیٹ رہا تھا اور تمام لڑکے اردگرد کھڑے دیکھ رہے تھے۔

حاران نے چشم زدن میں جیراج کا اٹھا ہوا ہاتھ پکڑ کر اس کے منہ پر اس زور سے مکا مارا کہ وہ گر پڑا۔ لیکن وہ فوراً ہی اٹھ کر غضب ناک انداز میں حاران کی طرف بڑھا۔ حاران نے دونوں ہاتھوں سے مکا بنا کر اس کے سر پر وار کیا۔ وہ پھر چکرا کر گرا۔ اس نے پھر اٹھ کر حاران پر مکے سے وار کیا۔ لیکن حاران نے سنبھل کر اس پر مکوں کی بوچھاڑ کر دی۔ سب لڑکے تالیاں بجانے لگے۔ دو لڑکوں نے انہیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔ تمام لڑکے اپنی کلاسوں کی جانب جاتے ہوئے حاران کے متعلق چہ میگوئیاں کر رہے تھے اور رہ رہ کر اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ حاران پرکاش کے کندھے پر ہاتھ رکھے اس سے باتیں کرتا جا رہا تھا۔ آفاق، سریندر اور کنور اس کے پیچھے چلے آرہے تھے۔ اس طرح پہلے دن ہی حاران کی جسمانی قوت اور جرأت کی دھاک بیٹھ گئی۔

حاران نے تین مہینوں میں اپنی سادگی، رفیقانہ رویّہ، دوسروں کے احترام، خود اعتمادی اور مطالعہ میں غیر معمولی استغراق کی بنا پر گھر میں اپنے ہمسایوں میں اور کالج میں سب کے دل موہ لئے۔ اس کے کردار کی ایک خصوصیت یہ بھی کہ اس پر دوسروں کی تحسین و تعریف کا مثبت اثر ہوتا اور وہ اَور زیادہ محنت اور تن دہی سے کام کرتا۔ حاران کی باقاعدگی حیرت انگیز تھی وہ سائیکل پر باقاعدہ کالج جاتا، ٹاؤن ہال کے ریڈنگ روم میں اخباروں اور رسالوں کا مطالعہ کرتا، ہاکی کھیلتا اور رات کو بارہ بجے تک مطالعہ کرتا۔ کبھی کبھی شام کو وہ شیلا کے ہاں چلا جاتا یا شیلا اس کے ہاں آجاتی۔ اس نے احسن کی لائبریری سے بھی بہت استفادہ کیا اور ادب، آرٹ، فلسفہ، سیاسیات، نفسیات، کئی جدید علوم اور کمیونزم پر کئی اہم کتابیں پڑھ ڈالیں،

انوار کوڈی۔ اے۔ وی کالج کی دو ہاکی ٹیموں میں میچ ہوا ایک ٹیم کا کپتان غفار تھا حاران اپنی ٹیم کا کپتان تھا۔ مقابلہ بڑا سخت ہوا لیکن حاران کی ٹیم جیت گئی لڑکوں نے حاران کو کندھوں پر اٹھا لیا۔ جب تمام لڑکے کالج کی بلڈنگ کے پاس پہنچے تو حاران نے برآمدے میں کھڑے ہو کر لڑکوں سے خطاب کیا اور کہا "کپتان اپنی جگہ پر ایک حیثیت ضرور رکھتا ہے لیکن ٹیم کی کامیابی ایک فرد کی وجہ سے نہیں ہوتی، بلکہ ٹیم کے سارے افراد کی کارکردگی کا نتیجہ ہوتی ہے ہمیں اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کیونکہ یہ اجتماعی روح ہے جو ٹیم کو باہم مربوط رکھتی ہے، جب ٹیم کے افراد خود کو فرداً فرداً زیادہ اہم سمجھنے لگتے ہیں تو ٹیم کی اجتماعی روح ختم ہو جاتی ہے اس لئے ہماری جیت ہماری ٹیم کی مجموعی کارکردگی کا نتیجہ ہے۔" لڑکوں پر ان الفاظ کا گہرا اثر ہوا۔ حاران برآمدے سے اتر کر لڑکوں میں آ گیا اور سب گیٹ سے باہر نکل گئے۔

یہ موسم گرما کی ایک خوشگوار شام تھی۔ آسمان پر بھورے بادل چھائے ہوئے تھے ہوا کے تیز جھونکوں سے لان کے درختوں پر ایک سرسراہٹ تھی۔ آفاق، پرکاش، سریندر اور کنور حاران کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ حاران نے کہا "طاقت کا مقابلہ طاقت سے کیا جا سکتا ہے اور تشدد کو صرف تشدد ہی سے ختم کیا جا سکتا ہے ہمیں طاقتور اور جرأت مند بننا ہو گا اس لئے ہم پرسوں سے جسمانی ورزش کا پروگرام شروع کر رہے ہیں کل ہمیں کالج سے چھٹیاں ہونے والی ہیں، ان چھٹیوں کے دوران ہم اپنا پروگرام مکمل کر لیں گے اچھا! اب میں آپ حضرات کے سامنے ایک انتہائی اہم مسئلہ پیش کر رہا ہوں، انسانی زندگی کا آدرش معاشرے کو بدلنا اور اسے مسلسل بہتر خطوط پر تشکیل دینا ہے اس لئے ہمیں مخلص اور فرض شناس طالب علموں کی مسلسل تلاش جاری رکھنا چاہیئے تاکہ ایک سٹڈی سرکل قائم کیا جا سکے جس کے ذریعے ہم ایسے باشعور نوجوان کارکن تیار کر سکیں جو عوام میں سیاسی شعور کے ساتھ ساتھ طبقاتی شعور بھی پیدا کر سکیں۔" سب نے اس سلسلے میں بھرپور کوشش کا وعدہ کیا۔

یہ ایک اجلی شام تھی۔ حاران شیلا کے ہاں گیا۔ شیلا نے باہر کے گیٹ پر

اس کا خیر مقدم کیا اور اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔ حاران نے کہا "کامریڈ شیلا! ایک سٹڈی سرکل کے قیام کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" شیلا "خیال" کہہ کر خوب ہنسی اور کہنے لگی "کامریڈ! ہمارے سٹڈی سرکل نے تو کام کرنا بھی شروع کر دیا ہے۔" حاران یہ سن کر دنگ رہ گیا اور کہنے لگا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سبقت لے گئیں شیلا نے مسکراتے ہوئے کہا کہ کل وہ کالج میں وقفہ کے دوران لائبریری کے پاس آ جائیں وہ اسے اپنی چار ساتھی لڑکیوں سے ملائے گی۔ حاران نے کہا کہ وہ ضرور آئے گا پھر شیلا چائے لانے کے لئے کمرے سے باہر چلی گئی۔ جب شیلا حاران کے پاس ہوتی تو اس پر ایک عجب سرخوش کیفیت طاری ہو جاتی شیلا چائے لے کر مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور چائے بنانے لگی۔ چائے پیتے ہوئے وہ کالج کی سرگرمیوں پر گفتگو کرتے رہے۔ حاران نے جانے سے پہلے کہا کہ وہ خالہ جان سے تو مل لے شیلا اسے ساتھ لے کر باورچی خانے کی طرف گئی اور کہنے لگی "ماتا جی! حاران آئے ہیں!" "خالہ جان! آداب اسنت" حاران کے جھک کر سلام کہا کملا نے دعائیں دیں اور اسے پیار کیا۔ شیلا حاران کو باہر کے گیٹ تک چھوڑنے گئی۔

شیلا واپس اپنے کمرے میں آئی تو نامعلوم طور پر بہت خوش تھی وہ بڑی عجلت سے اپنی ماں کے پاس آئی اور "ماتا جی" کہہ کر اس سے لپٹ گئی، اس نے تعجب سے شیلا کی طرف دیکھ کر کہا کہ وہ اتنی خوش کیوں ہے۔ یہ سن کر شیلا کو احساس ہوا اور وہ سنبھل کر کہنے لگی "نہیں ماتا جی! میں خوش تو نہیں ہوں۔ بس آپ کو دیکھ کر کچھ عجیب سا اثر ہو گیا تھا۔" کملا نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ شیلا پھر کملا سے لپٹ کر پیشانی کو چوما اور اسے پیار کیا۔ شیلا اپنے کمرے میں آ کر اپنی میز کے آگے بیٹھ گئی اور کتاب اٹھا کر پڑھنے لگی لیکن یکدم اسے اپنے تصور میں حاران مسکراتا ہوا نظر آیا وہ کتاب کو ایک طرف رکھ کر نظم لکھنے میں کھو گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

دوسرے دن کالج میں وقفہ کے دوران جب حاران لائبریری کی طرف جا رہا تھا تو ایک طرف سے ملا اپنی سہیلی راحیلہ کے ساتھ نمودار ہوئی۔ اور دوسری طرف

سے راجندر آ رہا تھا۔ پہلے حارانؔ راجندر کو آداب کہہ کر گذر گیا پھر راجندر نے راحیلہ کو آداب کہا حاران لائبریری کے پاس پہنچ کر شیلا سے ملا۔ اس کے ساتھ ہربنس کور، نیلم، رتنا اور رشیا ماتھر کھڑی تھیں، آداب کہنے کے بعد شیلا نے حاران سے ان کا تعارف کرایا۔ حاران نے کہا کہ ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی، کبھی تفصیلی ملاقات بھی ہو گی۔ حاران آداب کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ اس کے جانے کے بعد نیلم نے کہا کہ کتنا خوبصورت نوجوان ہے اس پر رتنا نے اضافہ کیا وہ صرف خوبصورت ہی نہیں غیر معمولی طور پر ذہین بھی ہے چاروں ہنسنے لگیں، لیکن شیلا مسکرا کر رہ گئی۔

شام کی شفق کے رنگ بادلوں میں گھل گئے تھے۔ کرنل رمیش کا بیٹا راجندر اور اس کی بیٹی بملا دونوں لان میں بیٹھے تھے۔ شام کی نرم خرام ہوا بملا کی لٹوں سے کھیل رہی تھی۔ کرنل رمیش ایک خوش باش آدمی تھا وہ سیر و تفریح اور شکار کا بڑا دلدادہ تھا اور اپنی جسمانی خوبصورتی پر اترانے کی حد تک نازاں تھا وہ ایک ہمدرد انسان تھا اور دوسروں کا احترام کرنا خوب جانتا تھا۔ راجندر ایم۔ ایس سی کا طالب علم تھا اور باپ کی طرح خوش باش اور رنگین مزاج واقع ہوا ہے وہ کرکٹ کا کھلاڑی تھا بملا بی۔ اے (فائنل) کی طالبہ تھی اور نہایت خوبصورت سلجھی ہوئی اور چست ذہنی مند لڑکی تھی۔

راجندر نے بملا سے پوچھا کہ کل اس کے ساتھ جو اس کی سہیلی تھی اس کا نام کیا ہے۔ بملا نے کہا: "اس کا نام راحیلہ ہے کیوں کیا بات ہے؟" راجندر نے کہا کہ کوئی خاص بات تو نہیں بس وہ یوں ہی پوچھ رہا تھا۔ بملا نے کہا: "میں سمجھ گئی ہوں، تمہیں معلوم ہے کہ وہ ایم اے انگلش ہے، اب پی۔ ٹی کی تیاری کر رہی ہے اور بہت امیر باپ کی بیٹی ہے وہ تمہیں گھاس نہیں ڈالے گی۔" راجندر نے کہا "نہیں ڈالے گی؟" "بالکل نہیں" بملا نے جواب دیا۔ راجندر نے کہا کہ اگر گھاس نہیں تو باجرا تو ڈال ہی دے گی۔ بملا نے کہا: "نہیں، وہ بھی نہیں" راجندر نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا "چلو چھٹی ہوئی" اور برآمدے کی جانب چل دیا۔

گہری شام کو شیلا احسن کے ہاں آئی اور راشدہ کو آداب کہا۔ راشدہ نے شیلا کو دعائیں دیں اور پیار کیا۔ پھر وہ حاران کے کمرے میں آئی اور اسے کہا کہ ہفتے کی سہ پہر کو اس کے کالج میں لڑکیوں کا مباحثہ ہے موضوع ہے: "مرد عورت پر فوقیت رکھتا ہے" شیلا یہ کہہ کر جانے کو اٹھی کہ اسے مباحثہ کے لئے موضوع پر بہت کچھ پڑھنا اور سوچنا ہے۔ حاران نے کہا کہ اسے چائے کے لئے ٹھہرنا ہوگا۔ وہ خود باورچی خانے میں گیا راشدہ نے اسے دیکھ کر کہا کہ چائے تیار ہے وہ ابھی لاتی ہے۔ حاران نے کہا: "نہیں امی جان! میں خود لے جاتا ہوں۔" وہ چائے کا ٹرے اٹھانے لگا تو راشدہ اس کے بشاش چہرے کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور اسے پیار کیا۔ حاران ٹرے اٹھا کر لے گیا حاران نے چائے پیتے ہوئے شیلا سے کہا کہ اسے یقین ہے کہ وہ جیت جائیں گی کیونکہ ان کے دلائل بہت مضبوط ہوں گے۔ شیلا نے مسکراتے ہوئے کہا: "دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک۔" دونوں ہنسنے لگے۔

سارہ کو گورنمنٹ کالج میں انٹرمیڈیٹ میں داخلہ مل جانے کے بعد حاران نے سوچا کہ اب اسے پڑھائی میں سارہ کی پوری طرح رہنمائی کرنا چاہیئے۔ اس خیال کے پیش نظر وہ سارہ کو باقاعدہ کتابیں دیتا رہا اور سرانوار کو اسے دو گھنٹے پڑھاتا رہا وہ اس کے ہاں آجاتی، اس توجہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارہ چار مہینوں میں بہت کچھ سیکھ گئی اور اپنی رہنمائی خود بھی کرنے لگی ایک انوار کو سارہ نے حاران سے کہا کہ وہ اس کی اعانت کے لئے اس کی بہت مشکور ہے حاران نے کہا "نہیں سارہ! اس میں مشکور ہونے کی کوئی بات نہیں۔ میں تو اپنا فرض ادا کر رہا ہوں جو مجھ پر اخلاقی طور پر عائد ہوتا ہے" حاران کے یہ الفاظ سن کر سارہ میں بے پناہ اعتماد پیدا ہوا۔

جمعہ کی سہ پہر کو حاران، آفاق پرکاش، سریندر اور کنور کسی کام کے لئے ہال بازار کی طرف گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ کوتوالی کی طرف سے خلافت کمیٹی کا ایک جلوس آ رہا تھا۔ بینروں پر مختلف نعرے لکھے تھے: "ترکی پر برطانوی سامراج کا حملہ شرمناک ہے۔" "ترکی کی جدوجہد آزادی زندہ باد" "ہندوستان کے مسلمان اپنے

ترک بھائیوں کے ساتھ ہیں"۔ یہ جلوس ہزاروں لوگوں پر مشتمل تھا۔ پھر ایک آدمی نے اونچی آواز میں کہا: "نعرۂ تکبیر"۔ جلوس میں شامل سب لوگوں نے کہا "اللہ اکبر"۔ حاران اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک بند دکان کے تھڑے پر چڑھ گیا اور وہاں سے جلوس کا نظارہ کرنے لگا کیونکہ تمام مسلمان دکان داروں نے ہڑتال کر رکھی تھی۔ جب جلوس گذر گیا تو وہ کوتوالی کو چل دیئے۔

ہفتہ کی سہ پہر کو کالج ہال میں بڑی چہل پہل تھی۔ طلبا اور طالبات مباحثہ کے انتظامات میں مصروف تھے۔ ہال کے دروازے پر ایک بینر پر لکھا تھا۔

آج سہ پہر کو ایک مباحثہ ہوگا۔
موضوع: "مرد عورت پر فوقیت رکھتا ہے"
فریقِ موافق کی لیڈر: مس شمیم
فریقِ مخالف کی لیڈر: مس شیلا۔

جب حاران ہال میں داخل ہوا تو ہال میں طلبا اور طالبات کا بڑا ہجوم تھا اور بہت سی طالبات موافقت اور مخالفت میں دلائل پیش کر چکی تھیں۔ اب فریقِ موافق کی لیڈر مس شمیم سٹیج پر آئی تھی۔ مس شمیم نے کہا: "صاحبِ صدر! فریقِ مخالف کے دلائل بالکل بے بنیاد ہیں انسانی تاریخ مرد کی فوقیت پر گواہی دیتی ہے مردوں نے بڑی بڑی جنگیں لڑیں، سماج کی ساری کی ساری تعمیر مردوں ہی کے ہاتھوں پروان چڑھی ہے عورت ہمیشہ گھر کی چار دیواری میں رہی ہے۔ سماج کے بنانے اور بگاڑنے میں مرد ہی پیش پیش رہے ہیں۔ اس لئے مرد عورت پر فوقیت رکھتا ہے وہ جسمانی اور ذہنی لحاظ سے بھی عورت سے بہت آگے ہے مرد عورت کا محافظ ہے۔ مرد کے بغیر عورت خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتی۔ اس لئے ہر حالت میں مرد عورت پر فوقیت رکھتا ہے۔ میں انہیں الفاظ پر اپنا بیان ختم کرتی ہوں۔" شمیم سٹیج سے اتر گئی۔

شیلا سٹیج پر آئی اور اس نے کہا: "صاحبِ صدر، فریقِ موافق کی لیڈر نے

غلط بیانی سے کام لیا ہے انسانی تاریخ مرد کی فوقیت پر گواہی نہیں دیتی بلکہ مرد کی مکاری، خود غرضی اور عورت پر اس کے ظلم و تشدد پر گواہی دیتی ہے کہ کس طرح اس نے ایک طرف اپنی ہوس رانی کے لئے عورت کو باہر کی دنیا سے الگ کر کے اور علم و ہنر سے محروم رکھ کر گھر کی چار دیواری میں محبوس کر دیا اور دوسری طرف اس نے قحبہ گری کے لئے عورت کو بازار میں لا بٹھایا اس طرح مرد نے عورت کو گھر میں جنس کی ایک علامت اور بازار میں ایک بکاؤ مال بنا دیا یوں مرد نے اپنے جبر و تشدد اور ہوس و خود غرضی سے عورت پر جو فوقیت حاصل کی ہے۔ **وہ سراسر غیر انسانی، غیر اخلاقی** اور جابرانہ فوقیت ہے۔" ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ شیلا نے اپنا بیان پھر شروع کیا،

"صاحبِ صدر! اگر عورت نے سماج کے امور میں نمایاں حصہ نہیں لیا تو اس کا سبب عورت پر مرد کی فوقیت نہیں۔ بلکہ اس کا سبب مرد کا جبر و استحصال ہے کہ اس نے عورت یعنی نصف انسانیت کو اپنی جنسی ہوس کا شکار بننے تک محدود کر دیا۔ فریقِ موافق کی لیڈر کا یہ کہنا بھی تاریخی حقائق کے خلاف ہے کہ عورت نے سماج کی تعمیر میں حصہ نہیں لیا۔ صرف ہندوستان کی نوے فی صد عورتیں دیہات میں بے پردہ محنت و مشقت کرتی ہیں شہروں کی دس فی صد عورتوں کو گھر کی چار دیواری میں رکھنے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بھی چار فی صد عورتیں بے پردہ ہیں اور سماجی سرگرمیوں میں حصہ لیتی ہیں۔" ہال پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔ شیلا نے اپنا بیان پھر شروع کیا: "صاحبِ صدر! فریقِ موافق کی لیڈر کے آخری دلائل بھی نہایت غیر عقلی اور کھوکھلے ہیں مرد جسمانی اور ذہنی طور پر عورت سے اس لئے آگے ہے کہ وہ سماج کا ایک آزاد فرد رہا ہے۔ جب کہ عورت سماج کی ایک مجبور فرد رہی ہے مانتی ہوں کہ مرد کے مقابلے میں عورت جسمانی طور پر اس لئے ضرور پابند ہے کہ اسے بچہ پیدا کرنے کا حیاتیاتی وظیفہ ادا کرنا پڑتا ہے لیکن وہ ذہنی لحاظ سے مرد کی ہمسر ہے آخر میں میں کہوں گی کہ عورت زندگی کے پختہ شعور کی بنا پر اپنی حفاظت خود ہی کر سکتی ہے مرد کو عورت کا محافظ گرداننا تاریخی حقائق کا سراسر انکار ہے۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ بڑے بڑے بادشاہ، امراء اور رؤسا، عورت کی عصمت کے لٹیرے رہے

ہیں اور آج تمام دنیا میں مردوں ہی نے ہزاروں عورتوں کو قحبہ گری پر مجبور کر رکھا ہے عورت مرد کی ہمسر ایک آزاد فرد ہے اور اس سے بھی بڑھ کر عورت ایک ماں ہے جو مردوں کو جنم دیتی ہے۔ اس لئے عورت ہی مرد پر فوقیت اور فضیلت رکھتی ہے میں انہی الفاظ پر اپنا بیان ختم کرتی ہوں۔" شیلا اسٹیج سے اتری تو ہال پرزور اور مسلسل تالیوں سے گونج اٹھا پرنسپل اپنے ساتھی ججوں سے مشورہ کر کے اٹھا۔ اس نے کہا "اس مباحثے میں فریقِ مخالف جیت گیا ہے اس لئے انعام مس شیلا کو دیا جاتا ہے۔" شیلا نے اسٹیج پر آکر ٹرافی وصول کی اور پرنسپل کا شکریہ ادا کیا اس کے بعد سب جانے کے لیے اٹھے ہال سے باہر احسن، راشدہ، حاران اور سارہ نے شیلا کو مبارکباد دی۔

حاران گھر پہنچ کر اپنے کمرے میں داخل ہوا تو اسی لمحے نازیہ پلیٹ میں تھوڑی سی مٹھائی لے کر آئی اور کہنے لگی کہ یہ مٹھائی امی نے بھیجی ہے، حاران نے پوچھا کہ یہ مٹھائی کیسی ہے تو نازیہ نے جواب دیا: "اجی آپ کو معلوم نہیں کہ شیلا باجی کی فتح ہوئی ہے حاران نے کہا "اچھا تو یہ بات ہے۔" اس نے نازیہ کو گود میں اٹھا کر پیار کیا اور پوچھا کہ آیا اسے شیلا باجی اچھی لگتی ہے۔ نازیہ نے کہا کہ اچھی لگتی ہے اور امی کو تو بہت اچھی لگتی ہے اس پر حاران ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گیا اور اسے گود میں اٹھا کر باورچی خانے کی طرف لے گیا۔ حاران تعجب کے عالم میں راشدہ سے کہنے لگا "امی جان! نازیہ تو بڑوں کی طرح جواب دیتی ہے۔" نازیہ فوراً بولی: "تو کیا آپ مجھے چھوٹی سمجھتے ہیں میں دوسری جماعت کی سٹوڈنٹ ہوں۔" اس پر راشدہ اور حاران خوب ہنسے۔

سیکنڈ ایئر کے طالب علم کپور کے ہاں ایک سٹڈی سرکل کے قیام کے لیے لڑکے جمع تھے جن میں حاران، امجد کپور، اجیت، سندر، آفاق سربندر اور کنور شامل تھے کپور نے حاران سے کہا کہ انہیں اس سٹڈی سرکل کا ایک مخصوص نام رکھنا چاہیئے، حاران نے کہا کہ وہ اس کا نام ہندوستانی انقلابی ایسوسی ایشن رکھ لیں تو زیادہ اچھا ہے، سب نے اس نام کو سراہا۔ پھر سربندر نے حاران سے کہا

کہ سب سے پہلے وہ اس ایسوسی ایشن کے قیام کا مقصد بتائیں۔ گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے حاران نے کہا "خلوص سے مل بیٹھنا خوش قسمتی ہے لیکن ایک عظیم نصب العین کے لئے خلوص کے ساتھ مل بیٹھنا بہت ہی بڑی خوش قسمتی ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ہم دوہری غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ برطانوی سامراج کی غلامی اور مقامی جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی غلامی، اس لئے ہمیں نہ صرف برطانوی سامراج سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے بلکہ اپنے ہاں کے استحصالی سماجی نظام کو ختم کر کے ایک لاطبقاتی معاشرہ قائم کرنا ہے۔ لاطبقاتی معاشرے میں استحصالی طبقے کا وجود باقی نہیں رہتا اور ملک کے تمام ذرائع پیداوار پر محنت کش عوام کا قبضہ ہوتا ہے اس عظیم نصب العین کے لئے نظریاتی تعلیم کی ضرورت ہے۔ اس لئے اس ایسوسی ایشن کا مقصد نظریاتی تعلیم مہیا کرنا ہے تاکہ ہماری نوجوان نسل سیاسی شعور کے ساتھ طبقاتی شعور سے بھی لیس ہو سکے۔" حاران اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

آفاق نے کہا: "حاران بھیا! ویسے تو ہم آہستہ آہستہ سب کچھ سمجھ لیں گے، لیکن اس وقت وہ "طبقاتی شعور" کی وضاحت کر دیں۔" حاران نے کہا "طبقاتی شعور کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہ سمجھ لیں کہ معاشرے میں دو طبقے موجود ہیں۔ ایک طبقہ محنت کش عوام کا استحصال کرتا ہے جسے استحصالی طبقہ کہتے ہیں اور دوسرا طبقہ پس ماندہ اور محنت کش عوام ہیں جن کی محنت کا استحصال کیا جاتا ہے اور جسے استحصال زدہ طبقہ کہتے ہیں، استحصالی طبقہ اقلیت میں ہوتا ہے لیکن ذرائع پیداوار پر قابض ہونے کی وجہ سے معاشرے کی بھاری اکثریت پر حکمرانی کرتا ہے طبقاتی شعور سے انسان میں طبقاتی نقطۂ نظر پیدا ہوتا ہے اور وہ تمام سیاسی معاشرتی اور نظریاتی سرگرمیوں کے پس منظر میں استحصالی طبقہ کے مفادات کی جھلک دیکھ سکتا ہے۔ طبقاتی نقطۂ نظر کے بغیر انسان وسیع پیمانے پر پھیلے ہوئے معاشرتی انتشار کی علت تک نہیں پہنچ سکتا۔" سندر نے کہا

کہ واقعی یہ تو ایک نیا علم ہے جسے ہمیں تن دہی سے حاصل کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد یہ اجلاس برخاست ہوگیا۔

یہ کوئی اجاگر شام نہ تھی۔ آسمان پر بھورے بادل چھائے تھے۔ حاران سائیکل پر اپنے گھر کو آتے ہوئے پروفیسر ماتھر کی کوٹھی کے سامنے سے گذرا تو اس نے راج اور میرا کو گیٹ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ پہلے انہیں شیلا ملی۔ میرا نے اسے **نمستے** کہا۔ شیلا نے **اُسے گلے لگالیا**۔ شیلا بھی ان کے ساتھ ہولی۔ ———

میرا کرنل رمیش کی چھوٹی بیٹی تھی، وہ فرسٹ ایئر کی طالبہ تھی۔ اسے موسیقی سے بڑا لگاؤ تھا وہ گھر پر ایک میوزک ماسٹر سے ہارمونیم کی سنگت میں گانا سیکھتی تھی وہ باورچی خانے کے نزدیک پہنچے تو کملا کو بیٹھی ہوئی پایا۔ میرا نے اسے نمستے کہا تو اس نے میرا کو دعائیں دیں، میرا نے اس کی جانب ایک تھیلا بڑھا کر کہا کہ ماتاجی نے یہ مٹھائی بھیجی ہے راج نے اسی وقت تھیلے میں سے مٹھائی نکال کر کھاتے ہوئے کہا: "آہا کتنی مزے دار مٹھائی ہے۔" شیلا مٹھائی کا تھیلا لے کر مسکراتی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئی اور میرا راج کے ساتھ اس کے سٹوڈیو میں آگئی۔ وہاں کئی مجسمے رکھے تھے۔ لیکن ایک مجسمے پر کالا نقاب پڑا تھا۔ میرا نے پوچھا کہ اس مجسمے نے گھونگھٹ کیوں نکالا ہوا ہے راج نے میرا سے کہا کہ وہ آہستہ بولے۔ اگر کالی نے سن لیا تو مصیبت پڑ جائے گی پھر راج نے اس مجسمے کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اور آنکھیں بند کر کے کئی بار کہا۔

کالی کالی ماس کی تھالی
تو ساری دنیا کی والی
لہو نہ پینا، کر رکھوالی

میرا یہ منظر دیکھ کر ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہوئے جارہی تھی۔ باہر شیلا اور کملا دونوں میرا کی ہنسی کی آواز سن کر مسکرائیں راج نے آنکھیں کھول کر کہا کہ اب یہ دیوی کچھ نہیں کہے گی کیونکہ وہ اتنی منت سماجت تو کر چکا ہے

میرا نے ہنستے ہوئے ذرا دم لے کر کہا۔ "بھئی! سچ بتائیں کہ یہ مجسمہ کس کا ہے"۔ راج نے کہا کہ یہ تو اسے بھی معلوم نہیں، جب اس کی نقاب کشائی ہوگی تو معلوم ہوگا اس وقت تو وہ اتنا ہی کہہ سکتا ہے کہ یہ مجسمہ اس کے تخیل کی ایک حسین تخلیق ہوگی میرا نے کہا کہ وہ جارہی ہے۔ میوزک ماسٹر آگیا ہوگا میرا کمرے سے باہر نکلی تو راج بھی یہ کہتے ہوئے اس کے پیچھے آیا کہ آئے بھی وہ گئے بھی وہ ختم فسانہ ہوگیا۔ راج اسے باہر کے گیٹ تک چھوڑنے گیا۔

میرا گھر آئی تو میوزک ماسٹر آچکا تھا وہ برآمدے میں ایک تخت پوش پر ہارمونیم لے کر بیٹھ گئی اور کل کا سبق دہرایا۔ اس کے بعد میوزک ماسٹر نے اسے نیا سبق دیا۔

یہ ایک حسین رات تھی، آسمان پر چودھویں کا چاند دمک رہا تھا کبھی کبھی کالے بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے چاند پر سے گذر جاتے ہر چیز نور کے پیکر میں ڈھل چکی تھی۔ حاران تقریباً گیارہ بجے اپنے گھر سے اس ارادے سے نکلا کہ وہ شیلا کو ساتھ لے کر کچھ دیر چاندنی میں گھومے۔ جب وہ شیلا کی کوٹھی کے باہر کے گیٹ کے پاس پہنچا تو اس نے شیلا کو کھڑی پایا۔ حاران نے کہا کہ وہ اُسی کی طرف آرہا تھا شیلا اپنے گیٹ سے باہر نکل کر حاران کے ساتھ ہولی۔ شیلا چاندنی میں کتنی حسین معلوم ہوتی ہے، حاران نے سوچا۔

شیلا نے کہا: "کتنا حسین منظر ہے۔ میری روح اس حسنِ بے کراں میں ڈوب ڈوب جاتی ہے۔ جب محبت کا نور دل کے ویران کدے میں پھیل جاتا ہے تو انسانی حواس میں ایک جمالیاتی اہتزاز بیدار ہوتا ہے۔ محبت میں اتنی ہی تقدیس طمانیت اور پُراسرار خاموشی ہے جتنی اس بہتی ہوئی چاندنی میں ہے چاند کو سیاہ بادل ڈھانپ لیتے ہیں تو ماحول پر اندھیرا چھا جاتا ہے محبت کو کوئی تاریک جذبہ ڈھانپ لیتا ہے۔ تو روح میں تاریکی چھا جاتی ہے، مجھے محبت کی پُراسرار خاموشی سے خوف آتا ہے۔ حاران! میں چاہتی ہوں کہ اگر میں عالمِ شباب میں مر جاؤں تو میری بے لوث محبت اس چودھویں کے چاند کی طرح نور بکھیرتی رہے بیتے لمحات واپس نہیں نہیں آتے اور آنے والے لمحوں کا چہرہ اَن

دیکھا ہے۔ نجانے کون مجھے مسلسل کہہ رہا ہے کہ تو وقت کے بحرِ بے کراں میں ایک موجِ رفتہ بننے والی ہے۔" حاران نے دیکھا تو شیلا پر ایک وارفتگی کا عالم طاری تھا وہ سہم گیا۔ اس نے شیلا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ "شیلا! ایسے سہمگیں خیالات کا اظہار نہ کرو! آؤ! اب واپس چلیں۔" شیلا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں تو اپنے اُن لعبیدی احساسات کا اظہار کر رہی تھی جو میرے ذہن پر سایہ فگن ہوئے تھے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ہم چاندنی میں ایک لمبے راستے پر یونہیں چلتے رہیں۔" جب شیلا کا گھر نزدیک آیا تو حاران نے کہا "اچھا شیلا! اب کل ملاقات ہوگی۔" وہ اپنے گھر کی جانب چل پڑا تو شیلا بہت دیر تک اپنے گیٹ میں کھڑی ایک محویت کے عالم میں اسے دیکھتی رہی۔ جب حاران اپنے کمرے میں آیا تو نامعلوم طور پر مغموم تھا۔ لیکن وہ فوراً ہی تمام خیالات کو جھٹک کر مطالعہ میں مشغول ہو گیا اور ساڑھے بارہ بجے تک پڑھتا رہا۔

ہال بازار میں بڑی بھیڑ بھاڑ تھی اور "انقلاب زندہ باد" کے نعرے بلند ہو رہے تھے حاران اور آفاق تیز قدم اٹھاتے ہوئے اس جگہ پر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے ذرا آگے بڑھ کر انہوں نے دیکھا تو پولیس کا ایک مسلح دستہ کھڑا تھا اور لوگ دفعہ ۱۴۴ توڑتے ہوئے پانچ پانچ آدمیوں کے گروہوں میں آ رہے تھے۔ پولیس انہیں گرفتار کر کے ذرا پرے کھڑے جالی دار پولیس ٹرکوں میں بند کرتی جا رہی تھی اور وہ گرفتاری کے وقت "انقلاب زندہ باد" "برطانوی سامراج مردہ باد" اور "مہاتما گاندھی کی جے" کے نعرے لگا رہے تھے۔ حاران اور آفاق کے لئے یہ سیاسی ہنگامہ ایک افسانوی نوعیت رکھتا تھا جس میں آزادی کی تڑپ، بے باکی، جوش و ہیجان اور مخاصرہ پسندی کی جھلک تھی وہ تھوڑی دیر وہاں ٹھہر کر دوسری سڑک کو مڑ گئے۔ اگرچہ انڈین نیشنل کانگرس کی پالیسی عدم تشدد کی پالیسی تھی لیکن اس کی جدوجہد سے سیاسی بیداری جنگل کی آگ کی طرح سارے ملک میں دور دراز دیہات تک پھیلتی چلی جا رہی تھی۔

جب حاران اور آفاق ایک کشادہ سڑک کو مڑ گئے تو حاران نے کہا۔ "انڈین نیشنل کانگرس کی مثال سے ہم سیاسی شعور اور طبقاتی شعور کا فرق بہت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کانگرس کی جدوجہد سے محض سیاسی شعور پیدا ہو رہا ہے، کیونکہ وہ صرف حکمران کی تبدیلی چاہتی ہے، ملک کے معاشی نظام میں کوئی تبدیلی نہیں لانا چاہتی۔

مشتاق احسن دوپہر کو اپنے گھر کو جاتے ہوئے بملا کے پاس ٹھہر گیا۔ بملا نے مشتاق سے کہا کہ جدائی کا یہ لمبا عرصہ بڑا صبر آزما معلوم ہوتا ہے، مشتاق نے کہا کہ اصل خطرہ تو یہ ہے کہ ان کے ملاپ میں مذہب رکاوٹ نہ بن جائے۔ بملا نے کہا! "نہیں مشتاق! مجھے اس کا کوئی خطرہ نہیں۔ کیونکہ میرے پتا جی بہت فراخ دل اور روشن خیال انسان ہیں۔" مشتاق نے کہا کہ اس لحاظ سے تو اس کے "ڈیڈی" بھی انتہائی روادار اور انسان دوست ہیں۔ بملا نے خوش ہو کر کہا کہ پھر تو سارا خطرہ خیالی ہے دونوں ہنسنے لگے۔ اسی لمحے راجندر کمرے سے نکل کر باہر گیا اور اس نے دونوں کو باتیں کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ مشتاق نے بملا سے اجازت لے کر اپنا سائیکل سنبھالا اور اپنے گھر کو چل دیا۔

رات کو راجندر واپس آیا تو بملا نے اسے ایک طرف لے جا کر آہستہ سے پوچھا کہ اس کا انتخاب کیسا ہے۔ راجندر نے مری ہوئی آواز میں بے دلی سے کہا کہ ہاں اچھا ہے اور کمرے کی طرف جانے لگا تو بملا نے کہا: "بھیا! ایک بات اور سنو!" جب راجندر نزدیک آیا تو بملا اس کے کان میں کہنے لگی: "آج مجھے راجیلہ ملی تھی اور پوچھنے لگی کہ اس کے بھیا راجندر کا کیا حال ہے، مجھے تو دال میں کچھ کالا نظر آتا ہے!" یہ سن کر راجندر خوشی سے پھولا نہ سمایا اور کہنے لگا: "بملا! کیا انتخاب ہے تمہارا! آہا آہا جواب نہیں" دونوں ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ پھر راجندر کمرے کی جانب چل دیا۔

شام کی شفق کے رنگوں میں بھیگے ہوئے بادلوں کے ٹکڑے سارے آسمان پر آوارہ خرام تھے جس سے ماحول اُجلا اور تابناک ہو گیا تھا۔ پروفیسر ماتھر کے

ہال راج کے تراشے ہوئے مجسمے کی نقاب کشائی کی تقریب تھی۔ تمام مہمان مجسمے کے سامنے کھڑے تھے حاران نے کہا: "معزز خواتین وحضرات! آپ سوچتے ہوں گے کہ اس مجسمے میں کیا خصوصیت ہے کہ اس کی نقاب کشائی کی تقریب منعقد کی جا رہی ہے۔ میں اس سلسلے میں وضاحت کر دوں کہ یہ مجسمہ جناب راج نے کسی ماڈل کو سامنے بٹھا کر نہیں تراشا بلکہ یہ ان کے تخیل کی ایک حسین تخلیق ہے۔ اب میں جناب پروفیسر جوگندر سنگھ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ نقاب کشائی کی رسم ادا کریں۔" پروفیسر جوگندر مسکراتے ہوئے آئے اور انہوں نے مجسمے پر سے نقاب سرکا دیا۔ تمام حاضرین یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مجسمہ میرا سے ہو بہو مشابہت رکھتا تھا۔ کئی مہمانوں کے منہ سے لفظ "میرا" بے ساختہ نکل گیا۔ اس کے بعد تمام چائے پینے کو چل دیئے۔ کرنل رمیش نے تنہائی میں پروفیسر ماتھر اور کملا سے کہا کہ وہ فارغ ہو کر اسے ضرور ملیں۔ دوسرے دن سب ہمسایوں کو پیغام پہنچا دیا گیا کہ اگلی اتوار کو راج اور میرا کی منگنی کی تقریب کرنل رمیش کے ہاں ہوگی

اگست کا اواخر تھا۔ پرکاش، حاران، آفاق، سریندر اور کنور پانچوں مل کر صبح سویرے کمپنی باغ میں جمناسٹک ورزشیں کر رہے تھے۔ سب کے جسم مضبوط اور تنو مند ہو چکے تھے دبلے پتلے اور ڈرپوک پرکاش کے پیکر میں ایک مضبوط اور کسرتی جسم والا دلیر پرکاش جنم لے چکا تھا۔ حاران نے میری زندگی کو کس طرح بدل دیا ہے، واقعی طاقت کا مقابلہ طاقت ہی سے کیا جا سکتا ہے، پرکاش نے ورزش کرتے ہوئے سوچا۔ سب ورزش کرنے کے بعد واپس چل پڑے۔

چھٹیاں ختم ہونے پر آج کالج کھل گیا تھا تمام لڑکے کالج کے احاطے میں کھڑے تھے، کالج لگنے میں ابھی دس منٹ باقی تھے۔ لان کے پاس جیراج اکڑ کر پرکاش کے قریب سے گزرنے لگا تو پرکاش نے اپنی کتابیں گھاس پر پھینکتے ہوئے اسے کہا کہ اس نے اسے دھمکی کیوں دی تھی۔ جیراج نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا پرکاش نے اسے ایک مکا مارا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا زمین پر گر پڑا۔

پرکاش نے وہیں اس پر تین چار مکے رسید کئے۔ تمام لڑکے بھاگ کر وہاں جمع ہو گئے۔ حاران آفاق، سریندر اور کنور بھی بھاگتے ہوئے وہاں آ پہنچے جیراج تیزی سے اٹھا اور پرکاش کے منہ پر گھونسا مارنے لگا۔ لیکن پرکاش نے اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ کو بائیں ہاتھ سے تھام کر دائیں ہاتھ سے ایک گھونسا اس کے سر پر مارا۔ جیراج چکرا کر گرا تو پرکاش نے پھر اس کے سر پر تین مکوں کی بوچھار کی۔ جیراج اٹھ کر کھڑا ہوا۔ تو پرکاش نے ایک تربیت یافتہ مکہ باز کی طرح لڑنا شروع کر دیا وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے مکے تانے برابر جگہ بدلتے ہوئے اچھلتا رہا اور جیراج کے مکے سے بچ کر اپنا مکہ اس کے منہ پر مارتا رہا۔ کالج لگنے کا وقت ہو گیا تو لڑکوں نے انہیں الگ کر دیا۔ پرکاش مسکراتے ہوئے کتابیں اٹھا کر حاران، آفاق، سریندر اور کنور کے ساتھ ہو لیا۔ کالج کے سب لڑکے پرکاش کا کسرتی جسم اور اس کی جرأت دیکھ کر دنگ رہ گئے کیونکہ اسی لان کے پاس ان کے سامنے جیراج نے پرکاش کی پٹائی کی تھی۔

۱۱ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو حاران صبح کی سیر کے بعد واپس آ رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ ہاکر چلاتا ہوا بھاگا چلا آ رہا ہے: "روس میں سوشلسٹ انقلاب، کسانوں اور مزدوروں نے زارِ روس کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ دنیا میں محنت کشوں کی پہلی حکومت کا قیام۔" حاران بے تابی سے گھر آیا تاکہ اخبار دیکھ سکے۔ اخبار کی کچھ سرخیاں پڑھ کر اس نے اخبار احسن کو دے دیا۔ چشم زدن میں یہ خبر گنیش سٹریٹ کے تمام گھروں میں پہنچ گئی۔

احسن اپنے کمرے میں اخبار پڑھ رہا تھا وہ سوویٹ سوشلسٹ انقلاب کی تفصیل بڑی بے تابی سے پڑھتا گیا، "اکتوبر ۱۹۱۷ء کو روس کے مزدوروں، کسانوں اور ترقی پسند دانشوروں نے بالشویک پارٹی کی رہنمائی میں زار شاہی اور سرمایہ داری کو شکست دے دی اور سوویٹ سوشلسٹ نظام قائم کر دیا۔ سرخ گارڈ اور انقلابی فوجوں نے حکومتی اداروں پر قبضہ کر لیا۔ پارلیمنٹ توڑ دی گئی۔ کلیسا کا اقتدار ختم کر دیا۔ جنگی بحری جہاز آرورا نے اپنی توپوں کا رخ ونٹر پیلس کی جانب پھیر

دیا۔ انقلاب کی طوفانی رات کو انقلابی فوجوں، مزدوروں، کسانوں اور جہازیوں نے ونٹر پیلس پر دھاوا بول دیا۔ اور سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی قائم کی ہوئی عارضی حکومت کے تمام ارکان کو گرفتار کر لیا۔ زار کے خاندانوں اور جاگیرداروں کے مالکانہ حقوق کو کسی معاوضے کے بغیر منسوخ کر دیا گیا۔ تمام ذرائع پیداوار پر سوویٹ حکومت نے قبضہ کر لیا۔ محنت کشوں کی نئی حکومت نے پہلی عالمی جنگ میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔

احسن یکدم چونکا۔ اخبار کو میز پر رکھ کر اٹھا اور کورٹ جانے کی تیاری کرنے لگا وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا تو راشدہ نے کہا۔ "آج آپ نے ناشتہ کرنے میں دیر کر دی۔" احسن نے کہا: "بیگم! دنیا کی تاریخ میں محنت کشوں کی پہلی حکومت روس میں قائم ہوئی ہے۔ آپ کو اخبار کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا۔" احسن کورٹ چلا گیا اور راشدہ اخبار پڑھنے لگی۔

اپریل ۱۹۱۸ء کے اوائل میں ایف اے کے امتحانات ختم ہو گئے تو حاران آفاق، سرنیدر اور کنور جہاردوں نے مل کر سیر و تفریح کا پروگرام بنایا۔

اتوار کی سہ پہر کو جمخانہ کلب کے سومنگ پول میں چھ نوجوانوں میں تیراکی کا مقابلہ تھا جن میں حاران بھی شامل تھا۔ شہر کی جنڑی آئی ہوئی تھی جس میں گنپش سٹریٹ کے کچھ لوگ بھی شامل تھے۔ جب حاران سومنگ پول میں چھلانگ لگانے لگا تو حاضرین اس کا غیر معمولی طور پر خوبصورت اور تنومند جسم دیکھ کر حیران رہ گئے مقابلہ بڑا سخت اور دلچسپ تھا۔ حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ جب نتیجے کا اعلان ہوا تو حاران اوّل رہا۔ حاران نے سٹیج پر آ کر گولڈ میڈل وصول کیا تو حاضرین نے مسلسل تالیاں بجائیں۔

ایک شام کو حاران اور شیلا دونوں جمخانہ کلب کے لان میں بہت دیر تک ٹینس کھیلتے رہے اس کے بعد وہ کیبرے ہال میں آ کر بیٹھ گئے۔ سارے ہال میں انگریز اور دیسی لوگ بیٹھے ہوئے مشروبات پی رہے تھے۔ ایک میز کے آگے چند فوجی گورے بیٹھے ہوئے مشروبات پی رہے تھے۔ سٹیج پر آرکسٹرا ایک

دلکش دھن بجا رہا تھا۔ اور ایک حسین عیسائی لڑکی اس دھن پر ڈانس کر رہی تھی۔ حاران نے چائے کا آرڈر دیا۔ جب حاران اور شیلا چائے پی رہے تھے تو آرکسٹرا کی دھن بدل گئی اور لڑکی اس نئی دھن پر ناچنے لگی۔ یہ ایک بہت ہیجانی دھن تھی۔ ایک فوجی گورا جو بہت پی گیا تھا اٹھ کر والہانہ انداز میں ناچنے لگا سب حاضرین دبے دبے مسکرا رہے تھے۔ بل ادا کر کے حاران اور شیلا وہاں سے نکل کر لان کے پاس آ گئے اور ہوا سے جھومتے ہوئے درختوں کے ساتھ روش پر چلتے ہوئے بڑے گیٹ کی طرف بڑھے، شام گہری ہو چکی تھی۔ انہوں نے سامنے دیکھا تو مغربی افق کی تیزی سے سمٹتی ہوئی سُرخی میں ایک ستارہ تنہا دمک رہا تھا۔ دونوں نے مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ ان بشاش لمحات میں شیلا کو اس طرح محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ یاس کے گھنیرے سایوں میں گھر رہی ہو۔ شیلا نے اچانک کہا: "حاران! کہیں ہم بچھڑ نہ جائیں۔" حاران نے حیرت سے شیلا کو دیکھا اور اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ حاران نے شیلا کی توجہ کسی اور طرف مبذول کرنے کے لیے کہا: "شیلا! آپ کو معلوم ہے کہ سر ونسٹن چرچل کی رہنمائی میں یورپ کی سامراجی طاقتوں نے دنیا کی پہلی سوشلسٹ حکومت کو ختم کرنے کے لئے روس پر حملہ کر دیا ہے لیکن روس کی جانباز عوامی فوجیں ان تمام طاقتوں کا مقابلہ بڑی بے جگری سے کر رہی ہیں۔" شیلا نے تعجب سے کہا: "نہیں! یہ اہم خبر میری نظر سے نہیں گذری۔ بہر حال مجھے یقین ہے کہ روس کی سرخ فوجیں ان سامراجی طاقتوں کو شکست فاش دیں گی۔" پھر وہ دونوں ایک تانگے میں سوار ہو کر گھر کو روانہ ہوئے۔

یہ اتوار کا دن تھا۔ آج ایف اے کا نتیجہ نکلنے والا تھا۔ حاران، آفاق، سرنیدر اور کنور جہاردوں صبح سویرے احسن کے گھر کے سامنے ہاکر کا انتظار کر رہے تھے۔ سرنیدر نے کہا: "وہ دیکھو! ہاکر چلا آ رہا ہے۔" ہاکر نے نزدیک آ کر چلاتے ہوئے کہا۔ "انٹرمیڈیٹ کا نتیجہ نکل آیا۔" آفاق نے اس سے اخبار لے کر دیکھا اور

پہلی سُرخی پڑھی: "حاران احمد انٹرمیڈیٹ میں پنجاب بھر میں اوّل رہے" آفاق نے اخبار کو ہاتھ میں لہرا کر ہپ ہپ ہُرّا کہا اور اخبار حاران کے ہاتھ میں تھما کر گھر کے اندر بھاگ گیا۔ اس نے آفاق نے اخبار نے اخبار کو ہاتھ میں لہرا کر اُس نے ہانپتے ہوئے راشدہ سے کہا: امی جان حاران بھیا الیف اے میں پنجاب بھر میں اوّل رہے ہیں"۔ آفاق پھر باہر بھاگ گیا اور راشدہ نے احسن کے کمرے میں جاکر اسے بتایا وہ یکدم چونک پڑا اور کہنے لگا کہ اسے پہلے ہی یقین تھا کہ حاران غیر معمولی کامیابی حاصل کرے گا۔

آفاق باہر آیا تو حاران نے بتایا کہ میرا، آفاق، سریندر اور کنور نے فرسٹ ڈویژن حاصل کی ہے اور سارہ نے فرسٹ ڈویژن بھی حاصل کی ہے اور اپنے کالج میں بھی اوّل رہی ہے سریندر نے گھر جاکر شیلا کو حاران کے متعلق بتایا حاران اور آفاق اندر آئے تو راشدہ نے حاران کو پیار کیا اور احسن نے اسے تھپکی دی حاران نازیہ کو گود میں لے کر پیار کرنے لگا۔ نازیہ نے کہا "بھائی جان! مجھے چھوڑیں" حاران نے نازیہ سے کہا کہ کیا بات ہے۔ نازیہ نے گود سے اترتے ہوئے کہا: اجی! پہلے میں سارہ باجی کو تو بتا آؤں"۔ حاران ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گیا۔ گہری شام کو کرنل رمیش احسن کو مبارکباد دینے کے لئے آیا۔ اس نے احسن سے کہا کہ آخر اسی کی بات ٹھیک نکلی۔ اس نے تو پہلے دن ہی کہا تھا کہ حاران بڑوں بڑوں کے کان کاٹے گا۔ احسن اور کرنل رمیش دونوں ہنسنے لگے۔ کرنل رمیش نے کہا کہ وہ انہیں مبارکباد اور یہ اطلاع دینے کے لئے آیا تھا کہ آئندہ انوار کی سہ پہر کو تمام ہمسایوں کی جانب سے اس کے مکان پر انہیں عصرانہ دیا جا رہا ہے احسن نے اس عزت افزائی کے لئے اس کا شکریہ ادا کیا۔

چھٹیوں کے بعد کالج کھُل گیا۔ تمام لڑکے احاطے میں کھڑے تھے حاران آفاق، سریندر اور کنور کے ساتھ احاطے میں داخل ہوا تو لڑکوں نے "حاران زندہ باد" کے نعرے لگائے۔ برآمدے میں پرنسپل بھاٹیہ اور پروفیسر کھڑے تھے حاران برآمدے میں آیا تو پرنسپل نے آگے بڑھ کر حاران سے ہاتھ ملایا

اور اسے تھپکی دی۔ حاران نے تمام پروفیسروں کو جھک کر سلام کیا۔ پرنسپل بھاٹیہ نے تمام طالب علموں سے مخاطب ہو کر اعلان کیا کہ کل سہ پہر کو کالج میں حاران کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔ اعلان کے بعد پرنسپل اور پروفیسر اپنے کمروں کو چل دیئے۔

تمام طلبا اور طالبات کالج ہال میں جمع تھے۔ سٹیج پر پرنسپل بھاٹیہ ایک سینئر پروفیسر کے ساتھ بیٹھا تھا۔ پرنسپل نے مائک کے سامنے آکر کہا: معزز خواتین وحضرات! جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔ یہ تقریب مسٹر حاران احمد کے اعزاز میں منعقد کی گئی ہے جس نے انٹرمیڈیٹ میں پنجاب بھر میں اوّلین پوزیشن حاصل کی ہے۔ دنیا میں اعزاز اسی شخص کو ملتا ہے جو اپنے آدرش کو سخت کوشش سے حاصل کرتا ہے۔ مسٹر حاران کے اس نمایاں کارنامے نے ہمارے کالج کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ میں تمام کالج کی طرف سے مسٹر حاران کو مبارکباد اور معمولی سا انعام پیش کرتا ہوں یہ انعام ایک ٹرافی چار کتابوں اور چار سو روپوں پر مشتمل ہے۔ میں مسٹر حاران سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ انعام وصول کرلیں اور اپنی کامیابی پر اظہارِ خیال بھی کریں۔

حاران نے سٹیج پر آکر انعام وصول کیا اور پرنسپل کا شکریہ ادا کیا حاران نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا "معزز خواتین وحضرات! فرد اور سماج کا رشتہ سماج کے تدریجی ارتقا کے ساتھ ہی پیدا ہوا ہے اس لئے یہ رشتہ ایک اٹوٹ رشتہ ہے۔ جب ایک فرد کوئی نمایاں کارنامہ سرانجام دیتا ہے تو دراصل وہ سماج کی ایک نمایاں خدمت بجالاتا ہے۔ اسی لئے یہاں فرد کے بے جا تفاخر اور مفاد پرستی کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ فرد کا مفاد ضمنی ہوتا ہے جب کہ سماج کا مفاد دراست اور حقیقی ہوتا ہے جب فرد اور سماج کے رشتے میں دُوئی پیدا ہو جاتی ہے تو سماج انحطاط پذیر ہو جاتا ہے۔

"لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرد اور سماج کے رشتے میں دُوئی کب پیدا

ہوتی ہے۔ تاریخ کا سائنسی مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ فرد اور سماج کے رشتے میں دوئی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب سماج میں طبقے پیدا ہو جائیں اور ذرائع پیداوار پر چند افراد کا قبضہ ہو جائے اور لاکھوں محنت کش عوام محض زرعی اور اجرتی غلام بن کر رہ جائیں کیونکہ اس طرح چند افراد کا مفاد سماج یعنی عوام کے مفاد پر حاوی ہو جاتا ہے جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں نے جو کچھ کیا ہے دراصل سماج کی خدمت کے لئے کیا ہے، کیونکہ فرد خود کو جتنا لائق بناتا ہے وہ سماج کے لئے اتنا ہی مفید ثابت ہوتا ہے۔ میں اس عزت افزائی کے لئے جناب پرنسپل اور آپ سب کا بہت ممنون ہوں۔" حاران سٹیج سے اترا تو حاضرین نے مسلسل تالیاں بجائیں اور سب جانے کو اٹھ کھڑے ہوئے۔

حاران نے گھر آ کر کتابیں اپنے کمرے میں رکھ دیں۔ ٹرافی کو ڈرائنگ روم میں سجا دیا۔ احسن اور راشدہ دونوں اپنے کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ حاران نے چار سو روپوں کے نوٹوں کا بنڈل راشدہ کے قدموں میں رکھ دیا۔ راشدہ نے کہا، بیٹا! یہ روپے خود خرچ کر لو۔ حاران نے کہا: "امی جان! مجھے ضرورت کی ہر چیز گھر سے مل جاتی ہے۔ مجھے روپوں کی قطعی طور پر کوئی ضرورت نہیں۔" احسن نے راشدہ سے کہا کہ وہ روپے اپنے پاس رکھ لے۔ روپے نہ لینا بھی حاران بیٹے کی عظمت کی نشانی ہے۔ حاران کمرے سے باہر آ گیا۔

اتوار کی سہ پہر کو جلیانوالہ باغ میں رولٹ ایکٹ کے خلاف کانگرس کا جلسہ ہو رہا تھا۔ جب حاران آفاق، سریندر کنور، امجد کپور اور پرکاش کے ساتھ پنڈال میں پہنچا تو کپور کا والد اور لالہ چند وکیل حاران کو مل گیا۔ اس نے سٹیج پر آ کر کہا کہ اب ایک سٹوڈنٹ مسٹر حاران احمد جلسے سے خطاب کریں گے۔ حاران نے سٹیج پر آ کر کہا: "معزز خواتین و حضرات! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ سامراجی حکومت رولٹ ایکٹ کی شکل میں ہمارے ملک پر غیر انسانی اور غیر جمہوری قوانین نافذ کرنے والی ہے جس کے تحت بیورو کریسی من مانی

کارروائی کر سکتی ہے، کسی کو بھی گرفتار کر سکتی ہے اور مقدمہ چلائے بغیر اسے قید و بند کی سزا دے سکتی ہے۔ تمام آزادی کے متوالے اہل وطن اس جنگل کے قانون کو ٹھکراتے ہیں اور احتجاج کرتے ہیں کہ اس انتہائی سنگین قانون کو ملک پر لاگو نہ کیا جائے۔ حکومت کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عوام ایک ناقابل تسخیر طاقت ہیں جب وہ حکومت کے کسی انتہائی غیر انسانی اقدام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو ایک سیل رواں بن جاتے ہیں انسانی معاشرے کے تمام انقلابوں کے پس منظر میں عوام ہی کی انقلابی قوت کارفرما نظر آتی ہے۔ رولٹ ایکٹ ہندوستان کی سامراجی حکومت کا ایسا قانون ہے جس کے تحت وہ ہمیں زیادہ سے زیادہ دبا کر رکھنا چاہتی ہے اور ہمارے ملک کا زیادہ سے زیادہ استحصال کرنا چاہتی ہے۔ میں اپنے اہل وطن کی جانب سے پرزور احتجاج کرتا ہوں کہ حکومت اس جنگل کے قانون کو واپس لے۔ برطانوی سامراج مردہ باد۔" حاران سٹیج سے نیچے اترا تو حاضرین جلسہ نے پرزور تالیاں بجائیں اور "انقلاب زندہ باد" کے نعرے لگائے۔

دوسرے دن پولیس نے حاران کو صبح سویرے گھر سے گرفتار کر لیا اور اسے قیدیوں کی جالی دار وین میں بٹھا کر لے گئی۔ حاران کو زیادہ پریشان کرنے اور ڈرانے کے لئے اسے اخلاقی قیدیوں کے وسیع ہال میں بند کر دیا گیا جہاں تقریباً تین سو قیدی موجود تھے۔ یہاں پہنچ کر وہ اخلاقی قیدیوں کے طور طریقے فوراً بھانپ گیا اور ایک سٹول پر کھڑے ہو کر قیدیوں سے مخاطب ہوا اور انہیں اپنی گرفتاری کا سبب بتایا۔ اس طرح تمام اخلاقی قیدی اس سے مرعوب ہو گئے اور اس کی عزت کرنے لگے۔

جب اس واقعہ کی اطلاع جیلر کو ملی، تو اس نے اسی وقت حاران کو قید تنہائی میں ڈال دیا وہ دو مہینوں تک جیل میں رہا۔ اس دوران میں احسن احمد خاں اس کی رہائی کے لئے تگ و دو کرتا رہا بالآخر دو مہینوں کی تگ و دو کے بعد حاران کو رہا کر دیا گیا۔

اتوار کی سہ پہر کو ہندوستانی انقلابی ایسوسی ایشن کا اجلاس سندر کے مکان پر منعقد ہوا۔ اجلاس میں ہربنس کور، نیلم، رتنا اور شیاما بھی شامل تھیں۔ کیونکہ شیلا نے اپنے سٹڈی سرکل کو ہندوستانی انقلابی ایسوسی ایشن میں ضم کر دیا تھا۔ حاران نے کہا "میں مس شیلا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ کرسیٔ صدارت سنبھالیں" شیلا کرسی صدارت پر بیٹھ گئی اور اس نے کہا۔ "میں جناب حاران سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ ملک کے موجودہ ہیجانی سیاسی حالات پر روشنی ڈالیں" حاران اپنی سیٹ سے اٹھا اور اس نے اپنے بیان کا آغاز کیا "خواتین و حضرات! اس وقت یعنی ۱۹۱۸ء کے اواخر میں ملک کی سیاسی زندگی میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ ہندو مسلم اتحاد نے اپنی بلندیوں کو چھو لیا ہے رولٹ ایکٹ کے خلاف عوام کے غم و غصہ کا اظہار ہڑتالوں، جلسوں اور جلوسوں کی شکل میں ہو رہا ہے، دوسری طرف بیوروکریسی، ہندو مسلم اتحاد کی موجودہ شکل سے خائف ہے اور چپکے چپکے اس اتحاد کو ختم کرنے کے لئے سرتوڑ کوشش کر رہی ہے اور اپنے پرانے حربوں سے کام لینے کی فکر میں ہے۔ مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ بیوروکریسی ۱۹۱۹ء کے اوائل میں کوئی مہیب قدم اٹھائے گی یاد رکھیں کہ ہندو مسلم اتحاد ہی جادو کی وہ چھڑی ہے جس کے طلسم سے ہم برطانوی سامراج کے خلاف کامیاب طور پر محاذ آرا ہو سکتے ہیں اور آزادی حاصل کر سکتے ہیں اس لئے میں تمام ارکان سے کہوں گا کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کے آدرش کا انفرادی طور پر پرچار کریں" جب حاران اپنی جگہ پر بیٹھ گیا تو سارہ نے کہا: "یہ خیال بالکل درست ہے کہ ہم اپنی انفرادی کوششوں میں مستعد رہیں اور بدلتے ہوئے حالات کا مطالعہ جاری رکھیں اس سے زیادہ ہم کچھ کر بھی نہیں سکتے کیونکہ بورژوا ریاست کی بھاری زنجیروں کو توڑنا اگر ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے"

اس کے بعد شیلا اٹھی اور اس نے کہا "میں سمجھتی ہوں کہ بیوروکریسی اس

حقیقت کو خوب جانتی ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کی حیثیت ایک نازک آبگینے کی سی ہے جو ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ سکتا ہے اس لئے وہ اس آبگینے کو ہر ممکن حربے سے توڑ دے گی۔ کیونکہ ہندو مسلم اتحاد برصغیر میں انقلاب کا پیش خیمہ ہوگا اور عوامی انقلاب کے حق میں نہ بیوروکریسی ہے نہ انڈین نیشنل کانگرس ہے اور نہ مسلم لیگ ہے بہرحال ہم ہندو مسلم اتحاد کو قائم رکھنے کی اپنی انفرادی کوشش جاری رکھیں گے۔ اب یہ اجلاس برخاست ہوتا ہے"

حاران کی گرفتاری اور رہائی کی خبر کالج میں پہنچ چکی تھی۔ جب حاران بی۔اے میں داخلہ لینے کے لئے کالج گیا تو تمام طلبا اور طالبات اسے بڑے پُر وقار طریق پر ملے اور بہت سوں نے اسے مبارکباد دی۔

ڈاکٹر حاران سنسان سڑک پر چلا جا رہا تھا۔ یکدم ایک پرندہ چیختا ہوا اس کے سر کے اوپر سے گذرا تو وہ چونک پڑا اس نے اردگرد کا جائزہ لیا اور سڑک سے ذرا پرے پڑے ہوئے ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گیا ہوا نرم خرام اور خوشگوار تھی۔ تازہ گھاس میں ننھے ننھے گلابی اور سفید پھول دور تک بکھرے ہوئے تھے اور سرما کی دھوپ سارے ماحول کو جگمگا رہی تھی۔ جیل کا دروازہ چرچراتے ہوئے کھلا اور وارڈر پانی کا گلاس اور چائے کا کپ لے کر سیڑھیاں اترا۔ اسی لمحے کلاک نے نو بجائے۔ کلاک کی ٹک ٹک کی ہولناک آواز روح پر گھٹن اور خوف طاری کر رہی تھی۔ ڈاکٹر حاران نے چائے پیتے ہوئے کھڑکی میں سے جھانک کر آسمان پر ایک نظر ڈالی۔ اسے کچھ ستارے جھلملاتے ہوئے نظر آئے وہ پھر یادوں میں کھو گیا۔

---

(۵)

آج میرا اور راج کی شادی کا دن تھا۔ سرِشام ہی کرنل رمیش کے ہاں شہنائیاں بجنے لگیں، شیلا اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس پر شہنائیوں کی دُھن کا بڑا دلگیر اثر ہو رہا تھا۔ حاران شیلا کے ہاں آیا تو معلوم ہوتا تھا کہ گھر میں کوئی نہیں۔ وہ سیدھا شیلا کے کمرے میں چلا آیا۔ حاران کمرے میں آیا تو شیلا مسکرانے کی کوشش کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ حاران نے اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تو شیلا نے فرطِ جذبات سے اپنا سر حاران کے سینے پر رکھ دیا۔ حاران نے کہا "شیلا! خدا کے لئے اپنے آپ کو ہشاش بشاش بناؤ اور کرنل رمیش کے ہاں چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ!" شیلا نے حاران کے سینے پر سے اپنا سر اٹھا کر آنسو پونچھتے ہوئے کہا "آپ تشریف رکھیں، میں تیار ہو کر ابھی آتی ہوں۔" شیلا کو یوں محسوس ہوا جیسے اس میں ایک تازگی اور اجنبی بشاشت آگئی ہو۔

شیلا تیار ہو گئی تو وہ کرنل رمیش کے ہاں آئے۔ حاران نے کرنل رمیش اور دِملا کو مبارکباد دی۔ پھر وہ دونوں شامیانے میں آگئے۔ شادی کی تمام رسوم ادا ہو چکی تھیں تمام مہمان کھانا کھا کر اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے تو کرنل رمیش نے سٹیج کے پاس آ کر کہا "خواتین و حضرات! اب میرا کی سہیلی دِملا ایک کلاسیکل رقص پیش کریں گی۔ آپ ایم۔ اے کی طالبہ ہیں، رقص شوقیہ طور پر سیکھ رہی ہیں اور شہر کی معروف شخصیت سیٹھ پرکاش چند کی صاحبزادی ہیں جو اس

وقت یہاں تشریف رکھتے ہیں۔" دِملا نے اپنے کلاسیکل رقص سے ایک سماں باندھ دیا۔ جب رقص ختم ہوا تو شیلا حاران کے ساتھ اس کے ہاں آگئی نجانے شیلا کا دل کیوں چاہتا تھا کہ وہ حاران کو مسلسل دیکھتی رہے۔ وہ دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے پھر نازیہ راشدہ کے ساتھ آگئی۔ وہ حاران کے کمرے میں آتے ہی کہنے لگی "شیلا باجی! آپ یہاں بیٹھی ہیں۔ آپ کو تو آپ کی امی ڈھونڈ رہی ہیں۔" شیلا نے نازیہ کو پیار کیا اور راشدہ کو آداب کہہ کر فوراً اپنے گھر کی جانب چل پڑی۔

ہندوستانی انقلابی ایسوسی ایشن کا اجلاس مس نیلم کے ہاں منعقد ہونے کو تھا۔ نیلم شہر کے معروف وکیل برکت علی سلیمی کی بیٹی تھی اور ملک کے سیاسی حالات میں بڑی دلچسپی لیتی تھی۔ اس اجلاس میں تمام ارکان کے علاوہ سات نئے ارکان بھی شامل تھے۔ اس اجلاس کی صدر مس شیلا تھیں۔ شیلا نے حاران سے درخواست کی کہ وہ ارکان کی فکری رہنمائی کے لئے اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ حاران نے شیلا کے پاس کھڑے ہو کر کہا "خواتین و حضرات! آج کے جدید انسان کے لئے زندگی کا انقلابی شعور حاصل کرنا لابدی ہے کہ انسانی زندگی کا مقصد کیا ہے، معاشرے میں بنیادی تبدیلی کس طرح لائی جاتی ہے اور اس بنیادی سماجی تبدیلی کے لئے کس نوعیت کی جدوجہد درکار ہے۔ ہم بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں سانس لے رہے ہیں۔ اس صدی کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں خیر و شر کی قوتوں میں شعوری اور واضح کشمکش جاری ہے۔ ایک طرف سرمایہ داری نظام ہے جو انسانی معاشرے میں جبر و استحصال روا رکھتا ہے اور سماجی قباحتیں پھیلاتا ہے سامراج اسی کا ایک انتہائی انسان کش اور سفّاک مظہر ہے۔ دوسری طرف سوشلسٹ نظام ہے جو سماج میں انصاف و مساوات قائم کرتا ہے اور انسانوں پر امن و نیکی کے دروازے کھولتا ہے۔ اس لحاظ سے موجودہ دور کے انسان کے لئے طبقاتی شعور انتہائی اہم ہے تاکہ وہ جبر و استحصال کی قوتوں کو پہچان سکے

اوران کے خلاف طبقاتی جد وجہد جاری رکھ سکے۔ لیکن طبقاتی جد وجہد رکھ سکے لیکن طبقاتی جد وجہد ایک انتہائی کٹھن راستہ ہے۔ کیونکہ طبقاتی جد وجہد افراد سے خلوص وایثار مانگتی ہے اور خلوص وایثار جیسی صفات پیدا کرنے کے لئے ضبطِ نفس کی ضرورت ہوتی ہے جو انسان کے انسان ہونے کا جواز مہیا کرتا ہے اور اسے حیوان سے جدا کرتا ہے۔

”یہ زندگی کا طبقاتی شعور ہے جو افراد میں حسد، بغض، تعصب، لالچ اور فرقہ پرستی جیسے سماج دشمن عناصر کو ختم کر دیتا ہے اور ان کا تعلق انسانیت اور محنت کش عوام کی فلاح وبہبود سے پیدا کرتا ہے۔ اس لئے آپ ہمیشہ کے لئے سمجھ لیں کہ ہماری ایسوسی ایشن کا مقصد نعرہ بازی اور دہشت پسندی نہیں بلکہ افراد میں انقلابی اور طبقاتی شعور پیدا کرنا اور خود تنقیدی کا احساس پیدا کرنا ہے۔“ حاران اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ سارہ اٹھی اور اس نے کہا۔ میں سمجھتی ہوں کہ جناب حاران نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ انتہائی اہم ہے اور ہماری ایسوسی ایشن کا مقصد روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ زندگی کا طبقاتی شعور حاصل کرنا اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنا کتنا دشوار مرحلہ ہے۔ ہماری جد وجہد سیاسی ہو یا طبقاتی، ہمیں اپنی جد وجہد کو کامیاب بنانے کے لئے خود میں ضبطِ نفس اور خلوص وایثار جیسی اعلیٰ اقدار پیدا کرنا ہوں گی جن کا حصول مسلسل خود تنقیدی کے بغیر محال ہے۔“ سارہ بیٹھ گئی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد شیلا نے صدر کی حیثیت سے اپنے اختتامی بیان میں کہا۔ ہم جناب حاران کے بہت مشکور ہیں کہ انہوں نے اس ایسوسی ایشن کے مقاصد کی وضاحت کر کے ہمیں اپنے فرائض سے آگاہ کیا۔ اب یہ اجلاس برخاست ہوتا ہے۔“

سارہ بی۔ اے میں داخلہ لینے کے بعد پڑھائی میں مشغول تھی اسے کئی بار حاران کا خیال آتا تھا۔ لیکن وہ ضبطِ نفس کی قوت سے لاشعور کی اس سرگرمی کو ابھرنے نہ دیتی اور اپنے آپ کو حصولِ علم اور جسمانی ورزش کی سرگرمیوں میں مصروف رکھتی

حاران کے لاشعور میں بھی سارہ کا تصور کئی دفعہ ابھرتا۔ لیکن اس کے من میں شیلا کے انتہائی دلکش خدوخال اور اس کی تہذیبی رفعت پوری طرح سمائی ہوئی تھی۔ سارہ زندگی کے فہم میں برابر آگے بڑھ رہی تھی اور اس میں زندگی کے انقلابی شعور کا ابھار حاران کی مسلسل کوششوں کا نتیجہ تھا جو اسے مطالعہ کے لئے باقاعدہ کتابیں دیتا رہتا اور باہمی گفتگو کے ذریعے بھی بہت کچھ بتا دیتا۔

رات کے دس بجے تھے۔ آسمان پر کالے بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے آدھے چاند پر سے مسلسل گزر رہے تھے۔ سارہ احسن کی کوٹھی میں داخل ہوئی اس نے پہلے راشدہ کو سلام کیا۔ پھر اس نے حاران کے کمرے میں آکر اسے تسلیم کہا۔ حاران نے کہا: ”آپ اس وقت تشریف لائی ہیں۔ کیا کوئی ضروری پیغام دینا ہے“۔ سارہ نے کہا: ”جی ہاں معاملہ کچھ ایسا ہی ہے۔ دراصل ہفتے کی سہ پہر کو ہمارے کالج میں ایک مباحثہ ہے، شیلا باجی اور آپ ضرور تشریف لائیں۔“ حاران نے کہا کہ یہ تو بہت خوشی کی بات ہے وہ ضرور آئیں گے۔ سارہ نے گلابی رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا حاران سارہ کے حسن کی دھج دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ سارہ نے کہا: ”میں کمیونسٹ مینی فسٹو کا مطالعہ کر رہی ہوں۔ کتنی جامع کتاب ہے اور زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے اس میں زندگی کے ہر مسئلہ پر ایک بصیرت ملتی ہے۔“ حاران نے کہا کہ واقعی وہ ٹھیک کہتی ہیں۔ پھر سارہ جانے کے لئے اٹھی تو حاران اس کے گھر تک اس کے ہمراہ گیا۔

ہفتے کی سہ پہر کو گورنمنٹ کالج کے ہال میں بڑی چہل پہل تھی۔ طالبات سٹیج اور نشستوں کو درست کر رہی تھیں اور ہال کے دروازے پر ایک بینر پر لکھا تھا آج سہ پہر کو یہاں ایک مباحثہ منعقد ہو گا۔ موضوع: ”عورت کے لئے پردہ نشینی لازم ہے“۔ حزب موافق کی لیڈر: مس شمیم اور حزب مخالف کی لیڈر: مس سارہ محسن۔ تھوڑی ہی دیر میں طلبا اور طالبات جوق در جوق آنے لگے۔ سٹیج پر پرنسپل دو پروفیسروں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ جب حاران، شیلا، پروفیسر

ماہرا حسن اور راشدہ کے ساتھ ہال میں داخل ہوا تو مس شمیم سٹیج پر آئی اور اس نے کہا: صاحبِ صدر! حزبِ مخالف کے مقررین نے اس موضوع کے خلاف جو دلائل دیئے ہیں وہ قطعی طور پر بے بنیاد ہیں عورت صدیوں سے پردہ نشین ہے اور پردہ نشینی ہی میں اس کی بھلائی ہے۔ کیونکہ عورت کی بے پردگی سے معاشرتی قباحتیں جنم لیتی ہیں۔ اور پھر مردوں اور عورتوں کے وظائف الگ الگ ہیں۔ عورت پر بچے پیدا کرنے کی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے جس کے لئے پردہ نشینی ہی مناسب ہے نامحرم مردوں سے عورت کا گفتگو کرنا اس کی تقدیس کی توہین ہے اور اس کی اخلاقی زندگی کیلئے ایک خطرہ ہے ان حقائق کے پیشِ نظر میں کہوں گی کہ عورت کی آزادی اس کی بے راہروی کی دلیل ہے اس لئے عورت کے لئے پردہ نشینی لازم ہے۔ میں ان الفاظ پر اپنا بیان ختم کرتی ہوں۔" مس شمیم سٹیج سے نیچے اتری تو سارہ نے سٹیج پر آکر کہا: صاحبِ صدر! حزبِ موافق کی لیڈر کے تمام دلائل تاریخی اور عمرانی حقائق کے خلاف ہیں اگر عورت کو صدیوں سے پردہ نشین دکھایا گیا ہے تو اس سماجی مظہر کی تاریخی بنیادیں موجود ہیں مرد حکمران رہا۔ اس لئے اس نے اپنی مصلحت کے لئے عورتوں کی معمولی تعداد کو پردہ نشینی میں رکھا لیکن نوّے فی صد عورتیں دیہات میں تھیں اور وہ بے پردہ اور آزاد رہیں اور مردوں کے ساتھ کاشت کاری میں حصہ لیتی رہیں۔" حاضرین نے پرزور تالیاں بجائیں۔ سارہ نے اپنا بیان پھر شروع کیا "یہاں موضوع ہے "عورت کے لئے پردہ نشینی لازم ہے"، میں کہتی ہوں کہ عورت پر پردہ نشینی لازم نہیں بلکہ بے پردگی میں پردہ نشینی لازم ہے یعنی وہ بے پردہ رہتے ہوئے سادہ پسند رہے۔ بیہودہ اور بے مصرف بناؤ سنگار سے پرہیز کرے اور معاشرے میں مردوں کے دوش بدوش زندگی کے فرائض ادا کرے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس وقت میں سادہ پوش ہوں اور کسی بناؤ سنگار سے عاری ہوں جب کہ حزبِ موافق کی لیڈر نے بھڑکیلا لباس پہن رکھا ہے اور ان کا بناؤ سنگار انتہائی نمایاں ہے۔ عورت کے لئے پردہ نشینی لازم نہیں بلکہ زندگی کا اخلاقی اور سماجی شعور لازم ہے تاکہ وہ معاشرے میں

بے پردہ رہتے ہوئے سادہ پسند رہ سکے اور جرأت مندی سے اپنی عصمت کی حفاظت کر سکے۔" حاضرین نے پھر مسلسل تالیاں بجائیں سارہ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا: "یہ بیان ہی غلط ہے کہ عورت محض پردہ نشین رہی ہے، عورتوں نے مردوں کے شانہ بہ شانہ سماجی انقلابوں میں حصہ لیا ہے اور اب بھی شہروں میں عورتوں کی بڑی تعداد بے پردہ اور آزاد ہے اور ملکی سیاست میں حصہ لیتی ہے۔

"حزبِ موافق کی لیڈر کا یہ بیان بھی سائنسی حقیقت کے خلاف ہے کہ عورت کی بے پردگی سے معاشرتی قباحتیں پیدا ہوتی ہیں۔ حالانکہ معاشرتی قباحتیں تو استحصالی نظام سے جنم لیتی ہیں جو معاشرے کو تین طبقوں یعنی نچلے طبقے، متوسط طبقے اور اونچے طبقے میں بانٹ دیتا ہے نچلا طبقہ افلاس، جہالت اور غیر صحت مند ماحول کی وجہ سے سماجی قباحتوں میں مبتلا ہوتا ہے، متوسط طبقہ اونچے طبقے کی نقالی میں مبتلا ہو کر سماجی برائیوں میں پھنس جاتا ہے اور اونچا طبقہ دولت کی فراوانی کی بنا پر جرائم کوش، آرام طلب، عیش پسند اور سنگ دل ہوتا ہے۔ آخر میں میں کہوں گی کہ عورت کے لئے پردہ نشینی لازم نہیں ہے بلکہ زندگی کا اخلاقی اور سماجی شعور لازم ہے کہ وہ خود کو پہچان سکے اور معاشرے میں اپنے ارفع مقام سے واقف ہو سکے تاکہ مرد اسے محض جنس کی کی علامت سمجھ لینے کی جرأت نہ کر سکے۔ میں ان الفاظ پر اپنا بیان ختم کرتی ہوں"۔ سارہ سٹیج سے نیچے اتری تو حاضرین نے مسلسل تالیاں بجائیں۔ پرنسپل نے دونوں پروفیسرز سے مشورہ کیا اور اٹھ کر کہا: "خواتین و حضرات! مس سارہ کے دلائل بڑے مضبوط اور خیالات بڑے گہرے تھے۔ انہوں نے اپنے موضوع پر بھرپور روشنی ڈالی ہے اس لئے انعام کی ٹرافی انہیں دی جاتی ہے"۔ سارہ نے سٹیج پر آکر ٹرافی وصول کی پھر کالج کے میوزک ماسٹر نے علامہ اقبال کی نظم "ستارہ" گائی۔ گانا ختم ہونے پر حاضرین اٹھ کھڑے ہوئے۔

یہ موسم سرما کا ایک خوشگوار دن تھا۔ آج دوپہر کو شہر میں سامراجی جبر و استحصال کے خلاف کانگرس اور دوسری سیاسی پارٹیوں کی طرف سے عورتوں کا احتجاجی

جلوس نکلنا تھا۔ حاران، آفاق، سریندر اور کندن نے ایک بجے کھانا کھا لیا اور تیار ہو کر گھر سے نکل پڑے۔ جلوس نے رام باغ سے شروع ہو کر ہال بازار سے گذرتے ہوئے جلیانوالہ باغ کو جانا تھا۔ حاران اور اس کے ساتھی گول ہٹی سے ذرا آگے دو دکانوں کے درمیان خالی جگہ میں کھڑے رہے۔ پندرہ منٹ کے بعد گول ہٹی سے بہت پرے جلوس نمودار ہوا اب جلوس گول ہٹی کے پاس پہنچ چکا تھا۔ جلوس میں شامل ہزاروں عورتوں اور طالبات میں بڑا جوش تھا۔ جلوس کے شروع میں کانگرسی عورتیں مختلف بینر اٹھائے ہوئے تھیں اور "برطانوی سامراج مردہ باد" کے فلک شگاف نعرے لگا رہی تھیں پولیس کی بھاری تعداد جلوس کے دونوں طرف ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ کانگرسی عورتوں اور طالبات کے گروہ کے آخر میں "ہندوستانی انقلابی ایسوسی ایشن" کا بینر نظر آیا اور اپنے گروہ کے آگے رتنا، شیاما، ہربنس کور، نیلم، راج کور، ارملا، پدمنی، لکشمی اور رادیبہ نعرے لگا رہی تھیں۔ ان کے ساتھ بہت سی دوسری طالبات تھیں۔ طالبات نے مختلف بینر اٹھائے ہوئے تھے۔ ایک بینر پر "آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے" لکھا ہوا تھا۔ سارہ اس بینر کے عین نیچے چل رہی تھی۔ سارہ نے ہوا میں مکا لہراتے ہوئے بلند آواز میں کہا: "برطانوی سامراج" تو سب طالبات نے کہا: "مردہ باد" ایسوسی ایشن کے بعد مختلف تنظیموں کے گروہ تھے، جلوس کوتوالی سے آگے نکل گیا اور کوئی مزاحمت نہ ہوئی حاران اور اس کے ساتھی ایک دوسرے راستے سے فوراً جلیانوالہ باغ کو چل دیئے لیکن تمام اہم راستوں کو پولیس نے بند کر رکھا تھا۔

وہ بہت لمبا چکر کاٹ کر ایک گھنٹے کے بعد جلیانوالہ باغ پہنچے وہ ڈائس سے دور تھے۔ اسی لمحے ایک خاتون نے ڈائس پر آکر کہا: اب ہندوستانی انقلابی ایسوسی ایشن کی مجلسِ عاملہ کی رکن محترمہ سارہ محسن اپنے خیالات کا اظہار کریں گی سارہ ڈائس پر آئی اور اس نے کہا: خواتین و حضرات! آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے کسی قوم کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسری قوم کے ملک پر قبضہ کر کے اسے جبر و استحصال

کا نشانہ بنائے، اگر کوئی قوم ایسا کرتی ہے تو اس کا یہ فعل ظلم و استحصال روا رکھنے کا فعل ہے جو اخلاقی، مذہبی اور انسانی لحاظ سے ناجائز ہے۔ اور سینہ زوری کے مترادف ہے اس طرح برصغیر پر برطانوی سامراج کا جابرانہ قبضہ انگریز قوم کی نام نہاد جمہوریت پسندی کی تضحیک ہے!" حاضرین جلسہ نے پرزور تالیاں بجائیں۔ سارہ نے پھر تقریر شروع کی: "ہم برطانوی سامراج کی غلامی سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں اور مکمل آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ میں اہل ہند پر یہ حقیقت واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ ہمارے حصولِ آزادی کی واحد ضمانت ہندو مسلم اتحاد ہے برطانوی سامراج کے اربابِ اختیار انتہائی کوشش کر رہے ہیں کہ ہندو مسلم اتحاد کو ہمیشہ کے لئے پارہ پارہ کر دیا جائے۔ اس لئے ہمیں چوکنا رہنا چاہیئے۔ ورنہ ہمارا خوابِ آزادی ایک خوابِ پریشان بن کر رہ جائے گا۔ یاد رکھیں کہ ہمیں دوہری غلامی یعنی برطانوی سامراج کی غلامی اور مقامی جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی غلامی سے نجات حاصل کرنا ہے!" جب سارہ سٹیج سے نیچے اتری تو حاضرینِ جلسہ نے مسلسل تالیاں بجائیں سارہ کے دل میں آزادی اور علم کے لئے کتنی تڑپ ہے حاران نے سوچا۔

گہری شام کو کرنل رمیش، ونمالا اور شیلا احسن کے ہاں آئے۔ اتفاق سے اس وقت سارہ اور واجدہ وہیں موجود تھیں۔ کرنل رمیش نے جلوس کی قیادت اور جلسۂ خواتین سے خطاب پر سارہ، واجدہ، راشدہ اور احسن کو مبارکباد دی سارہ نے کرنل رمیش اور ونمالا کو جھک کر سلام کیا اور شیلا سے ہاتھ ملایا۔ حاران نے بھی دونوں کو سلام کیا احسن نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ سب ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ کرنل رمیش نے احسن سے ہنستے ہوئے کہا: ہم تو سمجھتے تھے کہ آپ کے ہاں صرف بڑوں بڑوں کے کان کاٹنے والا ہی موجود ہے۔ یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ کے پاس بڑوں بڑوں کے کان کاٹنے والی بھی موجود ہے!" یہ سن کر سب ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ احسن نے کرنل رمیش سے کہا: آپ ٹھیک کہتے ہیں ہمیں بالکل معلوم نہیں تھا کہ سارہ محسن بھی حاران احمد کے نقشِ قدم پر چل

نکلے گی"۔ اسی لمحے راشدہ چائے لے کر اندر آئی۔ سارہ نے چائے بنانے میں راشدہ کا ہاتھ بٹایا۔ سارہ نے چائے کی پیالی ونمالا کی طرف بڑھائی تو اس نے سارہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے شاباش دی۔ سارہ نے مؤدبانہ شکریہ ادا کیا۔

فروری ۱۹۱۹ء میں راجندر اور راحیلہ کی سول میرج بخیر وخوبی سرانجام پائی۔ راحیلہ کی پرورش جدید اور اچھے ماحول میں ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود ایک طرف وہ سادہ پسند تھی اور دوسری طرف ملنسار، شائستہ اور ہنس مکھ تھی۔ اس نے چند دنوں میں سب متعلقین کے دل موہ لئے۔ راجندر اور راحیلہ بہت خوش اور مطمئن تھے۔

حاران اپنے ہم جماعت ہرنام سنگھ کے ساتھ اس کے بھائی بوٹا سنگھ کو دیکھنے گیا جو محاذ جنگ پر اپنے حواس کھو چکا تھا۔ وہ کھلے صحن میں نیم کے درخت کے نیچے ایک چارپائی پر لیٹا تھا۔ اسی لمحے باہر گلی میں کھیلتے ہوئے لڑکوں نے ایک ٹپاخہ چلا دیا۔ بوٹا سنگھ فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا "یہ گن کی آواز کہاں سے آئی ہے"۔ اس کے لاشعور میں محاذ جنگ کا سارا منظر تازہ ہوگیا وہ یک لخت بڑبڑایا "ہر جگہ موت ہے۔ موت ہم سب کو دبوچ لے گی"۔ پھر وہ تیزی سے باہر چلا گیا۔ ہرنام سنگھ نے حاران کو بتایا کہ بوٹا سنگھ اپنے چچا اور ماموں کے ساتھ بھرتی ہو کر محاذ پر گیا۔ اتفاق سے تینوں ایک ہی مورچے پر جنگ لڑ رہے تھے چچا اور ماموں دونوں اس کی آنکھوں کے سامنے جنگ کی بھینٹ چڑھ گئے اور وہ دماغی توازن کھو بیٹھا۔ حاران بڑا مغموم واپس لوٹا۔ راستے میں اسے انسانی معاشرے میں جنگ کے تسلسل کا خیال آیا ابھی بہت لمبے عرصے تک انسان جنگ سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ کیونکہ اگر خیر کی قوتیں بڑھ رہی ہیں تو شر کی قوتیں بھی سرگرم ہیں اس نے ایک پگڈنڈی پر چلتے ہوئے سوچا

آج اتوار کا دن تھا۔ شہر میں برطانوی سامراج کے خلاف ایک بہت بڑا احتجاجی جلوس نکلنا تھا۔ سارے شہر میں مکمل ہڑتال تھی دوپہر کو کمپنی باغ سے جلوس روانہ ہوا لوگ جلوس میں شمولیت کے لئے جوق در جوق آ رہے تھے۔ جلوس کے اگلے حصے

میں کانگرسی لیڈر، اراکان اور دوسرے سرکردہ پیروکار تھے۔ اس کے بعد مجلس احرار کے معتقدین کی تعداد بھی بہت بھاری تھی، پھر ہندوستانی انقلابی ایسوسی ایشن کے ارکان اور دوسرے طالب علم نظر آئے، حاران اور اس کے تمام ساتھی اپنے گروہ کی قیادت کر رہے تھے، یہ جلوس ایک میل لمبا تھا اور بڑے جوش وخروش کا مظاہرہ کر رہا تھا پولیس کی بھاری تعداد جلوس کے ساتھ تھی۔ لوگ فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے "برطانوی سامراج مردہ باد" "ہندو مسلم اتحاد زندہ باد" "لے کے رہیں گے آزادی"۔ یہ بڑی خوشگوار شام تھی۔ بادلوں کے رنگین ٹکڑے نیلے آسمان پر تیر رہے تھے۔ جلوس جلیانوالہ باغ میں پہنچ چکا تھا۔ اس کے بعد حاران اپنے ساتھیوں کے ساتھ پنڈال سے باہر نکل آیا۔

مارچ ۱۹۱۹ء میں مشتاق احسن اور بملا کی سول میرج سرانجام پائی دونوں فریقوں نے شاندار ڈنر دیئے۔ کرنل رمیش کے ہاں پھر شہنائیاں بج اٹھیں۔ مشتاق احسن اور بملا کی شادی بڑی کامیاب رہی، دونوں باہمی عزت و رفاقت سے زندگی بسر کرنے لگے بملا بہت سلجھی ہوئی اور بشاش خاتون تھی۔ اس نے چند دنوں میں گھر کے تمام افراد کو اپنا گرویدہ بنا لیا وہ حاران کو حاران بھیا کہہ کر پکارتی اور اس کی دیکھ بھال کو اپنا فریضہ سمجھتی۔ راشدہ بملا سے بہت خوش تھی۔ نازیہ بملا سے خوب باتیں کرتی۔

۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء بیساکھی کا دن تھا دوپہر کو جلیانوالہ باغ میں رولٹ ایکٹ کے خلاف ایک جلسہ ہو رہا تھا جس میں بیس ہزار لوگ شامل تھے جن میں سکھ، ہندو اور مسلمان مرد عورتیں اور بچے شامل تھے۔ جنرل اڈوائر کے حکم سے باغ کے چھوٹے دروازوں پر فوجی پہرہ لگا دیا گیا اور ایک دروازے میں مشین گن فٹ کر کے نہتے لوگوں پر گولیوں کے سولہ سو راؤنڈ چلائے گئے، اس حادثہ کی خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے ملک میں پھیل گئی اور لوگوں میں غیظ وغضب کی لہر دوڑ گئی، اس حادثہ میں پانچ سو بے گناہ اشخاص مارے گئے اور ایک ہزار سے زیادہ زخمی ہوئے، اس کے بعد مرنے والوں اور زخمیوں کو وہیں چھوڑ دیا گیا، ان زخمیوں کو اس رات پانی کی ایک بوند بھی نصیب نہ ہوئی اور

نہ کوئی طبی امداد بہم پہنچائی گئی۔

دراصل برطانوی سامراج اس تشدد کی بنا پر مقامی آبادی کو ہراساں اور دہشت زدہ کرنا چاہتا تھا اور پنجاب کو آزادی کی لہر سے الگ رکھنا چاہتا تھا لیکن اس کے برعکس آزادی کی تحریک زیادہ زور پکڑ گئی جسے کچلنے کے لئے سامراجیوں نے امرتسر اور لاہور میں اور پنجاب کے کئی دوسرے شہروں میں مارشل لاء لگا دیا۔

جب حالات نارمل ہو گئے تو حاران نے ٹاؤن ہال کے ریڈنگ روم میں گھنٹوں بیٹھ کر اخبارات کا مطالعہ کیا اور مارشل لاء کے دوران کئے گئے مظالم کی ایک واقعی رپورٹ تیار کی۔

اتوار کو ہندوستانی انقلابی ایسوسی ایشن کا اجلاس اجیت سنگھ کے ہاں منعقد ہوا جس میں ایسوسی ایشن کے تمام ارکان موجود تھے۔ اس اجلاس کی صدر مس رتنا کو بنایا گیا۔ رتنا نے اٹھ کر کہا: میں جناب حاران سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ مارشل لاء پر اپنی رپورٹ پیش کریں۔ حاران نے رتنا کے پاس کھڑے ہو کر رپورٹ پڑھنی شروع کی "خواتین و حضرات! جو حقائق مجھے اخبارات سے مل سکے ہیں انہیں میں اپنی اس رپورٹ میں پیش کرتا ہوں۔ جب سامراجیوں نے لوگوں کے جذبۂ آزادی کو زیادہ سے زیادہ بھڑکتے ہوئے دیکھا تو امرتسر لاہور اور پنجاب کے دوسرے کئی شہروں میں مارشل لاء لگا دیا اور حکومت نے جبر و تشدد کے غیر معمولی طریقے اختیار کئے تاکہ بغاوت کی اس تحریک کو کچلا جا سکے۔ سرکاری رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ بیوروکریسی نے ہندو مسلم اتحاد کے پھیلاؤ اور استحکام کو حیرت اور خوف سے دیکھا تھا اور یہ عزم ظاہر کیا گیا تھا کہ حکومت اس اتحاد کو ہمیشہ کے لئے پارہ پارہ کر دینے کے ذرائع پر بڑی بے تابی سے غور کر رہی ہے۔

"پنجاب کا مارشل لاء برطانوی سامراج کی ہذیانی کیفیت کا اظہار کرتا تھا اس مارشل لاء کے دوران بڑے پیمانے پر قتلِ عام کیا گیا۔ ہزاروں جگہوں پر فائرنگ کی گئی، آزادی کے متوالوں کو پھانسی دی گئی، ہوائی جہازوں سے بمباری کی گئی۔ خاص

عدالتوں نے سخت سے سخت سزائیں دیں۔ اور ہر طرف دہشت پھیلا دی۔ ہزاروں لوگوں کو کوڑوں کی سزا دی گئی۔ ہزاروں اشخاص کو جیلوں میں بند کر دیا گیا اس کے باوجود پنجاب کے کئی شہروں میں احتجاجی جلوس نکالے گئے اور احتجاجی جلسے منعقد کئے گئے۔

"فوجی عدالتوں نے رائے عامہ کے نمائندوں اونچے قسم کے تاجروں، وکیلوں اور لیڈروں کو من مانی سزائیں دیں لیکن پنجاب گورنمنٹ نے سزاؤں میں بہت تخفیف کر دی اور بہت سوں کو رہا کر دیا۔ اس کے بعد ملک میں دہشت پسند تحریکیں ابھریں۔

"ایک ضابطہ یہ تھا کہ ہر ہندوستانی باشندہ ہر فوجی گورے کو سلام کرے۔ ایک حکم کے ذریعے تمام شہریوں کے سائیکل، تانگے اور بگھیاں ضبط کر لی گئیں۔ جا بجا ٹکٹکی لگ رہی تھی اور لوگوں کو بید پڑ رہے تھے۔

"مارشل لاء ختم ہوا تو خلافت تحریک شروع ہوئی لیکن افسوس کہ سامراجی بیوروکریسی نے ہندو مسلم اتحاد کو قائم نہ رہنے دیا۔ قومی تحریک کے خاتمے کے بعد ہندو مسلم فساد شروع ہو گیا شدھی تحریک زور پکڑ گئی افسوس صد افسوس کہ اس کے بعد ہندو مسلم اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔" حاران نے رپورٹ تہ کر کے اپنی جیب میں رکھ لی اور اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا تو امجد اٹھا اور اس نے مارشل لاء کے دنوں کا ایک چشم دید واقعہ یوں سنایا: "جیسا کہ جناب حاران جانتے ہیں کہ آرٹلری کا کیپٹن محمود ہماری ایسوسی ایشن کا خفیہ رکن تھا۔ یہاں میں بتاتا چلوں کہ میں نے یہ واقعہ اپنے مکان کی کھڑکی کے شگاف میں سے دیکھا تھا ہماری اوپر کی منزل کی کھڑکی کٹڑہ مہان سنگھ کی ایک گلی کے سامنے کھلتی ہے، بازار میں مسلح گورا فوج کھڑی تھی کیپٹن محمود ایک انگریز آفیسر اور ایک فوجی گورے کے ساتھ اس لمبی گلی میں سے بازار کی جانب آ رہا تھا۔ فوجی گورا سٹن گن اٹھائے ہوئے تھا اچانک ایک مکان سے ایک عورت باہر نکلی جو کسی دوسرے مکان میں جا رہی تھی۔ انگریز آفیسر نے کیپٹن محمود سے کہا کہ وہ اس عورت کو گولی مار دے۔ کیپٹن محمود ہچکچایا تو انگریز آفیسر نے خود عورت کو گولی مار دی کیپٹن محمود نے چشم زدن میں پہلے انگریز آفیسر کو گولی ماری، پھر اسے لمحے فوجی گورے کو بھی گولی مار دی اور اس کی سٹن گن

اٹھا لی۔ انگریز فوج بازار میں دائیں طرف کھڑی تھی اس نے فوراً گلی طے کر کے بازار میں آکر انگریز فوجیوں پر سٹن گن سے فائرنگ شروع کر دی چند سیکنڈ میں پچاس ساٹھ فوجی ہلاک یا زخمی ہو کر گرے۔ جب دو تین گولیاں باقی رہ گئیں تو اچانک ایک فوجی گورے نے گولی چلائی جو کیپٹن محمود کی بائیں کنپٹی پر لگی

اور وہ ایک لمحے میں شہید ہو کر گرا۔ اس کے بعد بڑے بڑے انگریز فوجی آفیسر آئے اور انہوں نے ساری صورتِ حال کا جائزہ لیا اور ایمبولینسوں میں مردہ اور زخمی فوجیوں کو ڈالا گیا۔ اس خبر کو مکمل طور پر دبا دیا گیا۔ لیکن یہ خبر سینہ بہ سینہ ہزاروں لوگوں تک پہنچ گئی۔ جب امجد بیٹھ گیا تو حاران پھر اٹھا اور اس نے کہا: "ہم ہندو مسلم اتحاد کے پارہ پارہ ہو جانے پر سوگوار ہیں اور کیپٹن محمود شہید کو سلام کرتے ہیں۔" رتنا نے اٹھ کر کہا: "اب یہ اجلاس برخاست ہوتا ہے۔" سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ تمام کے چہروں پر ملال چھایا تھا۔

شیلا کو بخار ہو گیا۔ پروفیسر ماتھر شہر کے ایک نہایت تجربہ کار ڈاکٹر کو معائنہ کے لئے گھر لایا ڈاکٹر نے معائنہ کے بعد پروفیسر ماتھر کو علاحدگی میں بتایا کہ شیلا کو ٹی۔ بی ہے جو اپنے آخری درجے تک پہنچ چکی ہے۔ شیلا کا علاج جاری رہا لیکن اس کی حالت روز بہ روز خراب ہوتی گئی۔ حاران ہر روز عیادت کے لئے جاتا رہا۔ کملا اور ماتھر کے سوا شیلا کی اصلی حالت کا کسی کو علم نہ تھا۔ شیلا کو بھی یقین ہو چکا تھا کہ اب وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے گی۔

اپریل ۱۹۲۱؁ء میں بی۔ اے کے امتحان شروع ہونے تھے مارچ کے اواخر سے شیلا بسترِ مرگ پر پڑی تھی تنہائی میں اسے مختلف خیالات اور ماضی کی یادیں گھیر لیتیں۔ جب شیلا تھرڈ ایئر کی طالبہ تھی تو ایک دفعہ وہ انڈین نیشنل کانگرس کے بہت بڑے جلوس میں شامل تھی۔ اس جلوس میں ایک لاکھ سے زیادہ لوگ شامل تھے جن میں ہندو سکھ اور مسلمان عورتوں کا بہت بڑا جتھا بھی تھا۔ وہ جلوس شہر کے مختلف اہم علاقوں سے گزرا جب جلوس چوک فرید میں پہنچا تو شیلا نے ایک سٹول پر کھڑے ہو کر جلوس سے

خطاب کیا تھا۔ شیلا نے کہا:

"خواتین و حضرات! کوئی جابر قوم ایک کمزور قوم کو بہ نوکِ سنگین غلام بنا لیتی ہے لیکن وہ اس قوم سے آزادی کی تڑپ نہیں چھین سکتی چاہے وہ اس قوم کے افراد پر کتنے ہی مظالم ڈھائے۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم اپنی آزادی کی تڑپ کم نہیں ہونے دیں گے۔" اس کے بعد جلوس آگے بڑھا۔

پھر شیلا کے تصور میں ایک یاد تازہ ہوئی یہ اس کی سولہویں سالگرہ تھی اس کی تمام سہیلیاں اور قریبی رشتہ دار جشنِ سالگرہ میں شامل تھے اور اس نے تالیوں کی گونج کے درمیان اپنی سالگرہ کا کیک کاٹا تھا۔ جب سب مہمان چائے پینے کے بعد اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تھے۔ تو شیلا کی سہیلی پدمنی نے ایک کلاسیکل رقص پیش کیا تھا جس نے ساری محفل کو مبہوت کر دیا تھا۔

شیلا کے تصور میں ایک اور یاد ابھری، رات کے نو بجے تھے۔ جب حاران اسے ملنے کے لئے آیا۔ باہر کے گیٹ کے پاس کملا کھڑی تھی حاران نے "خالہ جان! آداب عرض" کہا۔ کملا نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ شیلا بھی پاس ہی کھڑی تھی حاران نے کہا۔ "شیلا میرے ساتھ آؤ! چودھویں کے چاند کا نظارہ کریں۔" شیلا مسکراتی ہوئی اس کے ساتھ ہو لی۔ حاران شیلا کو اپنے لان میں لے آیا۔ سامنے مشرقی افق پر ایک درخت کی جھکی ہوئی شاخوں کے پاس چودھویں کا چاند دمک رہا تھا۔ شیلا نے بے ساختہ کہا "کتنا حسین منظر ہے چاند ایک الوہی حسینہ کی طرح اپنا حسن بکھیر رہا ہے۔ حاران! میں تو سمجھتی ہوں کہ یہ دمکتا ہوا چاند محبت کی علامت ہے، محبت بھی چپکے چپکے دل میں نور بکھیرتی ہے اور انسان کو طمانیت اور سرخوشی کی رفعتوں تک لے جاتی ہے۔" حاران نے کہا: "آپ ٹھیک کہتی ہیں محبت میں چاندنی کی ساحری ہے۔ محبت پھیل کر انسان کے باطنی وجود پر چھا جاتی ہے اور اسے آدرش کی ایک بے لوث لگن دیتی ہے۔" رات کے سناٹے میں حاران اور شیلا دونوں چودھویں کے چاند پر نظریں جمائے کھڑے تھے جیسے وہ ایک مقدس دیوی کی پوجا میں مگن ہوں۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کو خاموش نگاہوں

نے دیکھا، حارًان نے شیلا کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور شیلا نے فرطِ جذبات سے اپنا سر حارًان کے سینے پر رکھ دیا، یہ محبت کی ایک ابدی تصویر تھی جسے شاعر اور مصور دہراتے رہتے ہیں، کملا پانی کا گلاس اور دوائی کی گولیاں لے کر شیلا کے کمرے میں داخل ہوئی تو شیلا چونک پڑی دوائی کھلانے کے بعد کملا کمرے سے باہر نکل گئی شیلا پھر خیالات میں کھو گئی وقت کس سرعت سے زندگی کو اڑائے لئے جا رہا ہے لمحہ لمحہ مجھے موت کی دہلیز کے قریب پہنچا رہا ہے۔ میری زندگی کی مدت کتنی قلیل نکلی۔ میں نے ابھی زندگی کے صحن میں قدم رکھا ہی تھا کہ موت نے دروازے پر دستک دے دی شیلا انہیں دیگر خیالات میں گھری ہوئی سو گئی۔

شام ہونے کو تھی۔ آج شیلا کی حالت بہت خراب تھی۔ اس نے نوکرانی سے کہا: "سوما! باہر کا گیٹ کھولو! حارًان آئے ہیں!" سوما گیٹ تک گئی تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا اسی لمحے آفاق گیٹ کے پاس سے گذرا۔ اس نے سوما سے شیلا کا حال پوچھا۔ تو اس نے سرگوشی کے انداز میں بتایا: "آج شیلا کی حالت بہت خراب ہے!"

آج بی۔ اے کا آخری پرچہ تھا حارًان کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر آرام کرنے کو لیٹ گیا اور اس کی آنکھ لگ گئی، آفاق گھبراہٹ کے عالم میں حارًان کے پاس آیا تو حارًان جاگ اٹھا۔ آفاق نے حارًان سے کہا کہ شیلا کی حالت بہت خراب ہے وہ یہ سنتے ہی شیلا کے مکان کی جانب چل پڑا! وہ باہر کے گیٹ کے پاس گیا تو سوما کھڑی تھی، اس نے فوراً دروازہ کھولا اور حارًان کو ساتھ لے کر شیلا کے کمرے میں داخل ہوئی۔ حارًان نے "شیلا" کہتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے شیلا نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا: "حارًان! بہت اچھا ہوا کہ آپ آ گئے ورنہ میں آپ کو دیکھے بغیر بہت دور چلی جاتی!" حارًان نے شیلا کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا شیلا حارًان کی جانب مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی کہ

اس کی گردن دائیں جانب لڑھک گئی۔ حارًان شیلا کے ہاتھ پر سر رکھ کر سسکنے لگا۔ سوما نے اندر جا کر بتایا تو کملا روتی ہوئی شیلا کی چارپائی کے پاس آئی ماتھر نے حارًان کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور اسے تسلی دینے لگا۔ اتنے میں آفاق بھی آ گیا۔

وہ الٹے پاؤں اپنے گھر آیا اور احسن اور راشدہ کو شیلا کی وفات کی خبر دی احسن اور راشدہ اسی لمحے پروفیسر ماتھر کے گھر آئے۔ جب احسن نے حارًان کو سسکتے ہوئے دیکھا تو وہ اسے سہارا دے کر اپنے گھر لے آیا اور خود پھر واپس چلا گیا۔

حارًان اپنے کمرے میں خاموش بیٹھا تھا لیکن شیلا کی وفات سے اس کے دماغ میں بڑی ہلچل تھی، شیلا کو کل چتا میں جلایا جانا تھا لیکن حارًان نے عالمِ تصور میں ابھی شیلا کو شعلوں میں کھڑے مسکراتے ہوئے دیکھ لیا۔ پھر اس کے دماغ میں زندگی اور موت کے متعلق خیالات کا طوفان اُمڈ آیا۔ زندگی کا انجام فنا ہے تو پھر یہ سارا ہنگامہ کیا ہے شہرت، عزت، دولت، اقتدار اور مسرت سب بے معنی ہیں تو پھر زندگی کا مقصد کیا ہے، زندگی موت کے ہاتھ میں ایک کھلونا ہے، وہ جس وقت چاہے اسے مسل دے زندگی کا کوئی مقصد نہیں وہ چند لمحوں کا تماشا ہے، ایک ہنگامہ آرائی ہے جس کی کوئی غایت نہیں۔ وقت شباب کو اڑائے لئے جا رہا ہے اور جب چاہے اس کی شمعِ فروزاں کو پھونک مار کر بجھا دیتا ہے، وقت انسان کا دشمن ہے، وہ کلیوں کو مروڑ دیتا ہے اور کونپلوں کو مسل دیتا ہے وہ سوچتا چلا گیا۔

آج شیلا کی وفات کو تین دن ہو چکے تھے، رات کے نو بجے تھے، حارًان کمرے کی گھٹن سے گھبرا کر لان میں چلا آیا۔ مشرقی افق پر چودھویں کا چاند ابھرا ہوا تھا۔ وہ سڑک پر چل پڑا اور پروفیسر ماتھر کی کوٹھی کے پاس آیا تو اس نے عالمِ خیال میں شیلا کو گیٹ پر کھڑی پایا۔ وہ مسکراتی ہوئی اس کے ساتھ ہو لی۔ وہ بہت خوش تھی اور بار بار حارًان کے چہرے کی جانب دیکھ رہی تھی، شیلا نے کہا: "اب ہم کبھی جدا نہیں ہوں گے" حارًان نے کہا: "شیلا! آج آپ بہت خوش ہیں!" "حارًان! میں آپ کے ساتھ ہوتی ہوں تو ہمیشہ خوش ہوتی ہوں۔" شیلا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے شیلا حارًان کے پہلو سے غائب ہو گئی اور حارًان ششدر رہ گیا وہ واپس گھر کی طرف مڑا تو اسے یاد آیا کہ شیلا انتقال کر چکی ہے وہ غم سے نڈھال ہو گیا اور جب شیلا کے گھر کے سامنے آیا تو باہر کے گیٹ پر بیٹھ گیا اور سر رکھ کر سسکنے لگا۔ ادھر احسن اور راشدہ اپنے گیٹ

پر کھڑے حاران کو مسلسل دیکھ رہے تھے، جب انہوں نے حاران کو شیلا کے گیٹ پر دیکھا تو وہ فوراً اس کے پاس آئے اور اسے سہارا دے کر اس کے کمرے میں لے آئے اور اسے سہارا دے کر اس کے کمرے میں لے آئے، راشدہ نے احسن کو علیحدگی میں لے جا کر کہا کہ اب حاران کے لئے سارہ کی قربت بہت ضروری ہے ورنہ لڑکا برباد ہو جائے گا۔ احسن اسی وقت واجدہ کے پاس گیا اور اسے صورتِ حال سے آگاہ کیا، واجدہ نے کہا کہ وہ ٹھیک کہتے ہیں وہ ابھی سارہ کو بھیجتی ہے۔

جب سارہ حاران کے کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے لسواری ساڑھی پہن رکھی تھی۔ حاران نے اسے شیلا سمجھ کر اپنے پلنگ پر بیٹھنے کو کہا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ دوسرے ہی لمحے اسے وہ ہاتھ سفید نظر آیا اور اس نے ہاتھ چھوڑتے ہوئے سارہ کی جانب دیکھ کر کہا: "اُف آپ" سارہ نے شیلا کی وفات پر افسوس ظاہر کیا اور کہنے لگی: "زندگی کی طرح موت بھی ایک سنگین حقیقت ہے وہ شخص جس نے وجود کے دائرے میں قدم رکھا ہے اُسے بہر حال عدم وجود کی وادی میں کھو جانا ہے۔" حاران نے کہا: "آپ ٹھیک کہتی ہیں، انسانی زندگی پر موت کا سایہ ضرور پڑتا ہے لیکن اس سے زندگی کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔" سارہ کے آنے سے حاران کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ مایوسی کے اندھیروں سے باہر نکل آیا ہو، سارہ نے کہا کہ اتوار کو اس کے کالج میں ایک مباحثہ ہے جس کا موضوع ہے "تاریخ میں طبقاتی جدوجہد کا سراغ نہیں ملتا" سارہ نے حاران کو آنے کی تاکید کی۔ حاران نے آنے کا وعدہ کیا راشدہ چائے لے کر آئی تو نازیہ بھی ساتھ آگئی وہ بڑے بشاش موڈ میں تھی۔ حاران نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا نازیہ نے فوراً کہا! "بھائی جان! آپ تو غمگین لگتے ہیں۔ سارہ باجی تو ہر وقت مجھ سے آپ کے متعلق باتیں پوچھتی رہتی ہیں۔" پھر کہنے لگی: "آپ تو اس طرح مسکراتے ہیں جیسے میں جھوٹ کہتی ہوں، سارہ باجی سامنے بیٹھی ہیں آپ ان سے پوچھ لیں۔" سارہ نظریں جھکائے شرم کے مارے سرخ ہو گئی وہ چائے پی کر اٹھی اور نازیہ کو ساتھ ہی لے گئی۔

شیلا کی موت نے حاران پر بہت گہرا اثر کیا تھا۔ زندگی میں اس کا یقین ڈانواں ڈول ہو گیا تھا اور اسے کوئی روشن راستہ نظر نہیں آتا تھا جس پر وہ چل کھڑا ہو۔ اس کے ذہن میں ایک خلفشار تھا۔ وہ کمرے سے باہر نکل کر لان میں ٹہلنے لگا۔ اسے اپنے باطنی وجود کی آواز آنے لگی: "نہ شیلا تمہاری منزل تھی اور نہ سارہ تمہاری منزل ہے یہ تو راستے کے مناظر ہیں اور ان مناظر سے علیحدگی ناممکن ہے، موت اہم نہیں، اس لئے کہ وہ ناگزیر اور اٹل ہے، ایک بلند آدرش کے لئے زندگی گذارنا ہی اہم ہے کیونکہ زندگی گریزپا ہے انسانی جسم زمین کا حسین پودا ہے جو پھلنے پھولنے کے بعد زمین ہی میں مل جاتا ہے اس لئے زندگی کا فنا ہونا ایک حقیقت ہے لیکن اس کا کچھ دیر کے لئے قائم رہنا کہیں زیادہ بڑی حقیقت ہے وجود اور عدم وجود کو دیکھ کر مسرور اور مغموم ہونا تمہارے لئے غیر اہم ہے، تمہیں تو اپنے آدرش کے حصول کی دُھن میں مگن رہنا ہے روز

تمہارا آدرش اجتماعی زندگی کو خوب سے خوب تر بنانا ہے

زندگی خیر و شر کی جنگ ہے خیر وہ ہے جو عوام کے لئے نافع ہے اور شر وہ ہے جو عوام کے لئے ضرر رساں ہے۔ زندگی وہ شجر ہے جس کی شاخوں پر انسان کے لئے امید و آرزو کے نت نئے پھول کھلتے ہیں، زندگی کو تغیر سے والہانہ وابستگی ہے موت تغیر ہی کی ایک شکل ہے۔

"تم انفرادی زندگی کا دوام کیوں ڈھونڈتے ہو۔ انفرادی زندگی تو آدرش کے حصول کے سوا کچھ نہیں۔ دوام تو اجتماعی زندگی کو حاصل ہے جس کی محفل میں ہر لمحہ پرانے چراغ بجھتے ہیں اور نئے چراغ جلتے ہیں یہ نکتہ اچھی طرح سمجھ لو کہ زندگی ایک گراں قدر امانت ہے جو فطرت نے تمہیں سونپی ہے اسے تازہ کاری اور خوب تر کے لئے جدوجہد کے بغیر گذار دینا خیانت ہے موت آسان ہے۔ لیکن زندگی کی تمام صعوبتوں اور مشکلوں کا جوانمردی سے مقابلہ کرنا نہایت کٹھن مرحلہ ہے اور اسی پُرعزم مقابلے سے انسانی تمدن و تہذیب کا ارتقا ظہور میں آتا ہے، زندگی کا نظارہ دور سے کرنا اس کی بے ثباتی سے گھبرا جانا۔ اس کے مصائب و آلام سے ڈرنا، اسے

بے غایت اور لایعنی سمجھنا اور اسے مسرّت آمیز اور رنگین گردانا مرنے والی قوموں اور بے مقصد جینے والے افراد کا طریق رہا ہے۔ زندگی تو مصائب سے پنجہ آزمائی، کشمکش، تغیر و حرکت اور خوب سے خوب تر تک رسائی کا نام ہے۔ زندگی کو سمجھ کر گذارنا ایک دشوار مرحلہ ہے جو سائنسی فکر کی رہنمائی کے بغیر طے نہیں ہوتا۔ زندگی کو سمجھ لینا زندگی کے آدرش کو پالینا ہے اور زندگی کا آدرش انفرادی اور اجتماعی کوششوں سے معاشرے کو بہتر تقلیب کی جانب لے جانا ہے۔

"تم اپنے لئے زندہ رہتے ہو تاکہ دوسروں کے لئے زندہ رہ سکو یہی روشنی کی لکیر ہے جو تمہیں زندگی کو سمجھ کر گذارنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ زندگی کو سمجھ کر گذارنے کے لئے ضروری ہے کہ تمہارے پیش نظر زیادہ سے زیادہ دولت کی بجائے قناعت زیادہ سے زیادہ عیش و آسائش کی بجائے اعتدال و طمانیت، زیادہ سے زیادہ فیشن پرستی کی بجائے اعتدال اور امارت کی بجائے جوہر قابل رہے غیر افادی زندگی موت کے مترادف ہے۔ تم اپنے آدرش کا راستہ کسی حالت میں نہ چھوڑو ورنہ بھٹک جاؤ گے۔" حاران اپنے باطنی وجود کی آواز سن کر سہم گیا۔ لیکن اس پر طمانیت آفرین اثر ہوا۔ جب وہ اپنے کمرے میں آکر سونے لگا تو بہت دیر تک اس کے کانوں میں کئی جملے گونجتے رہے آخر اسے نیند نے آدبوچا۔

وہ صبح سویرے اٹھ کر حسب معمول سیر کو گیا اور ناشتہ کرتے ہوئے پہلے کی طرح بشاش نظر آیا۔ حاران کو پہلے کی طرح بشاش دیکھ کر راشدہ نے علیحدگی میں احسن سے کہا کہ دیکھا سارہ کی قربت کا اثر حاران پر کتنا اچھا ہوا ہے احسن نے کہا کہ واقعی محسوس تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

اتوار کی سہ پہر کو گورنمنٹ کالج کے ہال میں بہت چہل پہل تھی طلبا اور طالبات ہال کو آراستہ کر رہے تھے ہال کے دروازے پر ایک بینر پر لکھا تھا۔

آج یہاں سہ پہر کو مباحثہ ہو گا۔

موضوع: "تاریخ میں طبقاتی جد و جہد کا سراغ نہیں ملتا"

حزب موافق کا لیڈر: مسٹر رام ناتھ

حزب مخالف کی لیڈر: مس سارہ محسن۔

سٹیج پر پرنسپل دو پروفیسروں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ہال طلبا اور طالبات سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا جب حاران اور آفاق ہال میں داخل ہوئے تو دونوں فریقوں کے ارکان تقاریر کر چکے تھے اور حزب موافق کا لیڈر مسٹر رام ناتھ سٹیج پر آیا اس نے کہا: صاحب صدر! مشہور تاریخ دان ٹوئن بی کے فلسفۂ تاریخ کے مطابق تاریخ میں طبقاتی جد و جہد کا سراغ نہیں ملتا بلکہ مختلف ادوار میں مختلف تہذیبوں کا تصادم ملتا ہے جب ایک تہذیب انحطاط پذیر ہوتی ہے تو تھوڑے سے تصادم کے بعد ایک ابھرتی ہوئی طاقتور تہذیب اس کمزور تہذیب پر اپنا تسلط جما لیتی ہے اور اسے پس منظر میں دھکیل دیتی ہے۔ ابھرتی ہوئی تہذیبوں کے سربراہ بادشاہ ہوا کرتے تھے جو آپس میں متصادم ہو کر ایک دوسرے کو زیر کر لیا کرتے تھے۔ تاریخ بے ہنگم واقعات کا ایک طومار ہے جس میں معانی ڈھونڈنا ایک بے سود کوشش ہے۔ آپ تاریخ پر نظر ڈالیں تو آپ کو خونریز جنگوں، عیاشیوں، قتل و غارت اور ہوس و فریب کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ انسان نے طبقوں کی شکل میں نہیں بلکہ مطلق العنان بادشاہوں کی سرکردگی میں اپنے ہی ہم جنسوں کے خلاف جنگیں لڑی ہیں اس لئے تاریخ میں طبقاتی جد و جہد کا سراغ لگانا ایک کار عبث ٹھہرتا ہے۔ میں انہی الفاظ پر اپنا بیان ختم کرتا ہوں۔" رام ناتھ سٹیج سے نیچے اتر گیا۔ اس کے بعد حزب مخالف کی لیڈر مس سارہ محسن سٹیج پر آئی اور اس نے کہا: "صاحب صدر! حزب موافق کے لیڈر نے ٹوئن بی جیسے بورژوا تاریخ دان کا سہارا لے کر تاریخ کا ایک غیر سائنسی نظریہ پیش کیا ہے، تاریخ کی حرکت تکراری حرکت نہیں بلکہ ایک ترقی پذیر حرکت ہے، تاریخ کا ارتقا ہی انسان کا سماجی ارتقا ہے۔ غلام داری سماج سے لے کر آج تک تاریخ طبقاتی جد و جہد کی تاریخ رہی ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں طبقے رہے ہیں اور طبقاتی جد و جہد رہی ہے، آج سرمایہ داری نظام کے عہد میں جاگیردار اور کسان اور سرمایہ دار اور مزدور کے طبقے واضح طور پر پہلے

سامنے آگئے ہیں اور لوگوں کے ذہنوں میں طبقاتی شعور پوری طرح اجاگر ہو چکا ہے ہر تہذیب اپنے دَور کے طبقوں کی نمائندگی کرتی رہی ہے، بادشاہ استحصال پسند طبقے کی نمائندگی کرتے تھے۔ وہ عوام کے نمائندے نہیں تھے۔" حاضرین نے پُر زور تالیاں بجائیں سارہ نے اپنا بیان پھر شروع کیا: "تاریخ بے ربط اور بے معنی واقعات کا انبار نہیں بلکہ تاریخی واقعات میں ایک ربط اور ایک استدلال پایا جاتا ہے، تاریخ کے اپنے قوانین ہیں اور وہ علت و معلول کا ایک سلسلہ ہے۔ تاریخ کو بے ہنگم واقعات کا ایک طومار کہہ کر حزبِ موافق کے لیڈر نے تاریخ سے اپنی لاعلمی کا ثبوت دیا ہے" حاضرین نے پھر تالیاں بجائیں۔ سارہ نے اپنا بیان پھر شروع کیا "صاحبِ صدر! تاریخ بتاتی ہے کہ طبقاتی جد وجہد سے انسانی معاشرے میں کئی انقلاب برپا ہوئے غلام داری سماج میں غلاموں کی طبقاتی جد وجہد سے ایک سماجی انقلاب برپا ہوا اور جاگیرداری سماج ظہور میں آیا۔ اس کے بعد جاگیرداری سماج میں کسانوں اور مالدار تاجروں کی طبقاتی جد وجہد سے ایک نیا سماجی انقلاب برپا ہوا جسے انقلاب فرانس کہتے ہیں اور اس طرح موجودہ سرمایہ داری نظام قائم ہوا۔ پھر پیرس کے مزدوروں نے اپنی طبقاتی جد وجہد سے پیرس میں اپنی حکومت قائم کر لی جسے پیرس کمیون کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ پہلی سوشلسٹ حکومت صرف اڑھائی ماہ تک قائم رہی لیکن انسانی معاشرے پر اپنے گہرے اثرات چھوڑ گئی۔ پھر ۱۹۱۷ء میں روس میں کسانوں، مزدوروں اور دانشوروں کی طبقاتی جد وجہد سے سوویٹ سوشلسٹ انقلاب برپا ہوا صاحبِ صدر! حزبِ موافق کے لیڈر کے دلائل بے بنیاد اور تاریخی حقائق کے خلاف ہیں، طبقاتی جد وجہد انسانی تاریخ کا محور رہی ہے اور عصرِ حاضر میں بھی طبقاتی جد وجہد اپنے واضح خد و خال کے ساتھ سامراجی قوتوں اور عوامی قوتوں کی کشمکش کی شکل میں موجود ہے، میں ان الفاظ پر اپنا بیان ختم کرتی ہوں۔" جب سارہ سٹیج سے نیچے اتری تو حاضرین نے مسلسل تالیاں بجائیں پرنسپل دونوں پروفیسروں سے مشورہ کر کے اٹھا اور اس نے کہا: "چونکہ حزبِ

مخالف کی لیڈر مس سارہ محسن کے دلائل نہایت ٹھوس اور عالمانہ ہیں اس لئے ٹرافی انہیں دی جاتی ہے۔" سارہ نے سٹیج پر آکر ٹرافی وصول کی اور پرنسپل کا شکریہ ادا کیا سب حاضرین اٹھ کھڑے ہوئے۔

کالج کے احاطے میں احسن، راشدہ، کرنل رمیش، ونمالا، حاران، آفاق، سارہ، سریندر اور کنور اکٹھے ہوئے تو کرنل رمیش نے سارہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر شاباش دی اور احسن سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ وہ نہ کہتا تھا کہ اب ہمارے ہاں بڑوں بڑوں کے کان کاٹنے والی بھی پیدا ہو گئی ہے، اس پر سب خوب ہنسے۔

ستمبر کے اوائل میں بی۔اے کا نتیجہ نکلنا تھا۔ آج حاران، آفاق، سریندر اور کنور سب صبح سویرے سے احسن کی کوٹھی کے سامنے ہاکر کا انتظار کر رہے تھے یونہی ہاکر نظر آیا آفاق نے دوڑ کر اس سے اخبار لیا۔ جب اخبار کی ایک سرخی پر اس کی نظر پڑی تو وہ خوشی سے اچھلا اور اخبار حاران کو دے کر گھر کے اندر بھاگ گیا۔ اس نے راشدہ کو بتایا کہ حاران بھیا بی۔اے میں پنجاب بھر میں اوّل رہے ہیں۔ راشدہ نے احسن کے کمرے میں جا کر اسے یہ خبر سنائی وہ ششدر رہ گیا اور کہنے لگا کہ واقعی حاران ایک انتہائی غیر معمولی نوجوان ہے۔ راشدہ نے کہا کہ شکر ہے، ہمارے بیٹے کو خدا نے پھر سرخرو کیا۔

حاران نے سب کے رول نمبر دیکھے، آفاق، سریندر، کنور اور میرا نے فرسٹ ڈویژن حاصل کی تھی اور سارہ نے فرسٹ ڈویژن بھی حاصل کی اور اپنے کالج میں بھی فرسٹ آئی۔!

حاران کے پنجاب بھر میں فرسٹ آنے کی خبر تمام گھروں میں پھیل گئی کرنل رمیش نے ہفتے کی شام کو حاران کے اعزاز میں پارٹی دی   ، پارٹی میں سب مہمان چھوٹے چھوٹے گروہوں میں کھڑے تھے۔ لیکن حاران ایک کونے میں خاموش اور تنہا کھڑا چائے پی رہا تھا۔ شیلا کی یاد نے اسے مغموم کر دیا تھا۔ لان میں سٹیج پہلے ہی بنا دیا گیا تھا۔ کرنل رمیش نے سٹیج کے پاس آکر کہا کہ اب اس کی بیوی ونمالا کتھک ناچ پیش کریں گی۔ ونمالا نے اپنے رقص سے حاضرین کو مبہوت کر دیا۔ رقص ختم ہوا

توسب مہمانوں نے مسلسل تالیاں بجائیں اور کرنل رمیش اور ونمالا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے الوداع کہا۔ حاران نے دونوں کو تسلیم کہا اور شکریہ ادا کیا۔ راشدہ اور احسن بھی پاس کھڑے تھے۔ کرنل رمیش نے حاران سے کہا: "بھائی! معلوم ہوتا ہے کہ تم بڑوں بڑوں کے کان کاٹتے ہی جاؤ گے، تم باز آنے والے نہیں!" یہ سن کر سب ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

اتوار کی صبح کے دس بجے احسن کے ہاں ایسوسی ایشن کا اجلاس ہو رہا تھا جس کی صدارت مس سارہ محسن کر رہی تھی۔ اجلاس میں تمام ارکان شامل تھے سب سے پہلے ایک ریزولیوشن پاس کیا گیا جس میں کامریڈ شیلا کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ اس کے بعد سارہ نے حاران سے کہا کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں حاران نے سارہ کے پاس کھڑے ہو کر کہا! "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ حضرات سے جدا ہو رہا ہوں، کیونکہ مجھے گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم اے (فلسفہ) کے لئے داخلہ لینا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری عدم موجودگی میں آپ ایسوسی ایشن کو زندہ رکھیں اور اس کے لئے منظم طور پر کام کریں، میں آپ حضرات کی اجازت سے کہوں گا کہ مس سارہ محسن کو ایسوسی ایشن کی صدر مسٹر کپور کو جنرل سیکرٹری اور مس رتنا کو سیکرٹری بنا دیا جائے"۔ سب ارکان نے حاران کی تجاویز کو منظور کر لیا۔

حاران نے پھر کہنا شروع کیا: "انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک انفرادی پہلو اور دوسرا اجتماعی پہلو ان دونوں پہلوؤں کو برابر کی اہمیت دے کر ان کے تصادم کے امکان کو دور کیا جا سکتا ہے۔ معاشرے کا محور حکومت نہیں بلکہ انسان ہے فرد کی اپنی امنگیں آرزوئیں اور رجحانات ہوتے ہیں جسے وہ عزیز سمجھتا ہے اسے ان کے اظہار کی آزادی ہونا چاہیئے تاکہ وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کی پرورش اور ان کا اظہار کر سکے۔ لیکن یہاں فرد کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ معاشرے کا ایک حصہ ہے اور معاشرے کے مفادات سے بالا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اسے اپنی امنگوں اور رجحانات کا اظہار معاشرے کی مجموعی فلاح و بہبود کو پیشِ نظر

رکھ کر کرنا چاہیئے۔ دوسری طرف معاشرے کے ارباب اختیار کو چاہیئے کہ وہ نئے رجحانات اور جدیدیت کو قبول کریں اور فرد کو آزادی دیں کہ وہ اپنے نئے رجحانات کا اظہار کھلے بندوں کر سکے، فرد کے کسی نئے رجحان دبایا نہ جائے بلکہ اسے عام تنقید کا موضوع بنایا جائے اور اس کی افادیت اور عدم افادیت کو زیر بحث لایا جائے کیونکہ تنقید کے ذریعے فرد کے نئے خیالات اور رجحانات کو جانچا جاتا ہے کہ آیا وہ سائنسی فکر کے خلاف اور معاشرے کی مجموعی ترقی و بہبود کے لئے ضرر رساں تو نہیں ہیں خود تنقیدی کے ذریعے فرد خود اپنا محاسبہ کرتا ہے کہ آیا اس کے افکار و اعمال معاشرے کے مفادات کے تحت ہیں اور وہ زیادہ سے زیادہ دولت اور زیادہ سے زیادہ عیش و آسائش کے حصول کے بھنور میں گرفتار تو نہیں، کیونکہ جب کسی قوم کے افراد زیادہ سے زیادہ دولت اور زیادہ سے زیادہ عیش و آسائش کے حصول کے پیچھے پڑ جاتے ہیں تو وہ قوم مجموعی طور پر انحطاط پذیر ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہمیں معاشرے کے مفاد کے حوالے سے اپنے افکار و اعمال کا جائزہ لیتے رہنا چاہیئے۔ ہمیں دولت اور عیش و آسائش کے حصول کی دُھن میں معاشرے کے مجموعی مفاد کو کسی حالت میں اور کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ ہماری ایسوسی ایشن قائم اور سرگرم رہے گی"۔ حاران اپنی جگہ پر بیٹھ گیا تو سارہ نے کہا: "ہم جناب حاران کے شکر گذار ہیں۔ کہ انہوں نے فرد اور معاشرے کے رشتے پر سائنسی نقطہ نظر سے روشنی ڈال کر ہماری رہنمائی کی ہے اب یہ اجلاس برخاست ہوتا ہے"۔

ہفتے کی سہ پہر کو جیمخانہ کلب کے سرسبز و سیع لان پہ مالینی اور امرتا کے درمیان ٹینس کا میچ ہوا۔ گنیش سٹریٹ کے بہت سے لوگ وہاں موجود تھے کلب میں آرکسٹرا ایک دلکش دھن بجا رہا تھا۔ مہمان چائے اور دوسرے مشروبات پی رہے تھے۔ میچ بڑا دلچسپ رہا اور امرتا جیت گئی۔ گنیش سٹریٹ کے تمام لوگوں نے پروفیسر جوگندر سنگھ اور مسز جوگندر کو مبارکباد دی جب امرتا نے

ٹرافی وصول کی تو حاضرین نے مسلسل تالیاں بجائیں۔

حاران کو ایف۔ اے سے سکالرشپ مل رہا تھا۔ اس لئے اس کی پڑھائی کا بوجھ احسن پر نہ تھا۔ ستمبر کے وسط میں وہ گورنمنٹ کالج میں ایم۔ اے (فلسفہ) میں داخلہ لینے کے لئے لاہور چلا گیا۔

ڈاکٹر حاران کو سڑک پر پڑے ہوئے ایک پتھر سے ٹھوکر لگی تو وہ اپنے خیالات سے چونک پڑا وہ ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گیا۔ جیل کے دروازے کے کھلنے کی آواز آئی اور ایک وارڈر چائے لے کر سیڑھیاں اترا۔ کلاک نے رات کے دس بجائے۔ ڈاکٹر حاران چائے پیتے ہوئے پھر یادوں میں کھو گیا۔ وہ عالمِ خیال میں پتھر سے اٹھ کر سڑک پر چلنے لگا۔

---

(۶)

گورنمنٹ کالج لاہور کے لان میں طلبا چھوٹے چھوٹے گروپ بنا کر کھڑے تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ حاران بھی دلیپ چند، سجاد حسین اور مہندر سنگھ کے ساتھ اپنا ایک گروپ بنا کر کھڑا تھا۔ پاس ہی طالبات دو گروپوں میں کھڑی تھیں۔ ایک گروہ کی طالبہ وجینتی نے کامنی سے سرگوشی میں کہا کہ وہ حسین لڑکا کون ہے کامنی نے بتایا "وہ حاران احمد ہے اور ایم اے (فلسفہ) کا طالب علم ہے۔ جس نے میٹرک ایف اے اور بی۔ اے میں پنجاب بھر میں ٹوپ کیا ہے۔ اور ایف۔ اے سے اب تک سکالرشپ لے رہا ہے، ہندوستانی انقلابی ایسوسی ایشن کا صدر ہے۔ جیل بھی کاٹ چکا ہے، بلا کا ذہین ہے۔ وجینتی نے کہا کہ پھر تو اس سے تعلقات بڑھانا چاہیئے۔ کامنی نے کہا کہ وہ ایسے قابل لڑکے سے ضرور تعلقات پیدا کریں گی۔

پھر دو لڑکے حاران سے ملے۔ ایک لمبے سے لڑکے نے کہا: "مجھے مکیش کہتے ہیں۔ میں آپ کا تعارف مسٹر ورما سے کرا رہا ہوں جو یہاں کی حزب موافق کے لیڈر ہیں۔" حاران نے بڑھ کر ورما سے ہاتھ ملایا۔ تمام طالب علم اپنی کلاسوں کو جانے لگے، حاران کا گروپ بھی اپنی کلاسوں کو چل دیا۔

یہاں بھی حاران کی زندگی کا معمول وہی تھا جو امرت سر میں تھا۔ وہ صبح سویرے اٹھ کر سیر کو جاتا۔ جمناسٹک ورزش کرتا اور دوسری مصروفیات کے باوجود جم کر مطالعہ کرتا۔ اس کی نظریں اپنے آدرش پر جمی ہوئی تھیں۔ ہوسٹل میں اسے

ایک چھوٹا سا کمرہ ملا ہوا تھا۔ جس میں وہ اکیلا رہتا تھا۔ آج اتوار کا دن تھا، دس بجے کے قریب دلیپ چند اور سجّاد حسین آ گئے، حاران نے ان سے کہا کہ یہ بہت اچھا ہوا کہ وہ آ گئے۔ اسے ان سے ایک انتہائی اہم بات کہنا تھی۔ جب وہ دونو کرسیوں پر بیٹھ گئے تو حاران نے کہا: "نوجوان نسل میں انقلابی شعور پیدا کرنے کے لئے ہم نے امرت سر میں ہندوستانی انقلابی ایسوسی ایشن قائم کر رکھی ہے جو بہت سرگرمِ عمل ہے، میں چاہتا ہوں کہ ہم یہاں بھی ایسوسی ایشن کی شاخ قائم کریں۔ اور اس کے لئے ہمیں ایسے طلبا اور طالبات پر نظر رکھنا ہوگی جو ہمارے ہم خیال ہوں اور فرض شناس ہوں۔" دلیپ نے کہا کہ یہ خیال تو بہت اچھا ہے وہ آج ہی سے اس سلسلے میں کوشش شروع کر دیں گے۔ سجّاد نے دلیپ کی تائید کی۔ سجاد اور دلیپ جانے کو اٹھے تو سجاد نے کہا: "حاران بھیّا جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔ اگلی اتوار کو ہماری ہاکی ٹیم کا میچ ہے۔ اس سلسلے میں جمعہ کی سہ پہر کو دلیپ کے ہاں ٹیم کی ایک میٹنگ ہوگی۔ جس میں کھلاڑیوں اور کپتان کا انتخاب کیا جائے گا۔ میں آپ کو خود آ کر لے جاؤں گا۔" حاران نے کہا کہ وہ چار بجے تیار رہے گا سجاد اور دلیپ دونوں چلے گئے۔

دوسرے دن حاران کالج کے احاطے میں لائبریری کی جانب جا رہا تھا تو پاس سے گذرتی ہوئی ایک طالبہ نے اسے سلام کیا حاران نے اس کا نام پوچھا۔ طالبہ نے کہا کہ اسے کامنی کہتے ہیں اور وہ ایم۔ اے (انگلش) کی طالبہ ہے حاران نے کہا کہ اس سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ کامنی نے کہا: "میں نے آپ کو صبح سویرے سیر کے لئے جاتے دیکھا ہے۔ اس وقت میں اپنی کار میں لارنس گارڈن کو جا رہی ہوتی ہوں۔ اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کو اپنے ساتھ لے چلا کروں۔" حاران نے کہا اگر وہ اس پر کرم نوازی کر رہی ہیں تو اسے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ کامنی نے کہا کہ بات پکی رہی۔ وہ صبح پانچ بجے ہوسٹل کے باہر مل جایا کریں۔ اس نے خدا حافظ کہا کامنی کے جانے کے بعد حاران

پھر لائبریری کی طرف چل پڑا لیکن کچھ قدم چلنے کے بعد اسے سجّاد مل گیا وہ حاران سے کہنے لگا آیا وہ کامنی کے پس منظر کو جانتے ہیں۔ حاران نے نفی میں جواب دیا۔ سجاد نے بتایا کہ کامنی شہر کے بڑے رئیس سیٹھ سری نواس کی بیٹی ہے وہ بہت ذہین اور ترقی پسند خیالات کی کامل ہے اس کے علاوہ ٹینس کی کھلاڑی اور پیانو بجانے میں ماہر اور انتہائی شائستہ خاتون ہے اور اس کی سہیلی جینتی کلاسیکل موسیقی میں ماہر ہے وہ بھی ترقی پسند خیالات رکھتی ہے۔ حاران نے کہا کہ پھر تو وہ دونوں ہماری ایسوسی ایشن میں شامل ہو سکتی ہیں۔ حاران نے مزید کہا کہ وہ ایک دو ملاقاتوں کے بعد کامنی سے ایسوسی ایشن کا ذکر کریگا سجاد نے کہا: "حاران بھیّا! وہ تو ہماری شکار تھیں لیکن آپ لے گئے۔ چلو ہم دوسرے شکار ڈھونڈ لیں گے۔" وہ دونوں ہنس پڑے اور اپنے اپنے راستے پر ہو لئے۔

حاران رات کو حسبِ معمول بارہ بجے لیٹا اور بہت جلد سو گیا۔ لیکن اسے ایک عجیب خواب نے گھیر لیا: وہ ہاتھ میں پرچم لئے طوفانِ بادوباراں کے درمیان ایک پہاڑ پر چڑھنے اور اس کی چوٹی پر پرچم گاڑنے کی دُھن میں تھا۔ اس کے اردگرد بادل گرج رہے تھے۔ اور بجلیاں کوند رہی تھیں، وہ کافی راستہ طے کر چکا تھا تو اس کی نظر راستے کے پاس ہی ایک جھونپڑی پر پڑی جس کے دروازے میں ایک حسین دوشیزہ کھڑی تھی۔ دوشیزہ نے حاران سے کچھ دیر اس کی جھونپڑی میں ستانے کو کہا۔ لیکن حاران نے کہا: "نہیں! میں نہیں رک سکتا۔ مجھے آگے بڑھنا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا اور اس نے کافی راستہ طے کر لیا۔ بادوباراں کا طوفان برابر جاری تھا۔

پھر اس کی نظر ایک اور جھونپڑی پر پڑی جس کے دروازے میں ایک بوڑھی خاتون ہاتھ میں دودھ کا گلاس لئے کھڑی تھی۔ اس نے حاران سے کہا: "بیٹا! یہ دودھ پیتے جاؤ!" لیکن حاران نے کہا: "نہیں! میں نہیں رک سکتا۔ مجھے آگے بڑھنا ہے۔" وہ آگے بڑھ گیا اور اس نے کافی راستہ طے کر لیا۔ مغرب میں

کالے بادل امنڈ رہے تھے، جنہوں نے اس کے راستے کو کسی حد تک تاریک کر دیا وہ اور آگے بڑھا تو اسے پھر ایک جھونپڑی نظر آئی جس کے دروازے میں ایک بوڑھا آدمی کھڑا تھا۔ اس نے حاران سے کہا کہ "وہ اس کی جھونپڑی میں رات گزارلے" حاران نے کہا "نہیں! میں نہیں رک سکتا۔ مجھے آگے بڑھنا ہے۔" وہ آگے بڑھ گیا اور آگے بڑھتا گیا اب چوٹی کچھ زیادہ دور نہ تھی۔ لیکن طوفانِ باد و باراں تیز ہو گیا حاران نے دائیں ہاتھ میں تھامے ہوئے پرچم کو اونچا کر کے عالمِ جوش میں کہا۔

اے گرجتے ہوئے بادلو! دھماکوں سے گرجو! اے کوندتی ہوئی بجلیو! اپنی کڑک سے دلوں کو دہلادو لیکن تم مجھے خوف زدہ نہیں کر سکتے۔ بلند آدرش اور مضبوط ارادے نے مجھے تمہارا ہی ایک حصہ بنا دیا ہے۔ میں بھی ایک گرجتا ہوا طوفان ہوں۔" وہ لگاتار کوندتی ہوئی بجلیوں کی روشنی میں پہاڑ پر چڑھتا گیا کچھ دیر کے بعد وہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا تھا اور اس نے اپنا پرچم پہاڑ کی چوٹی کے سینے میں گاڑ دیا تھا۔ اسی لمحے حاران کی آنکھ کھل گئی وہ چارپائی پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسے ایسے محسوس ہوا کہ اس کا ذہن آسودہ ہو۔ اس نے ٹائم پیس پر نظر ڈالی تو اڑھائی بجے تھے وہ پھر سو گیا۔

حاران صبح سویرے پانچ بجے ہوسٹل کے باہر ابھی کھڑا ہوا ہی تھا کہ کامنی کار میں آ گئی اور حاران اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ لارنس گارڈن پہنچ کر کامنی الگ سیر کرتی رہی، اتنی دیر میں حاران نے اپنی جمناسٹک ورزشیں پوری کر لیں۔ پھر وہ دونوں پھولوں کی کیاریوں اور سبزے کے پاس سیر کرتے رہے۔ کامنی نے کہا "مسٹر حاران! کیا ہمیں انسان کے اخلاقی ارتقا کے لئے معاشرے کی تشکیل نو نہیں کرنی پڑے گی! آپ کا خیال کیا ہے؟" حاران نے کہا "آپ کا خیال درست ہے۔ معاشرے کی تشکیل نو یقیناً کرنی پڑے گی"۔ کامنی نے کہا کہ اس کا مطلب ہے وہ اس کے ہم خیال ہیں۔ حاران نے کہا "مس کامنی! مجھے پہلے ہی سے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ ترقی پسند خیالات رکھتی ہیں۔ اب تو آپ کی زبانی تصدیق بھی ہو

گئی۔ ہم نے امرتسر میں "ہندوستانی انقلابی ایسوسی ایشن" بنا رکھی ہے جو لوگوں میں زندگی کا انقلابی شعور پیدا کرنے کے لئے سرگرم عمل ہے۔ کل میں نے سجاد حسین اور دلیپ چند کو کہا تھا کہ ہمیں ایسے طلبا اور طالبات پر نظر رکھنا چاہیئے جو ترقی پسند خیالات رکھتے ہوں اور فرض شناس ہوں۔" کامنی نے کہا "میں اس ایسوسی ایشن کے قیام کی خبر سن کر بہت خوش ہوں۔ آپ مجھے اور میری سہیلی دجینتی کو ایسوسی ایشن کا ممبر سمجھیں اور تین چار دن کے اندر میں اور دجینتی چھ لڑکیوں کو ممبر بنائیں گی۔ میں یہ بھی درخواست کرتی ہوں کہ اجلاس میرے ڈرائنگ روم میں ہوا کریں۔ کیونکہ وہاں مائک کی سہولتیں مہیا ہیں۔" حاران نے کامنی سے کہا کہ ان سے ملاقات بہت مفید رہی۔ اب انہیں واپس چلنا چاہیئے۔

جب کامنی کار میں ہوسٹل کے پاس آئی تو اس نے کہا کہ آج وہ ناشتہ اس کے ساتھ کریں گے اور اس کا گھر اور ڈرائنگ روم بھی دیکھیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد کار ایک عالی شان کوٹھی میں داخل ہوئی۔ پورچ میں پہلے ہی دو کاریں کھڑی تھیں اس لئے کامنی نے اپنی کار کو پورچ سے باہر ٹھہرایا اور ہارن بجایا۔ حاران اور کامنی بڑے دروازے کے پاس پہنچے تو خادمہ نے دروازہ کھولا۔ حاران نے ڈرائنگ روم میں آ کر دیکھا کہ اس میں کم از کم تیس آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ کامنی نے خادمہ کو ناشتہ بہت جلد لگانے کے لئے کہا۔

کامنی حاران کو واپس چھوڑ کر آئی تو خادمہ سے کہا کہ وہ دجینتی کو بہت جلد بلا لائے۔ تھوڑی دیر کے بعد دجینتی آئی تو دونوں نے گلے مل کر ایک دوسرے کو پیار کیا۔ کامنی نے کہا کہ مسٹر حاران تو ابھی اس کے ہاں ناشتہ کر کے گئے ہیں دجینتی نے تعجب سے کہا کہ اس نے اتنی جلدی میدان مار بھی لیا۔ کامنی نے اداس لہجے میں کہا "نہیں دجینتی! میں نے مسٹر حاران کو اچھی طرح سٹڈی کر لیا ہے۔ وہ انتہائی مضبوط کردار کا لڑکا ہے وہ حسن، دولت اور ظاہری شان و شوکت کے فریب میں آنے والا نہیں۔ اس سے تو ذہنی رشتہ ہی استوار رہے گا

ہیں اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہوں، ہاں! تمہارے لئے ایک بڑی دلچسپ خوشخبری ہے۔ مسٹر حاران یہاں "ہندوستانی انقلابی ایسوسی ایشن کی شاخ قائم کر رہے ہیں۔ یہ ایسوسی ایشن امرتسر میں سرگرم عمل ہے۔ اب ہمیں ایسی طالبات تلاش کرنا ہوں گی، جو ترقی پسند خیالات رکھتی ہوں اور فرض شناس ہوں۔" وجینتی نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "یہ تو بہت اچھا ہوا۔ ہمیں ذہنی سرگرمیوں کے لئے ایک مرکز مل جائے گا۔ میں تو کل ہی سے طالبات کو جانچنے کی مہم شروع کر دیتی ہوں۔ اچھا اب میں چلتی ہوں۔" وجینتی بھی سیٹھ رام پرکاش کی بیٹی تھی اور بڑی نیک دل تھی۔

کالج کے احاطے میں دلیپ چند کو اس کے دو دوست ملے اور انہوں نے کھتری سٹار ہاکی ٹیم کے انتخاب کے متعلق پوچھا۔ دلیپ چند نے بتایا کہ ٹیم کے ارکان کا انتخاب ہو گیا ہے اور ایم۔اے (فلسفہ) کے طالب علم حاران احمد کو کپتان چنا گیا ہے۔ پھر وہ اپنے اپنے راستے پر ہو لئے۔

اتوار کو کالج کے کھیل میدان میں سناتن دھرم ہاکی ٹیم اور کھتری سٹار ہاکی ٹیم کا مقابلہ شروع ہوا۔ پرنسپل، تمام پروفیسر اور ان کی بیگمات اور طالب علموں کے والدین ایک شامیانے کے نیچے بیٹھے تھے۔ مقابلہ بڑا سخت تھا۔ لیکن کھتری سٹار ہاکی ٹیم نے بڑی مہارت اور چابک دستی سے کھیلا اور میچ جیت لیا۔ حاضرین نے مسلسل تالیاں بجائیں پھر حاران نے پرنسپل سے بہت بڑی ٹرافی وصول کی۔

اتوار کو دن کے دس بجے ہندوستان ایسوسی ایشن کا ایک تعارفی اجلاس مس کامنی کے ہاں منعقد ہوا۔ حاران دلیپ چند، سجاد حسین، کامنی اور وجینتی نے نئے ارکان کا تعارف کرایا۔

حاران نے کہا کہ وہ اس اجلاس کی مزید کارروائی کے لئے مس کامنی سے درخواست کرتا ہے کہ وہ صدارت کی کرسی سنبھالیں۔ کامنی صدارت کی کرسی پر آ بیٹھیں تو حاضرین نے تالیاں بجائیں۔ کامنی نے حاران سے درخواست

کی کہ وہ حاضرین کو ہندوستانی انقلابی ایسوسی ایشن کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کریں۔ حاران کامنی کے پاس کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا: "خواتین و حضرات! ہماری ایسوسی ایشن کا مقصد ہنگامہ آرائی اور نعرہ بازی نہیں بلکہ اس کا مقصد نوجوان نسل میں زندگی کا انقلابی شعور پیدا کرنا ہے تاکہ ہم حالتِ موجود سے نکل کر ایک بہتر معاشرے کی تشکیل کی جانب بڑھیں اور زندگی کے مسائل کو سائنسی فکر کی روشنی میں حل کر سکیں۔

"انسانی زندگی بازیچۂ اطفال نہیں بلکہ سراپا سائنس ہے ہمارے ہر عمل کے ساتھ اس کا نتیجہ سائنٹیفک طور پر وابستہ ہوتا ہے انسانی زندگی کا مقصد زیادہ سے زیادہ خورد و نوش اور زیادہ سے زیادہ عیش و آسائش نہیں بلکہ تحصیلِ ذات (Self-Realization) ہے یعنی ہمیں اپنے معاشرے کو خوب سے خوب تر بنانے کے لئے اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کا اظہار کرنا ہے۔ اور اپنے آپ کو اعلیٰ اقدار کا حامل بنانا ہے ایک استحصالی سماجی نظام میں ہم صرف انفرادی طور پر خلوص و ایثار کی صفات پیدا کر سکتے ہیں تاکہ ہم انقلاب کو نزدیک تر لانے میں زیادہ مؤثر ثابت ہو سکیں۔ یہی زندگی کا انقلابی شعور ہے۔" حاران اپنی سیٹ کی جانب بڑھا تو تمام ارکان نے مسلسل تالیاں بجائیں۔ مس کامنی نے صدر کی حیثیت سے کہا: "ہم جناب حاران کے مشکور ہیں جنہوں نے ہمیں ایسوسی ایشن کے مقاصد سے آگاہ کیا گویا اس ایسوسی ایشن کا مقصد ولولہ انگیز تقریریں کرنا اور جلوس نکالنا نہیں بلکہ ایسے کارکن تیار کرنا ہے جو عوام میں زندگی کا انقلابی شعور پیدا کر سکیں۔ اور زندگی کا انقلابی شعور یہ ہے کہ ہم معاشرے کو جبر و استحصال سے پاک کر کے یعنی اسے انسانی بنا کر ہی اجتماعی طور پر افراد کی اصلاح کر سکتے ہیں اور انہیں اخلاقی طور پر ارفع بنا سکتے ہیں۔ گویا معاشرے کی تقلیب اور اس کے لئے افراد میں خلوص و ایثار پیدا کرنا اصل مسئلہ ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ ہمارے کالج میں جناب حاران کے آنے سے ہمیں نئی ذہنی زندگی ملی ہے۔ اب یہ اجلاس برخاست ہوتا ہے۔" کامنی کرسی سے اٹھی تو حاضرین نے پرزور تالیاں بجائیں۔ ملکی سیاست میں

۱۹۲۱ء بڑا ہنگامہ خیز سال تھا۔ سوائے گاندھی جی کے تمام سربرآوردہ کانگرسی لیڈر گرفتار کر لیے گئے تھے، قیدیوں کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ عدم تعاون کی تحریک کے ساتھ ہر طرح کے عوامی معرکے شروع ہو گئے۔ آسام۔ بنگال ریلوے ہڑتال زوروں پر رہی۔ مدنا پور میں عدم ادائیگی لگان کی تحریک چلی ملابار میں موپلوں کی بغاوت وقوع میں آئی۔ پنجاب میں دولت مند سکھوں کے خلاف جن کی پشت پناہی پر حکومت تھی۔ زبردست اکالی تحریک چلی۔ نوزائیدہ کمیونسٹ پارٹی نے احمد آباد میں کانگرس کے اجلاس کے موقع پر اپنا مینی فسٹو شائع کیا۔ کئی دیہات میں کسانوں نے پولیس کے خلاف مظاہرے کیے اور پولیس تھانوں پر دھاوا بول دیا۔ برطانوی جبر و تشدد کے خلاف لاہور میں بہت بڑا جلوس نکلا۔ حاران، سجاد حسین اور دلیپ چند نے کانگرسی جلوس کی ایک جھلک مال روڈ پر چیئرنگ کراس کے قریب کھڑے ہو کر دیکھی۔ جلوس میں شامل عوام بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اور فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے۔

آج اتوار کی سہ پہر کو گورنمنٹ کالج کے ہال میں بڑی چہل پہل تھی، ہال کے دروازے پر ایک بینر پر لکھا تھا:

آج سہ پہر کو یہاں ایک مباحثہ ہوگا۔

موضوع "سائنس اور ٹیکنالوجی نے انسان کو اعلیٰ اخلاق سے بے بہرہ کر دیا ہے"

حزبِ موافق کا لیڈر: مسٹر ورما

حزبِ مخالف کا لیڈر: مسٹر حاران

انعام: گولڈ میڈل

سٹیج پر پرنسپل دو پروفیسروں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ہال میں طلبا اور طالبات کا بڑا ہجوم تھا۔ جب حاران سجاد حسین اور دلیپ چند کے ساتھ ہال میں داخل ہوا اس وقت ورما سٹیج پر آیا اور اس نے کہا: "صاحبِ صدر! حزبِ مخالف

کے مقررین نے موضوع کے خلاف جتنے دلائل دیئے ہیں وہ بے بنیاد ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نے فائدہ کم اور نقصان زیادہ پہنچایا ہے، انہوں نے انسان کی زندگی میں مصنوعیت پیدا کر دی ہے اور اسے اخلاقی اقدار سے بے پروا بنا دیا ہے انہوں نے انسان کو اس کے سنہرے ماضی سے الگ دیا ہے اور انسانوں میں باہمی بھائی چارہ ہمدردی اور مروّت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ سب سے بڑھ کر سائنس اور ٹیکنالوجی نے یہ نقصان پہنچایا ہے کہ اس نے انسان کو اعلیٰ اخلاق سے بے بہرہ کر دیا ہے اور اسے بہیمیت کے راستے پر ڈال دیا ہے۔ اب انسان محض دنیا پرست بن کر رہ گیا ہے، ہمارے لئے سلامتی کی راہ یہی ہے کہ ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کی دنیا کو چھوڑ کر ماضی کی جانب لوٹ جائیں ورنہ ہم اپنی اعلیٰ اخلاقی اقدار کو مکمل طور پر کھو دیں گے۔ میں انہی الفاظ پر اپنا بیان ختم کرتا ہوں۔"

ورما سٹیج سے اتر گیا۔ اس کے بعد حاران سٹیج پر آیا اور اس نے کہا: "صاحبِ صدر! حزبِ موافق کے لیڈر کے دلائل انتہائی غیر سائنسی اور جذباتی ہیں آج کی سائنس اور ٹیکنالوجی کوئی ناگہانی سماجی مظاہر نہیں ہیں بلکہ حصولِ علم اور اوزار سازی کی اُس تگ و دو کا نتیجہ ہیں جو انسان نے ہزاروں سال کے دوران تلاشِ رزق اور تحفظِ ذات کے حوالے سے جاری رکھی۔ حصولِ علم اور تلاشِ رزق نے انسان کو مسلسل محنت پر مجبور کیا اور وہ علم حاصل کرتا اور اوزار بناتا چلا گیا یہاں تک کہ وہ موجودہ ترقی یافتہ سماجی زندگی تک پہنچا۔ صاحبِ صدر! میں کہوں گا کہ یہ حصولِ علم اور اوزار سازی کا ہزاروں سال لمبا پروسس ہے جس نے انسان کو حیوان سے جدا کیا۔" حاضرین نے پُر زور تالیاں بجائیں۔

حاران نے اپنا بیان پھر شروع کیا: "حزبِ موافق کے لیڈر کا یہ نظریہ غیر سائنسی اور مابعد طبیعیاتی ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی نے انسان کو اعلیٰ اخلاق سے بے بہرہ کر دیا ہے اور دنیا پرست بنا دیا ہے۔ اس کے برعکس سائنس اور ٹیکنالوجی نے انسان کی مشقت کو کم کیا ہے، اس کی زندگی میں حیرت انگیز بہتری

پیدا کی ہیں اس پر علم و تحقیق کے دروازے کھول دیئے ہیں اور بھاری محنت و مشقت سے فارغ کر کے اسے اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ علم و تحقیق اور خود تہذیبی میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت صرف کر سکے۔

"صاحبِ صدر! سماجی قباحتیں سائنس اور ٹیکنالوجی پیدا نہیں کرتیں بلکہ وہ سماجی نظام پیدا کرتا ہے جس کی بنیاد جبر و استحصال پر ہو۔ استحصالی سماجی نظام کبھی معاشرے کو امن و سکون کی جانب لے کر نہیں جاتا۔ یہ انسانی تاریخ کا بار بار دہرایا ہوا سبق ہے۔ یاد رکھیں کہ انسانی معاشرے میں اعلیٰ اخلاقی اقدار پیدا کرنے کے لئے خارجی سماجی ماحول کو جبر و استحصال سے پاک کر کے اسے انسانی بنانا ہوگا تاکہ اخلاقی انسان جنم لے سکے۔

"صاحبِ صدر! سائنس اور ٹیکنالوجی کا ارتقا انسانی زندگی کو سہل اور روشن بنا تا جا رہا ہے اور زمان و مکان کو مسخر کرتا جا رہا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی یورپ سے آئی ہے اور مغربی تہذیب کی بنیاد جبر و استحصال، مسابقت اور نفع اندوزی پر ہے۔ اس لئے ہمیں سائنس اور ٹیکنالوجی کو اپنانے کے ساتھ ساتھ اپنی تہذیبی روایات و اقدار کو زندہ رکھنا ہوگا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نہ اخلاقی ہے اور نہ غیر اخلاقی بلکہ وہ قوتیں جو سائنس اور ٹیکنالوجی پر قابض ہیں، اخلاقی یا غیر اخلاقی ہو سکتی ہیں۔ انسان جنگل سے نکل کر موجودہ جدید عہد تک پہنچا ہے۔ اب سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہوّا دکھا کر اسے پھر جنگل کی جانب نہیں ہانکا جا سکتا۔ میں انہی الفاظ پر اپنا بیان ختم کرتا ہوں۔" جب حاران اسٹیج سے اترا تو حاضرین نے مسلسل تالیاں بجائیں۔ پرنسپل نے دونوں پروفیسروں سے مشورہ کر کے کہا: "مسٹر حاران احمد کے دلائل نہایت ٹھوس اور سائنسی ہیں۔ انہوں نے سماجی قباحتوں کے سرچشمہ کی جانب بھی اشارہ کیا ہے۔ اس لئے اس مباحثہ کا گولڈ میڈل مسٹر حاران کو دیا جاتا ہے۔" حاران نے پرنسپل کو مؤدبانہ سلام کر کے گولڈ میڈل وصول کیا۔ اس کے بعد کالج کے میوزک

ماسٹر نے علامہ اقبال کی نظم "طلبۂ علی گڑھ کالج کے نام" سنائی۔ گانا ختم ہونے پر سب سیٹوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کامنی اور وجینتی فوراً حاران کے پاس آئیں اور اسے مبارکباد دی۔ وہ تینوں ہال سے نکل کر کار میں بیٹھے۔ کامنی نے کار چلاتے ہوئے حاران سے کہا کہ وہ تو انہیں سیدھا اپنے گھر لے جائے گی۔

کامنی نے کار پورچ میں ٹھہرائی اور ہارن دیا۔ وہ تینوں کار سے اترے خادمہ نے دروازہ کھولا۔ وہ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ کامنی نے حاران سے کہا کہ وہ انہیں کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دے گی۔ وجینتی اجازت لے کر اپنے گھر کو چلی گئی۔

اتوار کی سہ پہر کو ترکی کی جد و جہدِ آزادی کی حمایت میں خلافت کمیٹی کا جلوس عجائب گھر سے شروع ہوا اور مال روڈ کی جانب بڑھنے لگا۔ جلوس کے آخری حصے میں ہندوستانی انقلابی ایسوسی ایشن کے سارے ارکان شامل تھے اور ان کے ساتھ بہت سے طلبا اور طالبات بھی تھیں۔ ایک بڑے بینر پہ "ہندوستانی انقلابی ایسوسی ایشن" لکھا ہوا تھا۔ اس بینر کے پیچھے حاران چل رہا تھا۔ ایک بینر پر لکھا تھا "ترکی کی جدوجہدِ آزادی زندہ باد" جلوس میں بڑا جوش و خروش تھا۔ اور اس کے ساتھ پولیس کی بھاری تعداد تھی۔

جمعہ کی رات کو کھانا کھانے کے بعد رکمنی اور سری نواس کامنی کے کمرے میں آئے۔ سری نواس نے کامنی سے پوچھا کہ کیا وہ حاران کو چاہتی ہے۔ کامنی نے کہا: "پتا جی! یہ ٹھیک ہے کہ میں حاران کو چاہتی ہوں لیکن وہ بہت اونچی قسم کا نوجوان ہے۔ وہ ایک آدرش کا تعاقب کر رہا ہے اور حسن، دولت اور عیش و آسائش سے بے پروا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے اس کا دل امرت سر میں کہیں اٹکا ہوا ہے۔ پتا جی! میں آپ سے اپنے دل کی بات کہے دیتی ہوں۔ میں ہر قیمت پہ حاران کی قربت میں رہنا چاہتی ہوں۔ **میں اُسے بھاتی بنا لیتی ہوں!**" سری نواس نے کہا: "بیٹی! تمہاری خوشی میں

ہماری خوشی ہے۔ تم اسے اپنا بھائی بنا لو! یہ صورت بھی بہت اچھی رہے گی!"
اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک ہزار روپے کامنی کو دیتے اور کہا
"کل ان میں سے حاران کے لئے سوٹ کا عمدہ کپڑا خریدا جائے اور پانچ
سو روپے سوٹ کے ساتھ دیئے جائیں۔ اتوار کی شام کو راکھی باندھنے
کی تقریب منعقد ہوگی جس میں کچھ ہمارے رشتہ دار اور تمہاری ایسوسی ایشن
کے تمام ارکان شامل ہوں گے۔" کامنی خوشی سے پاگل ہوگئی اور سری تو
اس سے لپٹ گئی۔ اس نے کامنی کو پیار کیا۔

اتوار کی شام کو کامنی کے ڈرائنگ روم میں تقریب منعقد ہوئی۔ کامنی
نے اٹھ کر کہا: "میں جناب حاران کو راکھی باندھ کر اپنا بھائی بناتی ہوں۔" حاران
اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور کامنی نے اس کی دائیں کلائی پر راکھی باندھی۔ حاران
نے کامنی کو اپنے ساتھ لگا کر کہا: "میں بہت خوش قسمت ہوں۔ آج مجھے
کامنی کی صورت میں ایک بہن مل گئی۔" حاضرین نے تالیاں بجائیں۔ پھر
سیٹھ سری تواس نے اٹھ کر کہا: "میں اس خوشی کے موقع پر اپنے بیٹے کو
ایک سوٹ کا کپڑا اور پانچ سو روپے نقد دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ
وہ قبول کرلیں گے۔" حاضرین نے پھر تالیاں بجائیں۔ اس کے بعد سب
چائے پینے کے لئے اٹھے۔

ڈاکیے نے احسن کی کوٹھی کے پاس آکر سائیکل کی گھنٹی بجائی تو
نازیہ نے باہر نکل کر خط وصول کیا۔ وہ بھاگی ہوئی باورچی خانہ میں
گئی اور کہنے لگی کہ بھائی جان کا خط آیا ہے۔ اتفاق سے احسن بھی کورٹ
سے واپس آگیا تھا۔ اس نے پہلے اپنے نام لکھا ہوا خط پڑھنا شروع کیا:

"ڈیئر ڈیڈی اور پیاری امی جان۔

تسلیمات

میں یہاں گورنمنٹ کالج کے ہوسٹل میں ایک چھوٹے سے کمرے

میں اکیلا رہتا ہوں۔ باقاعدہ سیر، ورزش اور پڑھائی کرتا ہوں۔ کالج کی ایک
ڈی بیٹ میں گولڈ میڈل لے چکا ہوں۔ ہاکی ٹیم کا کپتان ہوں اور ایک
میچ میں بڑی ٹرافی جیت لی ہے۔ ننھی نازیہ بہت یاد آتی ہے۔ اسے میری
طرف سے پیار کریں۔ نیز گنیش سٹریٹ کے باسیوں کو اور خاص کر انکل رمیش
اور آنٹی رنمالا کو سلام کہہ دیں۔ دوسرا رقعہ سارہ کو دے دیں۔

آپ کا بیٹا

حاران"

احسن نے دونوں رقعے سارہ کو بھجوا دیئے۔ سارہ نے بڑی عجلت
سے پہلے اپنے نام کا رقعہ پڑھنا شروع کیا:

"ڈیئر سارہ

تسلیم

میں تو یہاں آپ کے تصور کے سہارے زندہ ہوں۔ جب جی چاہتا
ہے تصور میں آپ کا روئے زیبا دیکھ لیتا ہوں۔ آپ مطمئن رہیں پی ایچ ڈی
کرنے کے بعد ہماری شادی ہوگی۔ آپ کو ضبطِ نفس سے کام لینا پڑے گا
کیونکہ ضبطِ نفس ہی انسان کے مضبوط کردار کی نشانی ہے۔

میں نے یہاں کالج میں ایسوسی ایشن کی شاخ قائم کر دی ہے جس
کے بیس ممبر ہیں۔ ہم نے جماعت کی حیثیت سے خلافت کمیٹی کے بہت
بڑے جلوس میں حصہ لیا ہے۔ ہمارے کالج میں سیٹھ سری تواس کی
بیٹی کامنی ایم۔ اے (انگلش) کی طالبہ ہے۔ وہ مجھے ہر روز صبح پانچ
بجے اپنی کار میں لارنس گارڈن لے جاتی ہے۔ اس نے مجھے اپنا بھائی
بنا لیا ہے اور مجھے ایک تقریب میں راکھی باندھی ہے۔ اور اس کے والد
نے مجھے ایک سوٹ کا کپڑا اور پانچ سو روپے نقد دیئے ہیں امی جان اور
ڈیڈی کو میرا سلام کہہ دیں۔ ایاز اور اعجاز کو پیار۔ امید ہے کہ آپ

بخیریت ہوں گی۔ تاکیداً عرض ہے کہ آپ اپنی صحت کا پوری طرح خیال رکھیں ۔

آپ کا

حاران"

شام کو احسن کمیٔ گھروں میں گیا۔ آخر میں وہ کرنل رمیش کے ہاں آیا اور اسے اور رونمالا کو حاران کا سلام پہنچایا اور لاہور میں حاران کی ساری کارگذاری بتائی۔ کرنل رمیش نے پھر کہا "میں نہ کہتا تھا کہ یہ لڑکا بڑے بڑوں کے کان کاٹے گا۔" اس پر احسن اور رونمالا ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوگئے ۔

حاران نے سوٹ سلوالیا اور ضروری چیزیں بھی خرید لیں ۔ نومبر کے اوائل میں ایک سہ پہر کو حاران سوٹ پہن کر کامنی کے ہاں آیا۔ خادمہ نے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ کچھ دیر کے بعد کامنی آئی تو حاران کے حسن کی دھج دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے ان آنسوؤں میں نجانے کتنی امنگیں اور کتنی خواہشیں تھیں جنہیں دبا دیا گیا تھا اور ہمیشہ کے لئے کچل دیا گیا تھا۔ کامنی نظریں نیچی کئے کھڑی تھی۔ حاران نے اسے سینے سے لگا کر کہا "کامنی! دیکھیں! آپ میری بہن ہیں۔ آپ کو بشاش رہنا ہوگا۔ جب انسان ضبطِ نفس کی آگ میں جلتا ہے تو اخلاقی لحاظ سے بہت ارفع ہو جاتا ہے۔ اب ہنس دیں! چلیں امی جان کے پاس چلیں۔ کامنی نے مسکراتے ہوئے حاران کی جانب دیکھا۔ اس پر حاران کی باتوں کا گہرا اثر ہوا تھا رکمنی سے ملنے کے بعد حاران نے کامنی سے کہا "میرا دل چاہتا ہے کہ میں مندر جاؤں۔ چلو! دھینی کے ساتھ مندر چلیں مندر کی رسوم آپ مجھے بتا دیجئے گا۔" کامنی نے کہا: یہ تو بہت اچھا خیال ہے۔ میں دھینی کے پاس خود جاتی ہوں۔ آپ تشریف رکھیں۔" کچھ دیر کے بعد وہ تینوں کار میں بیٹھ کر مندر کو چل دیئے ۔

حاران حسبِ معمول رات کو بارہ بجے لیٹا اور بہت جلد سو گیا۔ اس نے ایک خواب دیکھا۔ اس کے دروازے پر کسی نے دستک دی۔ حاران خاموش ہو رہا۔ کسی نے پھر دستک دی۔ کتنی ہولناک دستک ہے۔ ہو نہ ہو یہ نئی نسل کی دستک ہے۔ حاران نے دل میں سوچا۔ وہ لیٹا رہا ۔

آخر حاران نے کہا: کون ہے ؟

باہر سے آواز آئی، ہم نئی نسل ہیں ۔

حاران نے کہا: تم کیا چاہتے ہو ؟

نئی نسل : ہم نئے عہد کی سچائی کے متلاشی ہیں۔ ہم اپنی زندگی کو ارفع کیسے بنا سکتے ہیں ؟

حاران : نئے عہد کی سچائی طبقاتی شعور ہے جو طبقاتی جدوجہد اور معاشرے کی بہتر تقلیب کی اساس ہے۔ تم زمین سے مضبوط رشتہ پیدا کرو۔ تم خود زمین کی قوت ہو۔ زندگی زمین کی بیٹی ہے۔ جو محبت اور علم سے پرورش پاتی ہے۔ زندگی سے محبت کرو کہ تم نے خود اس لئے جینا ہے کہ تم دوسروں کے لئے جی سکو!

نئی نسل : زندگی کا مقصد کیا ہے ؟

حاران : زندگی کا مقصد ایک بلند آدرش کا تعاقب ہے اور معاشرے کو بہتر خطوط پر بدلنے کی جدوجہد سے بڑھ کر کوئی بڑا آدرش نہیں ۔

تمہیں زمین بلا رہی ہے جہاں انسان کٹھن مسائل میں گھرے ہوئے ہیں۔ سامنے افق پر جو دھنک اپنے چمکیلے رنگوں کے ساتھ لہرا رہی ہے۔ زمین کی پیامبر ہے۔ تم زندگی اس طرح گذارو کہ دنیا میں رہتے ہوئے اپنی

انسانیت کو زیادہ سے زیادہ نشو و نما دے سکو اور حقیقی محبت
محبت سے تم میں ایک نئی شان جھلک اٹھے گی جس کا
منتہا مفاد پرستی اور فردیت پسندی نہیں ہوگا بلکہ تمہارے
اندر سارے سماج کو زیادہ حسین، زیادہ نیکوکار اور زیادہ
خوشحال بنانے اور خود کو ایک ارفع انسان میں ڈھالنے
کی دُھن بیدار ہوگی۔

نئی نسل: ہم اپنی زمینی زندگی کو متوازن اور پُر مایہ کس طرح بنا سکتے ہیں!

حاران: استحصالی سماجی نظام کے خلاف اس کے خاتمے تک
جد و جہد کرو اور جدید علوم کے حصول کے ساتھ ساتھ اپنی
تہذیبی روایات کو اپنی زندگی کا ایک لا ینفک حصہ بناؤ۔
زندگی کے نفسیاتی پہلوؤں کی اور جبلتی تقاضوں کی تفہیم
حاصل کرو، جنسی جذبے کی تسکین کو ایک سہل پروسس نہ
بناؤ! کیونکہ جنسی بے راہروی قوموں اور افراد میں تہذیبی
انحطاط پیدا کر دیتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ عیش و آسائش
کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بناؤ! تمہارے لئے سب سے
بڑا آدرش سماج کی بہتر تقلیب کے لئے جد و جہد ہے
اسی پروسس میں تمہاری اپنی زندگی کی بہتر تقلیب
پوشیدہ ہے۔

نئی نسل: ہم پر پابندیاں لگائی جاتی ہیں ہم پابندیوں کو برداشت
نہیں کر سکتے۔ ہم مکمل آزادی چاہتے ہیں۔

حاران: تم اپنے نظریات اور رجحانات کے اظہار میں آزاد ہو لیکن
تم معاشرے میں رہتے ہو اور معاشرے میں رہتے
ہوئے تم مطلق آزادی حاصل نہیں کر سکتے، آزادی چند

پابندیوں ہی سے جنم لیتی ہے۔ تم معاشرے میں ترفع کے
حصول میں آزاد ہو۔ لیکن معاشرے کے قوانین کی خلاف
ورزی میں آزاد نہیں ہو۔ معاشرے میں تمہاری آزادی
ہمیشہ مشروط رہے گی۔

نئی نسل: ہم آپ کی رہنمائی کے لئے آپ کے مشکور ہیں۔ ہم زندگی
کے مقصد اور اس کے معانی کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔ اب
ہم جاتے ہیں۔

بربطِ غم کی گتیں بلند ہو رہی ہیں۔ میں غمگین ہوں۔ اس لئے کہ زمین کے غموں
نے مجھے گھیر لیا ہے، حاران نے دل میں کہا۔ پھر وہ کمرے سے نکل کر گلی میں کھڑا
ہوگیا۔ افق کے قریب آتے ہوئے پچھلے پہر کے پورے چاند کی زرد روشنی میں
حاران کے پیکر کا طویل سایہ بھیانک معلوم ہوتا تھا۔ حاران کی آنکھ کھل گئی اور وہ
چارپائی پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کتنا عجیب خواب تھا۔ اس نے سوچا۔ وہ پھر سو گیا۔

یہ مئی ۱۹۲۲ء کا اواخر تھا۔ اتوار کی سہ پہر کو کامنی کے ڈرائنگ روم میں
ایسوسی ایشن کا اجلاس منعقد ہوا۔ تمام ممبر موجود تھے، حاران نے دلیپ چند
سے درخواست کی کہ وہ صدارت کے فرائض سر انجام دیں۔ دلیپ نے کرسیٔ
صدارت سنبھالی اور حاران سے کہا کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ حاران
نے صدر کے پاس کھڑے ہو کر کہا: "خواتین و حضرات! آج میں انقلاب
فرانس اور پیرس کمیون پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں تاکہ ہم ان دو تاریخی واقعات
سے پوری طرح واقف ہو سکیں جنہوں نے انسانی معاشرے پر گہرے اثرات
ڈالے ہیں۔

"انقلاب فرانس سے پہلے یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک
اور صنعتی انقلاب معاشرے پر اپنے مستقل اثرات ڈال چکے
تھے۔ زندگی کے ہر شعبے میں نئے خیالات جنم لے چکے تھے اور

اور جدید علوم بڑی سرعت سے ابھر رہے تھے۔ نشاۃ ثانیہ کے بعد برطانیہ کے صنعتی انقلاب نے معاشرتی زندگی کا رخ ہی بدل دیا۔ انقلابِ فرانس کا انسانی حقوق کا تاریخی اعلان نامہ دراصل اس کا منشور تھا جس کی خلاف ورزی خود سرمایہ دار طبقہ نے کی۔ انقلابِ فرانس نے قرونِ وسطیٰ کے تین استحصالی اداروں کو ختم کر دیا جو بادشاہت، جاگیرداری نظام اور کلیسائی پیشوائیت پر مشتمل تھے۔ اس نے آزادی مساوات اور اخوت کا نعرہ دیا۔ انقلابِ فرانس میں کسانوں، مزدوروں اور تاجروں نے حصّہ لیا۔ لیکن بعد میں بورژوا طبقہ نے انتہائی چالاکی اور مکّاری سے کام لے کر اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ پیرس کے مزدوروں اور متوسط طبقے نے بغاوت کر دی۔ ۱۸ مارچ ۱۸۷۱ء کو سرخ پرچم جو محنت کی ری پبلک کی علامت تھا یورپ کے عین وسط میں پیرس ٹاؤن ہال پہ لہرا دیا گیا۔ ۲۸ مئی کو بہتر دنوں کے بعد پیرس کمیون کا آخری مورچہ شکست کھا گیا۔ لیکن پیرس کمیون کا غیر فانی رزمیہ باقی رہا۔ کمیون نے عوام کی پیش بینی اور ارادے پر بھروسہ کرتے ہوئے تمام سماجی ڈھانچے کی تشکیلِ نو شروع کر دی۔ ریاستی اقتدار کا پرانا ڈھانچہ ٹوٹ گیا اور اس کی جگہ نئی انقلابی انتظامیہ نے لے لی۔ کمیون کا تخلیقی کردار اس سیاسی ہیئت کو سامنے لے آیا جس کی بنیادوں پر محنت کشوں کے معاشی استحصال کو ختم کیا جا سکتا تھا۔ کمیون کا مقصد یہ تھا کہ استحصالی طبقہ کو ختم کر دیا جائے یعنی اس نجی ملکیت کو ختم کر دیا جائے جس کی وجہ سے لاکھوں کی محنت چند لوگوں کے لئے حصولِ دولت کا ذریعہ بنتی ہے۔ کمیون نے کلیسا کو ریاست سے الگ کر کے جبر و تشدد کی روحانی قوت کو بھی تباہ کر دیا۔ سماجی زندگی میں

پیرس کمیون کے پیدا کئے ہوئے تغیرات حیرت انگیز طور پر اشتراکی نوعیت کے تھے۔ ۲۱ مئی ۱۸۷۱ء کو بورژوا فوجیں ورسیلز سے پیرس میں داخل ہو گئیں اور انہوں نے پیرس کو ایک مذبح میں تبدیل کر دیا۔ پیرس کمیون ایک نئے سماج کے نقیب کی حیثیت سے ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس کے شہداء محنت کش طبقے کے دل میں ہمیشہ ناقابلِ شکست عزم پیدا کرتے رہیں گے۔ پیرس کمیون کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سوشلزم کی تحریک کو تمام یورپ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلا دیا۔ ہم پیرس کمیون کے بہادر شہیدوں کو سلام کرتے ہیں۔" جب حاران اپنی سیٹ کی جانب بڑھا تو حاضرین نے پرزور تالیاں بجائیں۔ دلیپ چند نے صدر کی حیثیت سے کہا: "ہم جناب حاران کے شکر گزار ہیں جنہوں نے پیرس کمیون جیسے بے مثال تاریخی رزمیہ پہ روشنی ڈال کر ہمارے ذہنوں کو جاگرت بخشی۔ اب یہ اجلاس برخاست ہوتا ہے۔"

شام ہونے کو تھی۔ مغربی افق پر شفق نے بادلوں میں رنگین نقش و نگار بنا رکھے تھے۔ ہوا دھیرے دھیرے بہہ رہی تھی۔ کامنی حاران کو لینے آئی تو کہنے لگی "حاران بھیّا! چلو جینی کو ساتھ لے کر جیمخانہ کلب چلیں۔ وہاں آج ایک بہت اچھا کنسرٹ ہے۔" وہ سیدھے جینی کے ہاں گئے۔ وہ بہت سادہ پسند تھی۔ بہت جلد تیار ہو کر کار کے پاس آئی اور حاران کو سلام کیا۔ "ہیلو جینی" حاران نے کہا۔ وہ تینوں جیمخانہ کلب کو چل پڑے۔ لان پر جنتری بیٹھی تھی سیلنگ فین چل رہے تھے۔ سٹیج پر آرکسٹرا ایک دلکش دھن بجا رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد ایک عیسائی دوشیزہ نے مائک کے سامنے گانا شروع کیا۔ اس نے ایک دل سوز نغمہ گایا جس میں محبت کی ناکامی کا ذکر تھا۔ کامنی پر اس

گانے کا گہرا اثر ہوا۔ حارا ن نے اس کی طرف دیکھا اُس کی آنکھوں میں بھی آنسو چھلک آئے تھے، اس کے بعد اس گلوکارہ نے ایک طرب ناک نغمہ گایا جس نے کامنی کے موڈ کو خوشگوار بنا دیا۔ وجیئنتی نے بھی کامنی کو آنسو بہاتے دیکھ لیا تھا۔ کامنی کے دل میں محبت کی ٹیسیں مضطرب ہیں۔ وجینتی نے سوچا وہ خود بھی غمگین ہو گئی۔ گانا ختم ہونے پر وہ تینوں جانے کے لیئے اٹھے۔

آج اتوار تھی۔ گورنمنٹ کالج میں سہ پہر کو ایک مباحثہ تھا۔ ہال میں بڑی چہل پہل تھی لڑکے ہال کی سیٹیں درست کر رہے تھے۔ ہال کے باہر ایک بینر پر لکھا تھا

آج سہ پہر کو ایک مباحثہ ہوگا۔
موضوع "اظہارِ ذات ضبطِ نفس سے بہتر ہے"
حزبِ موافق کا لیڈر : ورما
حزبِ مخالف کا لیڈر : حاران

طلبا اور طالبات کی بہت بڑی تعداد ہال میں موجود تھی۔ جب حاران سجاد حسین اور دلیپ چند کے ساتھ ہال میں داخل ہوا تو حزبِ موافق کا لیڈر ورما سٹیج پر آیا اور اس نے کہا "صاحبِ صدر! حزبِ مخالف کے دلائل بہت کمزور ہیں جب فرائڈ نے جنسی جذبہ کے اظہار کا نظریہ دیا تھا اور بتایا تھا کہ جنسی جذبے کو دبانے سے انسان میں کئی ذہنی الجھنیں اور بیماریاں پیدا ہوتی ہیں تو نفسیات کی دنیا میں ایک انقلاب بپا ہو گیا تھا اور ہزاروں ذہنی مریض اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ فرائڈ کے نزدیک اظہارِ ذات جبلتوں کا بے روک اظہار ہے اور تمام جبلتوں میں جنس کی جبلت اہم ترین ہے اس لیئے اظہارِ ذات سے زیادہ تر جنسی جذبہ کا اظہار مراد لیا جاتا ہے۔

جہاں تک جنسی جذبہ کا تعلق ہے ضبطِ نفس انسان میں کئی الجھنیں پیدا کرتا ہے۔ اس لیئے اظہارِ ذات ضبطِ نفس سے بہتر ہے پس ماندہ ملکوں میں عموماً اظہارِ ذات کو دبایا جاتا ہے جس کے نتیجے میں ان ملکوں میں ہزاروں

لوگ ذہنی الجھنوں اور بیماریوں میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ آپ صرف ہندوستان ہی کو دیکھیں کہ کس طرح یہاں ضبطِ نفس کو تن کُشی کے مسلک کے طور پر ایک فلسفہ کی شکل دے دی گئی ہے۔ اظہارِ ذات کے فقدان کا ایک بڑا نتیجہ اس جنسی بے راہروی میں نکلتا ہے جو ہمارے معاشرے میں ایک زیریں لہر بن کر پھیلی ہوئی ہے۔ جو کھلم کھلا جنسی بے راہروی سے بھی زیادہ خطرناک ہے یورپ میں جنسی آزادی سے لوگوں میں ایک تسکین اور ذہنی سکون ہے جب کہ ہمارے ہاں جنسی بھوک ایک ہولناک درندے کی طرح رات کے اندھیرے میں پھرتی ہے جنسی بھوک کی عدم تسکین کی وجہ سے انسان میں تخلیقی قوت بھی دب جاتی ہے صاحبِ صدر! ان حقائق کی بنا پر میں کہوں گا کہ اظہارِ ذات ضبطِ نفس سے بہتر ہے۔ میں انہی الفاظ پر اپنا بیان ختم کرتا ہوں۔" حاران سٹیج پر آیا اور اس نے کہا: صاحبِ صدر! انسان کی دو بنیادی بھوکیں شکم، بھوک اور جنسی بھوک ہیں ان دونوں بھوکوں کی تسکین حیوان بھی کرتا ہے اور انسان بھی کرتا ہے لیکن وہ لیکن وہ دونوں ان بھوکوں کی تسکین مختلف طریقوں پر کرتے ہیں۔ حیوان ان دونوں بھوکوں کی تسکین ضبط، حجاب اور وضع داری کے بغیر کرتا ہے۔ جب کہ انسان ان دونوں بھوکوں کی تسکین ضبط، حجاب اور وضع داری کے ساتھ کرتا ہے جبلتوں کی تسکین کا وہ طریق ہی انسان کو حیوان سے جدا کرتا ہے جس میں ضبط، حجاب اور وضع داری [illegible] جاتی ہے اور اسی کا دوسرا نام ضبطِ نفس ہے۔" حاضرین نے مسلسل تالیاں بجائیں۔

حاران نے اپنا بیان پھر شروع کیا "صاحبِ [illegible] انسان جنگل سے نکل کر زندگی کی موجودہ مہذب سطح پر پہنچا ہے اور اس نے تحفظِ ذات اور تلاشِ رزق کے لیئے اپنی ہزاروں سال کی جدوجہد اور محنت کے دوران ہی اخلاقی ضبط سیکھا ہے اب فرائڈیت کو غلط پیش کر کے دنیا کی کوئی طاقت انسان کو پھر جنگل کی جانب نہیں لے جا سکتی۔ اب کسی نئے مسلک کے زیر اثر انسان کا تہذیبی ورثہ اس

سے نہیں چھپایا جا سکتا۔" حاضرین نے پھر تالیاں بجائیں۔ حاران نے پھر کہا "یورپ نے ضبط، حجاب اور وضع داری کے بغیر جنسی آزادی کو اپنا کر جنسی بے راہروی اختیار کر لی۔ اس نے جنسی اختلاط کو انتہائی سہل بنا کر اخلاقی انحطاط کا راستہ اختیار کیا کیونکہ جنسی اختلاط کو سہل بنا دینے سے انسان اپنی تہذیبی سطح سے نیچے گر جاتا ہے۔ یہ ضبطِ نفس ہے جو انسان اور حیوان میں حدِ فاصل قائم کرتا ہے۔" ہال پر زور تالیوں سے گونج اٹھا۔

حاران نے اپنا بیان پھر شروع کیا: "صاحبِ صدر! جہاں تک اظہارِ ذات اور جنسی آزادی کا تعلق ہے فرائڈ کو غلط پیش کیا گیا ہے۔ فرائڈ نے یہ ضرور کہا ہے کہ جنسی ناآسودگی سے انسان میں غلط رویے اور ذہنی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن فرائڈ نے اپنی کسی تحریر میں یہ نہیں کہا کہ انسان جو عالمِ حیوانی سے الگ ہو چکا ہے، جنسی تسکین میں ضبط، حجاب اور وضع داری کو ملحوظ نہ رکھے۔ اس کے برعکس فرائڈ ضبطِ نفس کی تلقین کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جنسی جذبے کے تفاعل Sublimation سے انسان ادب اور فنونِ لطیفہ کی تخلیق کرتا ہے۔ ہم نہ یورپ کی جنسی آزادی کو قبول کرتے ہیں اور نہ نفس کشی کے کسی مسلک کو اپناتے ہیں بلکہ ضبطِ نفس کی تہذیبی حدود کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہمارا اصول یہ ہے کہ جب کسی نوجوان مرد اور عورت میں محبت ہو جائے تو وہ سماجی تصاریق کے ساتھ شادی کر لیں۔ صاحبِ صدر! آخر میں میں کہوں گا کہ اظہارِ ذات بھی ایک مہذب صورت اختیار کرتا ہے جب ضبطِ نفس اس کا محتسب رہے، کیونکہ ضبطِ نفس ہی انسان کا امتیازی نشان ہے۔ انسانی معاشرے کے لئے جنسی زدگی بھی ضرر رساں ہے اور جنسی ناآسودگی بھی۔ میں ان الفاظ پر اپنا بیان ختم کرتا ہوں۔" جب حاران سٹیج سے اترا تو حاضرین نے مسلسل تالیاں بجائیں۔ پرنسپل پروفیسروں سے مشورہ کر کے اٹھا اور اس نے کہا: "مسٹر حاران احمد کے دلائل بہت ٹھوس ہیں اور انہوں نے موضوع پر بڑے عالمانہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ اس لئے

سلور شیلڈ مسٹر حاران کو دی جاتی ہے"

حاران نے سٹیج پر آ کر سلور شیلڈ وصول کی اور پرنسپل کا مؤدبانہ شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ کامنی اور وجینتی نے حاران کو مبارکباد دی اور اس کے ساتھ ہال سے باہر نکل آئیں۔

یکم جون ۱۹۲۲ء کو کالج میں گرمیوں کی چھٹیاں شروع ہونے والی تھیں۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے حاران نے کامنی سے کہا کہ اس کی خواہش ہے کہ وہ اور وجینتی دونوں تین دن کے لئے امرتسر چلیں۔ وہاں اُن کا تعارف بھی ہو جائے گا اور تین دن مزے سے کٹ جائیں گے۔ کامنی حاران کے پاس کھڑی تھی۔ اس نے کہا: "حاران بھیّا! میں آپ کی بہن ہوں۔ یہ کبھی ہو سکتا ہے کہ میں آپ کی بات نہ مانوں۔" حاران نے اسے گلے لگا لیا۔ پھر کامنی چائے لینے کے لئے چلی گئی۔ حاران کے لمس سے کتنا سکون ملتا ہے، اس نے باورچی خانے کی جانب جاتے ہوئے سوچا۔ وہ احتیاطاً ٹرے میں تین پیالیاں رکھ کر لائی۔ اسی وقت وجینتی آ گئی۔ کامنی نے وجینتی کو امرتسر جانے کی تجویز بتائی۔ اس نے کہا کہ پھر تو بہت مزے رہیں گے۔ پھر وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔

ہفتے کو صبح ساڑھے پانچ بجے کامنی اور وجینتی ہوسٹل پہنچ گئیں۔ کامنی نے ہارن دیا تو حاران نے کھڑکی میں سے جلد آنے کا اشارہ کیا۔ سجاد حسین نے کتابیں کار تک لے جانے میں حاران کی مدد کی۔ حاران نے کتابیں، ٹرافی، سلور شیلڈ اور اپنا سوٹ کیس ڈگی میں رکھ دیا اور سجاد حسین کو الوداع کہہ کر کار میں بیٹھ گیا۔ حاران چار دن پہلے ہی احسن کو کامنی اور وجینتی کے آنے کی اطلاع دے چکا تھا۔ تینوں نے امرتسر تک سارا سفر باتیں کرتے ہوئے اور ہنستے ہوئے طے کر لیا۔

راشدہ نے حاران، کامنی اور وجینتی کو پیار کیا اور احسن نے حاران کو گلے لگا کر تھپکی دی۔ کامنی اور وجینتی نے احسن کو تسلیم کہا، احسن نے دونوں

کے سر پر ہاتھ رکھا۔ پھر کامنی اور وجینتی کی ملاقات بملا سے ہوئی اور وہ آپس میں گلے ملیں۔ اسی وقت نازیہ آ گئی۔ حاران نے اسے اٹھا لیا اور پیار کیا۔ نازیہ نے فوراً کہا: "بھائی جان! اب تو ہم دو بہنیں ہو گئی ہیں۔" کامنی نے اسے گود میں لے کر پیار کیا۔ وجینتی نے بھی نازیہ کی باتوں کو بہت سراہا اور اسے پیار کیا۔ احسن نے کامنی اور وجینتی کو کہا کہ وہ کھانا کھا کر جلد آرام کر لیں۔ کیونکہ شام کو گنیش سٹریٹ کے باسیوں سے ان کا تعارف ہوگا۔

نازیہ سارہ کو بلا لائی۔ سارہ نے احسن کے ہاں پہنچ کر پہلے حاران کو سلام کیا۔ حاران نے کامنی اور وجینتی سے مخاطب ہو کر کہا: "یہ سارہ محسن ہیں آپ گریجوایٹ بہترین [illegible] بیٹر، انتہائی ذہین، ٹینس کی کھلاڑی اور جمناسٹک ورزشوں کی ماہر ہیں۔" پھر اس نے سارہ سے مخاطب ہو کر کہا: "یہ کامنی اور وجینتی ہیں۔ ان کا پورا تعارف شام کو کرایا جائے گا۔" سارہ پہلے کامنی سے اور پھر وجینتی سے گلے ملی۔ سارہ نے کامنی سے کہا کہ ان کی تعریف تو وہ پہلے ہی حاران صاحب کے خطوں میں پڑھ چکی ہے۔ کامنی نے شکریہ ادا کیا۔

کھانا کھانے کے بعد کامنی اور وجینتی حاران کے کمرے میں آرام کرنے کے لیے چلی گئیں اور دروازہ بند کر لیا۔ حاران اور سارہ وہیں کھڑے آپس میں باتیں کرنے لگے۔ کامنی اور وجینتی دونوں دروازے کے شگاف میں سے باہر دیکھتی رہیں۔ حاران نے سارہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنی گالوں پر لگائے۔ پھر سارہ یہ کہتے ہوئے چل پڑی کہ وہ شام کو آئے گی۔ جانے سے پہلے سارہ نے حاران کو سلام کیا۔ "اچھا تو حاران کا دل یہاں اٹکا ہوا ہے" کامنی نے اپنے دل میں کہا۔ کامنی یکدم [illegible] ہو گئی۔ وجینتی نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا: "کامنی! ہوش میں آؤ! تم نے حاران کو اپنا بھائی بنا لیا ہے اب وہ کسی سے بھی محبت کرے تمہیں اس سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہیے۔ یاد رکھو [illegible] دیکھنے [illegible] ایک بڑھ کر ملتا ہے۔ اس میں شک

نہیں کہ سارہ حسین، تنومند، شائستہ اور ذہین ہے۔" کامنی نے وجینتی سے لپٹتے ہوئے کہا: "وجینتی! تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے میں ہوش میں آ گئی ہوں۔ میں تمہاری بہت شکر گزار ہوں۔" اتنے میں حاران اندر آ گیا اور اس نے کامنی کو اپنے ساتھ لگا کر کہا: "کامنی! آج میں بہت خوش ہوں کہ آپ اور وجینتی میرے گھر آئی ہوئی ہیں۔" پھر حاران کمرے سے باہر چلا گیا اور وہ دونوں لیٹ گئیں۔

غروب آفتاب کی رنگینی آسمان پر بکھری تھی۔ احسن کے لان میں تعارفی تقریب منعقد تھی۔ سب مہمان کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ کامنی اور وجینتی حاران کے پاس کھڑی تھیں۔ حاران نے کہا: "یہ کامنی ہیں، آپ میری بہن ہیں اور لاہور کی معروف شخصیت سیٹھ سری نواس کی بیٹی ہیں۔ آپ گریجوایٹ، ماہر پیانو نواز، انتہائی ہمدرد اور ذہین بھی۔" پھر اُس نے وجینتی کا تعارف کراتے ہوئے کہا: "آپ وجینتی ہیں۔ اور لاہور کی ایک دوسری معروف شخصیت سیٹھ رام پرکاش کی بیٹی ہیں۔ آپ گریجوایٹ کلاسیکل موسیقی کی ماہر اور انتہائی نیک دل، سادہ پسند اور ذہین ہیں۔" پھر حاران نے اُن سے گنیش سٹریٹ کے تمام باسیوں کا فرداً فرداً تعارف کرایا۔

چائے پینے کے بعد جب سب جانے کے لئے اٹھے تو کرنل رمیش نے کہا: "کل رات مس کامنی اور مس وجینتی کے اعزاز میں میرے ہاں ایک تقریب ہوگی جس میں ڈنر کے بعد پہلے مس وجینتی کلاسیکل موسیقی پیش کریں گی اور پھر میری بیوی ونمالا کلاسیکل رقص پیش کریں گی۔"

کامنی نے راجیلہ کے ہاں پیانو پر اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ راجیلہ کے گھر سے واپس آتے ہوئے حاران کامنی اور وجینتی کرنل رمیش کی کار میں بیٹھے تھے کرنل رمیش نے کہا: "کامنی بیٹی! جب حاران یہاں آیا تھا تو میں نے یہ ملا کہہ دیا تھا کہ یہ لڑکا بڑوں بڑوں کے کان کاٹے گا۔ اب میں کہتا ہوں کہ یہ بڑوں بڑوں کے کان کاٹتا ہی چلا جائے گا۔" سب ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ جب تینوں کار سے اتر کر گھر کو چلے تو کامنی نے پوچھا: "حاران! کیا احسن اور

راشدہ آپ کے سگے والدین نہیں ہیں؟" حاران نے کہا: "نہیں لیکن سگے والدین سے زیادہ ہمدرد اور شفیق ہیں۔ دراصل اس وقت دنیا میں میرا کوئی رشتہ دار نہیں بڑے بھائی کو چچا کوئٹہ لے گیا اور چھوٹی بہن کی شادی ہوگئی جواب میرے لئے لاپتہ ہے۔" احسن کی کوٹھی نزدیک آگئی تھی۔ کامنی نے کہا: "واقعی آپ کی کہانی بڑی دردناک ہے۔"

آج کامنی اور وجینتی کی لاہور کو روانگی تھی۔ انہوں نے ناشتہ کے بعد سب گھروں میں جاکر سب کو مل لیا۔ حاران ان کے ساتھ جا رہا تھا تاکہ انہیں بحفاظت پہنچا آئے۔ کار میں بیٹھنے سے پہلے کامنی اور وجینتی بملا سے گلے ملیں پھر نازیہ کو پیار کیا۔ احسن کو تسلیم کہا۔ راشدہ نے انہیں گلے لگاکر پیار کیا۔

کار چلاتے ہوئے کامنی نے کہا: "حاران! آپ لوگوں کی یہ چھوٹی سی دنیا مجھے بہت پسند آئی ہے۔ یہاں کے خاندان کتنی محبت اور رواداری سے رہتے ہیں۔ کرنل رفیق کی شخصیت نے مجھے بہت متاثر کیا ہے وہ کتنے ہنس مکھ اور روشن خیال آدمی ہیں۔ نازیہ بھی کتنی دلچسپ بچی ہے۔ وجینتی نے کہا کہ گنیش سٹریٹ کے باسیوں کے متعلق اس کے تاثرات بھی یہی ہیں۔ حاران نے کہا کہ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ حالات کی موجوں نے اسے گنیش سٹریٹ پر لا پھینکا۔ حاران کتنا بے سہارا لڑکا ہے اور کتنے عزم و ہمت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ کامنی نے سوچا وجینتی نے حاران سے کہا کہ واقعی یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں اتنا اچھا سماجی ماحول مل گیا وہ اسی طرح ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے لاہور پہنچ گئے۔

حاران نے باورچی خانے میں جاکر رکمنی سے کہا: "امی جان! آداب است"
رکمنی نے اسے گلے لگاکر پیار کیا۔ دوسرے دن حاران واپس جانے لگا۔ تو کامنی کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ حاران نے کامنی کو اپنے سینے کے ساتھ لگاکر کہا: "کامنی! زندگی جذباتیت سے بسر نہیں ہو سکتی۔ زندگی بسر کرنے کے لئے تفہیم اور ہمت کی ضرورت ہے تمہیں معلوم ہے۔ کہ میرے سر پر پڑھائی کا ایک پہاڑ کھڑا ہے اور پڑھائی یکسوئی اور مشاغل سے کنارہ کشی چاہتی ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جون

اور جولائی کے آخر میں ایک ایک دن کے لئے ضرور لاہور آؤں گا خط و کتابت تو ہوتی ہی رہے گی۔" کامنی نے آنسو پونچھتے ہوئے حاران کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ پھر کامنی حاران کو سٹیشن تک چھوڑنے گئی۔ کار سٹیشن کے سامنے رکی اور حاران نے کامنی کو الوداع کہا
کامنی حاران کو سٹیشن تک چھوڑ کر گھر واپس آرہی تھی تو پھر اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اس نے بہتیری کوشش کی کہ وہ حاران کے خیال کو اپنے اعصاب پر سے اتار پھینکے۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکی وہ ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا ہوگئی۔

حاران نے امرت سر واپس آکر اپنے روزانہ پروگرام کو آخری شکل دی، وہ باقاعدہ پڑھتا اور آفاق کے ساتھ ہاکی کھیلنے کو جاتا۔ سارہ کی قربت اسے بڑی تقویت دیتی۔ اس نے دو ہفتوں میں دل جمعی کے ساتھ بہت کچھ پڑھ لیا۔ پچیس جون کو احسن نے سری نواس کا ایک خط وصول کیا اور پڑھنے لگا۔

"ڈیر احسن

تسلیم

میری بیٹی کامنی بہت بیمار ہے، لاہور کے سب سے بڑے ڈاکٹر کو دکھایا ہے اس نے کہا ہے کہ کامنی کے ذہن پر کسی کی جدائی کا صدمہ ہوا ہے جس سے ذہنی کش مکش کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے جو زیادہ نازک صورت اختیار کر سکتی ہے۔ آپ مہربانی فرما کر میری بیٹی کی جان بچانے کے لئے حاران کو ہمارے ہاں بھیج دیں۔ یہاں اس کی پڑھائی میں کوئی خلل نہیں پڑے گا۔ اسے ایک علیحدہ کمرہ اور ہر طرح کی سہولت دی جائے گی۔ لیکن اس طرح وہ کامنی کے نزدیک رہے گا۔

امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔

خیر اندیش

سری نواس۔"

احسن نے ڈاکئے سے خط خود وصول کیا تھا۔ اس لئے ابھی اس خط کا کسی کو

علم نہ تھا۔ احسن نے راشدہ کو اپنے کمرے میں بلا کر اسے خط کے مضمون سے آگاہ کیا۔ دونوں فکرمند تھے کہ اب کیا کیا جائے۔ آخر راشدہ نے مشورہ دیا کہ خط حاران کو دکھا دیا جائے۔ وہ بڑا سمجھدار لڑکا ہے۔ وہ اس الجھن سے نکلنے کے لیے کوئی راستہ ضرور ڈھونڈ نکالے گا۔ اس وقت تو سیٹھ سری تو اس کی بیٹی کی زندگی کو بچانے کا سوال ہے۔ احسن اس کے مشورے کو مان گیا۔

احسن حاران کے کمرے میں گیا اور اسے خط دیتے ہوئے کہا: "بیٹا! سیٹھ سری تواس کا خط موصول ہوا ہے۔ تم خود ہی سوچ کر اس الجھن کو کوئی حل تلاش کرو اور مجھے بھی بتاؤ!" احسن باہر چلا گیا اور حاران خط پڑھنے لگا۔ وہ خط پڑھ کر ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ اگر وہ لاہور جاتا ہے تو اس کی پڑھائی کا حرج ہوتا ہے اور اگر نہیں جاتا تو کامنی کی زندگی خطرے میں پڑتی ہے۔ اس نے سوچا اس نے تھوڑی دیر سوچ کر پہلا قدم اٹھایا وہ خط لے کر سارہ کے پاس گیا اور اسے خط دیتے ہوئے کہا کہ وہ اس خط کو پڑھ کر اسے اپنے تاثرات سے فوراً آگاہ کرے۔ واجدہ نے اسے ٹھہرنے کے لیے کہا۔ حاران نے کہا کہ وہ ٹھہر نہیں سکتا وہ پڑھائی میں مصروف ہے۔ وہ واجدہ کو سلام کر کے واپس چلا گیا۔

حاران کے چلے جانے کے بعد سارہ نے فوراً خط پڑھا اور کچھ دیر سوچ کر حاران کو ایک رقعہ لکھا:

"ڈیئر حاران

تسلیم

میں نے خط کا مطالعہ کیا ہے۔ آپ کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا نہ ہوں اور فوراً کامنی کے پاس چلے جائیں۔ اس کی زندگی کا سوال ہے ہم اس نازک صورتحال سے اغماض نہیں کر سکتے۔ کامنی ضبطِ نفس کی تربیت حاصل نہیں کر سکی۔ مجھ پر خدا کا فضل ہے کہ مجھے ضبطِ نفس نے نفسِ مطمئنہ عطا کر دیا ہے۔ ابھی میرے اور آپ کے درمیان چھ سال کا فاصلہ حائل ہے۔ میرا محافظ تو ضبطِ نفس ہی ہے

آپ کی

سارہ محسن"

سارہ نے واجدہ سے کہا کہ وہ پندرہ منٹ کے لئے چچا جان کے ہاں جا رہی ہے سارہ نے خط کے ساتھ اپنا رقعہ حاران کو دے دیا۔ اور خود راشدہ کو سلام کرنے کیلئے باورچی خانے میں چلی آئی۔ حاران سارہ کا رقعہ پڑھ کر ششدر رہ گیا۔ سارہ نے علم و عرفان کی کتنی منزلیں طے کر لیں اس نے سوچا۔ حاران کو اسی لمحے سوجھی کہ دلیپ چند کے ساتھ کامنی کی شادی کا سلسلہ کیوں نہ بڑھایا جائے۔ دلیپ انتہائی نیک دل، ذہین اور ہینڈسم ہے۔ پھر وہ شہر کے رئیس سیٹھ رام لال کا بیٹا ہے۔ اور تعلیمی لحاظ سے بھی بہت آگے ہے۔

حاران نے سارہ کو آواز دی۔ جب سارہ اس کے کمرے میں آئی تو حاران نے کہا: "سارہ! آپ عظیم ہیں۔ میں آپ کی عظمت کو سلام کرتا ہوں۔ مجھے ایک تجویز بھی سوجھی ہے اب میں لاہور جا کر کوشش کروں گا کہ کامنی کی شادی کرا دوں" سارہ نے کہا کہ اگر یہ منصوبہ عمل میں آجائے تو سارا مسئلہ حل ہو جائے۔ حاران نے سارہ کے ہاتھوں کو اپنے گالوں پر لگاتے ہوئے کہا: "سارہ! آپ ٹھیک کہتی ہیں، چھ سال کا عرصہ بڑا صبر آزما ہے، میری مجبوری سے آپ کو بھی بہت دکھ پہنچ رہا ہے ہم دونوں ایک ہی آگ میں جل رہے ہیں" سارہ نے کہا: "ضبطِ نفس ہی انسان کی عظمت ہے۔ آپ اپنا آدرش پورا کریں۔ چھوٹی باتوں کے لئے بڑی باتوں کو ٹالا نہیں جا سکتا" حاران نے سارہ کے ہاتھ چوم کر چھوڑ دیئے اور کہا کہ وہ کل صبح کی گاڑی سے لاہور چلا جائے گا۔ دیکھیں حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں سارہ مسکراتی ہوئی تسلیم کہہ کر اور راشدہ کو بھی سلام کر کے گیٹ سے باہر نکل گئی۔

سارہ کے جانے کے بعد حاران نے احسن کو سارہ کا رقعہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ کل صبح سویرے لاہور جا رہا ہے اور کامنی کی شادی کرانے کی کوشش کرے گا احسن نے رقعہ پڑھ کر کہا: "واقعی سارہ ایک عظیم خاتون ہے اچھا بیٹا! خدا نگہبان

حالات کو پرُسکون بنائے۔" راشدہ نے بھی نیک دعائیں دیں۔

جب حاران کامنی کے پاس گیا تو کامنی نے بشاشت کے ساتھ کہا:

"حاران! آپ نے اچھا کیا کہ آپ آگئے۔" وہ حاران کے ساتھ لپٹ گئی۔ حاران نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر پیار کیا۔ پھر وہ رکمنی اور سری نواس کو سلام کرنے کو گیا۔ انہوں نے کھانے کے وقت کامنی کو دیکھا تو وہ بالکل بشاش تھی۔ کامنی نے بشاشت کے موڈ میں کھانا کھایا اور پھر لیٹ گئی اور جلد ہی گہری نیند سوگئی۔ حاران بھی آرام کرنے کے لیئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ رکمنی اور سری نواس نے جب یہ رنگ دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔

شام کو کامنی نے وجینتی کو بلا بھیجا۔ وجینتی نے کامنی کو دیکھتے ہی کہا "کامنی! آپ تو بہت بشاش ہیں!" کامنی نے کہا کہ حاران آگئے ہیں اور وہ جیمخانہ کلب جارہے ہیں۔" وجینتی نے کہا کہ وہ ابھی تیار ہو کر آتی ہے۔ کلب کے لان میں سٹیج پہ ایک عیسائی دوشیزہ رقص کرتے ہوئے گا رہی تھی۔ کامنی، وجینتی اور حاران سٹیج کے بالکل سامنے کی سیٹوں پہ بیٹھ گئے۔ کامنی نے مشروب کے لیئے آڈر دیا۔ وہ گہری شام تک رقص و موسیقی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

حاران صبح سویرے اپنے لان میں جمناسٹک ورزشیں کر کے سیر کرتے ہوئے دلیپ چند کے گھر کی طرف نکل گیا۔ اتفاق سے دلیپ چند اپنے لان میں مل گیا۔ وہ دونوں لان پہ چلتے ہوئے باتیں کرتے رہے۔ حاران نے دلیپ سے کہا کہ وہ آج گیارہ بجے کامنی کے گھر آئے۔ کچھ باتیں کریں گے۔ پھر حاران نے کہا: "دلیپ سچ بتاؤ کہ کامنی کی صورت و سیرت کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔" دلیپ اس کے اس سوال پر متعجب ضرور ہوا۔ لیکن کہنے لگا: "مجھے تو کامنی کی صورت اور سیرت دونوں پسند ہیں۔ کامنی تو میرے لیئے ایک مثالی خاتون ہے۔" حاران نے کہا کہ اس کا اندازہ ٹھیک ہے۔ حاران دلیپ کو گیارہ بجے آنے کی تاکید کر کے اور الوداع کہہ کر چلا گیا۔

گھر پہنچ کر حاران نے دیکھا کہ کامنی سوئی ہوئی ہے تو وہ سری نواس کے کمرے میں گیا اور کہا: "ڈیڈی! ایک بہت اہم بات یہ ہے کہ میں کامنی کا رشتہ سیٹھ رام لال کے بیٹے دلیپ چند سے کرا رہا ہوں۔ دلیپ آج گیارہ بجے ہمارے ہاں آرہا ہے۔ آپ اور امی جان اسے مل لیں۔ پھر وہ اپنے والدین کو آپ کے پاس بھیجے گا۔"

سری نواس نے کہا: "حاران بیٹا! یہ تو بہت اچھا ہوگا۔" حاران نے کہا: "ڈیڈی! آپ فکر نہ کریں۔ صرف اتنا کریں کہ دلیپ کے والدین جو تاریخ مقرر کریں آپ اسے مان لیں۔ دلیپ بہت نیک دل۔ ذہین اور ہینڈسم نوجوان ہے۔" سری نواس نے کہا کہ جس طرح وہ کہے گا ویسے ہی ہوگا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد کامنی جاگی۔ اس نے ہاتھ منہ دھو کر اور بالوں میں کنگھا کر کے حاران کے کمرے میں جا کر اسے تسلیم کہا۔ پھر وہ باورچی خانے میں آکر خادمہ کو ناشتے کے متعلق ہدایات دینے لگی۔ حاران اور کامنی ناشتے کیلئے بیٹھے تو کامنی کا موڈ بہت بشاش تھا۔ حاران ناشتہ کرتے ہوئے کہنے لگا: "آج صبح سویرے میں سیر کرتے ہوئے دور نکل گیا۔ تو شہر کے رئیس سیٹھ رام لال کا بیٹا دلیپ چند ملا۔" کامنی نے پوچھا کہ وہی نوجوان جو ہماری ایسوسی ایشن کا ممبر ہے۔ حاران نے کہا کہ "بالکل وہی دلیپ بڑا ہینڈسم اور نیک دل نوجوان ہے۔" کامنی کہنے لگی: "واقعی وہ تو بہت ہی اچھا نوجوان ہے۔ میں اسے بہت پسند کرتی ہوں!" حاران نے کامنی سے کہا کہ وہ آج گیارہ بجے ہمارے ہاں آرہا ہے۔ کامنی نے فوراً کہا کہ پھر تو انہیں چائے کے لیئے بہت عمدہ سی چیزیں لانا چاہیئے۔ حاران نے کہا کہ یہ بڑا اچھا خیال ہے۔ وہ ابھی تھوڑی دیر میں بازار چلتے ہیں۔ کامنی نے وجینتی کو بھی دلیپ کی آمد کی اطلاع دے دی اور اسے گیارہ بجے آنے کی تاکید کی۔

گیارہ بجے دروازے پہ دستک ہوئی تو خادمہ نے دروازہ کھولا اور

دلیپ چند کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ اسی لمحے حاران آیا اور اس سے بغل گیر ہو کر ملا۔ کچھ دیر کے بعد کامنی بن سنور کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی دلیپ چند نے اپنی سیٹ سے اٹھ کر اسے تسلیم کہا۔ کامنی نے مؤدبانہ طور پر اس کے سلام کا جواب دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وجینتی بھی آگئی۔ اس کے بعد سری نواس اور رکمنی بھی آگئے۔ دلیپ نے اپنی سیٹ سے اٹھ کر انہیں "پتاجی! نمستے" اور "ماتاجی نمستے" کہا سری نواس اور رکمنی نے دلیپ کے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار کا اظہار کیا ہے!

خادمہ چائے لے کر آئی۔ چائے نہایت پُر تکلف تھی۔ کامنی چائے بنانے لگی چائے پیتے ہوئے وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے سری نواس اور رکمنی دلیپ کو پیار کر کے چلے گئے دلیپ حاران سے کوئی بات کر رہا تھا تو کامنی دلیپ کو کچھ لمحوں تک دیکھتی رہی۔ دلیپ کے خد وخال کتنے دلکش ہیں۔ کامنی نے سوچا۔ دلیپ جانے کیلئے اٹھا تو حاران نے کامنی سے کہا کہ وہ دلیپ کو تھوڑی دور تک چھوڑ کر ابھی آتا ہے۔ جب وہ باہر نکلے تو حاران نے کہا: "دلیپ! سچ یہ ہے کہ میں تم دونوں کو ازدواجی رشتے میں باندھنا چاہتا ہوں۔ کامنی نے صبح آپ کی بہت تعریف کی تھی، آپ گھر جا کر اپنے والدین کو صاف صاف کہہ دیں۔ کہ آپ سیٹھ سری نواس کی صاحبزادی مس کامنی سے بہت جلد شادی کرنا چاہتے ہیں۔ آپ انہیں کل شام کو سری نواس کے ہاں آنے کے لئے کہیں تاکہ وہ نزدیکی تاریخ مقرر کر لیں، آپ آج شام کو کسی آدمی کے ذریعے اپنے والدین کے آنے کی اطلاع کر دیں۔" دلیپ حاران کی سب باتیں مان گیا معلوم ہوتا تھا۔ دلیپ خاموش طور پر کامنی کو بہت چاہتا تھا۔ حاران دلیپ کو الوداع کہہ کر واپس گھر کو لوٹا۔ حاران کی عدم موجودگی میں وجینتی نے کہا: "کامنی! میں سچ کہتی ہوں۔ دلیپ جیسا لڑکا آسانی سے نہیں ملتا!" وہ کامنی کو الوداع کہہ کر اپنے گھر چلی گئی۔

حاران ڈرائنگ روم میں واپس آیا تو کامنی بڑے بشاش موڈ میں تھی۔

حاران نے کہا: "کامنی! میری دیانت داری اس میں ہے کہ میں آپ کو پوری بات بتا دوں۔ میں نے صبح دلیپ کو ٹٹولا تھا۔ اس نے برملا کہا کہ وہ کامنی کی صورت اور سیرت دونوں کو پسند کرتا ہے اور اسے ایک مثالی خاتون سمجھتا ہے۔ اب وہ کہہ رہا تھا کہ وہ بہت جلد اپنے والدین کو کوئی نزدیکی تاریخ مقرر کرنے کے لئے آپ کے ہاں بھیجے گا۔ یہ سن کر کامنی کھل اٹھی اور اس کے چہرے پر سرخی جھلک آئی حاران نے کامنی سے کہا کہ اب وہ اپنے کمرے میں جا کر کھانے کے وقت تک پڑھ لے وہ مان گئی۔

شام کو ایک آدمی نے آکر اطلاع دی کہ کل شام کو سیٹھ رام لال اور ان کی بیوی ہنس دتی سری نواس کو ملنے آئیں گے۔ کامنی نے خبر سنی تو ایک اجنبی مسرت نے اسے گھیر لیا۔ وہ عجلت سے سیڑھیاں چڑھ کر حاران کے کمرے میں داخل ہوئی اور اس سے لپٹ گئی، حاران نے کتاب چھوڑ دی اور مسکراتے ہوئے کہا کہ وہ اتنی خوش کیوں ہے۔ کامنی نے کہا: "حاران بھیا! کل دلیپ کے پتاجی اور ماتاجی ہمارے ہاں آ رہے ہیں۔" حاران نے مصنوعی تعجب سے کہا کہ یہ تو بہت بڑی خوشخبری ہے کامنی نے حاران کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا: "چلو بھیا! ڈرائنگ روم میں چائے پی کر لارنس گارڈن چلیں!" حاران اٹھ کھڑا ہوا۔

لارنس گارڈن میں پھولوں کی کیاریوں کے پاس ٹہلتے ہوئے حاران نے کہا "کامنی! میں سچ کہتا ہوں کہ دلیپ اتنا اچھا نوجوان ہے کہ آپ مجھے عمر بھر نیک دعاؤں سے یاد کریں گی!" وہ گہری شام کو واپس لوٹے تو حاران نے کامنی سے کہا کہ اب وہ اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ رات کے کھانے پر ملاقات ہوگی۔ کامنی نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

دوسرے دن شام کو دلیپ کے والدین آئے۔ منگنی کی رسم ادا ہوئی اور شادی کی تاریخ یکم جولائی طے پائی دونوں طرف شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں وجینتی نے کامنی کی شادی کی تیاریوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یکم جولائی ۲۲ء

کو شادی کی رسوم ادا ہوئیں اور برات کامنی کو لے کر واپس چلی گئی۔

رات کے سناٹے میں حارث نے کامنی کی شادی کی ساری داستان احسن کو لکھ بھیجی تاکید کی یہ خط انکل رمیش کو ضرور دکھائیں، اس طرح حارث نے کامنی کو ایک بہت بڑی ذہنی الجھن سے نکال باہر کیا۔ حارث رات کے ساڑھے بارہ بجے تک پڑھتا رہا۔ اس نے صبح سویرے لان میں جمناسٹک ورزشیں کیں اور سیر کو نکل گیا۔

ڈاکئے نے خط گیٹ کے اندر پھینکا اور سائیکل کی گھنٹی بجائی نازیہ نے باہر آکر فوراً خط اٹھالیا اور راشدہ کو دے دیا۔ راشدہ نے خط پڑھ کر نازیہ سے کہا: "میں نے جو کچھ کہ یہ خط سارہ باجی کو دکھا لائے۔ شام کو احسن نے خط پڑھا اور کرنل رمیش کو دکھانے کے لیئے چل پڑا۔ کرنل رمیش نے خط پڑھ کر کہا: "میں نے پہلے دن کہہ دیا تھا وہی ہو رہا ہے یعنی حارث بیٹا بڑوں بڑوں کے کان کاٹتا ہی چلا جائے گا۔" احسن اور ونملا ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

شام کو کامنی اور دلیپ آئے۔ کامنی بہت خوش تھی وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ خادمہ چائے لائی۔ حارث نے چائے پیتے ہوئے کہا: "کامنی بہن! اب میرا مشن پورا ہو گیا ہے، میں کل صبح سویرے امرت سر روانہ ہو جاؤں گا۔ کیونکہ پڑھائی بہت کرنی ہے اور وقت بہت کم ہے۔ دلیپ نے کہا کہ حارث بھائی بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ ایم۔ اے (فلسفہ) کی پڑھائی سب مضامین سے دشوار ہوتی ہے۔ کامنی مان گئی۔

حارث رکمنی اور سری نواس کے پاس آیا اور آداب بجا لانے کے بعد کہنے لگا: "ڈیڈی! میرا مشن پورا ہو گیا ہے اب میں کل صبح سویرے امرت سر چلا جاؤنگا کامنی بھی مان گئی ہے۔ مجھے بہت پڑھنا ہے اور وقت بہت تھوڑا ہے۔ سیٹھ سری نواس نے کہا: "حارث بیٹا! ہم تمہارے احسان مند ہیں کہ تم نے ایک الجھے ہوئے معاملے کو بڑی خوبی سے سلجھا دیا۔ رکمنی نے حارث کو گلے لگا کر پیار کیا۔ وہ

دونوں کو سلام کر کے ڈرائنگ روم میں آگیا کچھ دیر کے بعد حارث اپنے کمرے میں جانے کے لیئے ڈرائنگ روم سے باہر نکلا تو وجینتی مل گئی حارث نے کہا کہ اچھا ہوا وہ مل گئیں۔ وہ کل صبح سویرے امرت سر جا رہا ہے۔ کیونکہ اس کا مشن پورا ہو گیا ہے۔ وجینتی نے کہا: "حارث بھیا! آپ نے ایک حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دیا ہے اور کامنی کو ایک بہت بڑی ذہنی الجھن سے نکال باہر کیا" حارث نے وجینتی کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اب چھٹیوں کے بعد ملاقات ہو گی۔ وجینتی آداب بجا لائی حارث اپنے کمرے کو جانے کے لیئے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

صبح سویرے حارث نے اپنا سامان سمیٹ لیا۔ اسی وقت دلیپ جاگ اٹھا وہ اپنی کار پہ حارث کو سٹیشن تک چھوڑ آیا۔ حارث گاڑی میں بیٹھے ہوئے مختلف خیالات میں کھو گیا۔ پھر اس کے سامنے کامنی کی شبیہہ ابھری۔ جب کامنی شام کو دلیپ کے ساتھ آئی تھی تو کتنی پُر سکون تھی۔ فرائڈ کا یہ نظریہ بالکل درست ہے کہ جنس انسان کی سب جبلتوں میں اہم ترین اور پیچیدہ ترین جبلت ہے حارث نے سوچا۔

حارث دوپہر کو گھر پہنچا۔ اس نے نازیہ کو گود میں اٹھا کر پیار کیا اور راشدہ کو سلام کیا۔ اس نے حارث کو گلے لگا کر پیار کیا۔ نازیہ فوراً سارہ کو بتانے کے لیئے چل دی۔ حارث نے پوچھا کہ بملا کہاں ہے! راشدہ نے بتایا کہ مشتاق کو الگ بنگلہ مل گیا ہے اور بملا وہاں منتقل ہو گئی ہے۔ وہ بنگلہ یہاں سے کوئی تین فرلانگ کے فاصلے پہ ہے۔ اسی وقت سارہ آگئی اور اس نے حارث کو تسلیم کہا۔ حارث نے سارہ کو دیکھا تو اس کی آزردہ طبیعت بشاش ہو گئی۔ حارث نے کھانا کھایا اور لیٹ گیا۔ وہ شام کو اٹھ کر نہایا اور چائے پی کر کرنل رمیش، پروفیسر ناصر اور محسن کے ہاں گیا۔ اس نے اگلے دن سے پروگرام کے مطابق باقاعدہ کام شروع کر دیا۔ وہ صبح سویرے اٹھ کر ورزش کرتا اور سیر کو نکل جاتا اور جم کر سٹڈی کرتا۔

سارہ کی قربت نے اس میں غیر معمولی قوت پیدا کر دی۔ اس نے اگست کے اواخر تک اپنے کورس کی ساری کتابیں ختم کر لیں اور ضروری نوٹس بھی

لے لئے۔ اگست کی آخری اتوار کو جمخانہ کلب میں سارہ اور مادھا میں ٹینس کا مقابلہ تھا۔ مقابلہ بڑا سخت تھا جس میں پھرتیلا پن اور داؤ پیچ کا مظاہرہ بڑا دلچسپ تھا۔ حاران سارہ کا پھرتیلا پن اور اس کی ہوش مندی دیکھ کر دنگ رہ گیا آخر میں سارہ جیت گئی۔ جج نے کہا "مس سارہ محسن نے مقابلہ جیت لیا ہے اس لئے سلور شیلڈ انہیں دی جاتی ہے۔" سارہ نے سلور شیلڈ وصول کی اور اپنی سیٹ کی جانب بڑھی۔ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔

تیس اگست ۱۹۲۲ء کو حاران لاہور روانہ ہوا۔ ہوسٹل پہنچ کر اس نے اپنے کمرے کو صاف کیا اور نہایا۔ شام کو وہ کامنی کے ہاں گیا۔ اس نے سری نواس اور رکمنی کو ڈیڈی اور امی جان کہہ کر سلام کیا۔ سری نواس حاران سے بغل گیر ہوا اور اسے تھپکی دی، رکمنی نے اسے گلے لگا کر پیار کیا۔ اتفاق سے کامنی اور دلیپ بھی آئے ہوئے تھے اور ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ دلیپ نے حاران سے ہاتھ ملا کر اسے گلے لگا لیا۔ کامنی نے کہا "حاران بھیا! آداب است۔ مزاج کیسے ہیں؟" حاران نے کہا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ خادمہ چائے لے کر آئی۔ کامنی نے کہا "حاران بھیا! میں آپ کو کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دوں گی۔" کامنی امید سے تھی۔

یکم ستمبر کو کالج کھل گیا۔ حاران نے باقاعدہ پڑھائی شروع کر دی اور دو مہینے آزاد مطالعہ کے لئے مخصوص کر دیئے۔ امتحانات تک ایسوسی ایشن کے جلاس ملتوی کر دیئے گئے۔ اس کے بعد حاران نے پھر اپنے کورس کا مطالعہ شروع کیا۔ اس نے اپنے مطالعہ کے لئے ایک خاص سلیقہ مقرر کر رکھا تھا۔

حاران دن رات باقاعدہ مطالعہ میں مصروف رہا۔ دن گذرتے گئے۔ آخر مئی ۱۹۲۳ء میں ایم۔ اے (فلسفہ) کے امتحانات شروع ہوئے اور جون کے پہلے ہفتے میں ختم ہوئے۔ حاران امرت سر جانے سے ایک دن پہلے شام کو کامنی کے ہاں گیا اور رکمنی اور سیٹھ سری نواس سے ملا۔ سیٹھ سری نواس کامنی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر حاران سے باتیں کرنے لگا اس نے حاران سے کہا:

"حاران بیٹا! تم صرف میرے بیٹے ہی نہیں ہو بلکہ میرے محسن ہو۔ تم نے اپنی دانش مندی سے میری بیٹی کامنی کی زندگی بچائی ہے۔ میں اس کے لئے عمر بھر تمہارا ممنونِ احسان رہوں گا۔" خادمہ چائے لے کر آئی تو حاران چائے بنانے لگا۔ سری نواس نے حاران سے کہا "بیٹا! اب تم نے ایم۔ اے کا امتحان دے دیا ہے۔ اب تمہیں شادی کر لینا چاہیئے۔" حاران نے کہا "ڈیڈی! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ لیکن میرا دنیا میں کوئی نہیں۔ میں امرت سر میں جن لوگوں کے ہاں ٹھہرا ہوا ہوں، ان کے اپنے تین جوان بیٹے ہیں۔ ان حالات میں شادی کیسے ہو سکتی ہے۔" سری نواس نے افسوس کے ساتھ ہوں کیا اور چائے پینے کے بعد اٹھ کر اندر چلا گیا۔ پندرہ منٹ کے بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ وہ بیٹھ گیا اور حاران سے کہنے لگا "بیٹا! میں تمہیں جو کچھ دے رہا ہوں اسے ایک راز کی طرح اپنے تک محدود رکھنا یہاں تک کہ کامنی کو بھی خبر نہ ہو۔" حاران نے کہا "نہیں ڈیڈی! میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔" سری نواس نے ساٹھ ہزار کا چیک حاران کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "بیٹا! یہ میری طرف سے نہایت معمولی سی رقم قبول کر لو۔ میں تمہارے احسان کا بدلہ تو نہیں چکا سکتا۔"

حاران چیک دیکھ کر ششدر رہ گیا اور کہنے لگا "ڈیڈی! یہ تو آپ نے نہایت زیادتی کی ہے۔ میں نے کامنی کے لئے جو کچھ کیا ہے کسی معاوضے کیلئے نہیں کیا تھا۔" سری نواس نے کہا "نہیں بیٹا! اسے معاوضہ نہ سمجھو یہ تو میں نے تمہیں اپنے بیٹے کی حیثیت سے دیا ہے۔ اس لئے تمہیں اسے قبول کرنا ہوگا۔" حاران کو چیک لینا ہی پڑا۔ حاران نے سری نواس سے کہا "آپ میرے ڈیڈی بھی ہیں اور ایک ہمدرد اور نیک دل انسان بھی ہیں۔ میں آپ کو انتہائی عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ اچھا اب میں اجازت چاہتا ہوں۔"

سری نواس نے دعا دی کہ پرمیشور اسے خوشیاں نصیب کرے۔ حاران نے "آداب است" کہا۔ سری نواس اس کے ساتھ باہر کے دروازے تک آیا۔ رات کو حاران نے احسن کو ایک خط لکھا جس میں سری نواس کے چیک

کا ذکر کیا اور یہ بھی لکھا کہ ستمبر کے دوسرے ہفتے سارہ سے اس کی شادی ہوگی اور وہ پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری کے لیے جرمنی جائے گا اور سارہ کو ساتھ لے جائے گا یہ بھی بتایا کہ دو دن کے بعد وہ خود امرت سر آرہا ہے۔

جب خط احسن نے پڑھا تو دنگ رہ گیا۔ شام کو احسن نے خط کرنل رمیش کو دیا۔ اس نے خط پڑھنے کے بعد کہا: احسن صاحب! آپ تعجب نہ کریں یہ لڑکا اسی طرح بڑوں بڑوں کے کان کاٹتا ہی رہے گا۔" ونمالا اور احسن خوب ہنسے۔ راشدہ سارہ کو خط دکھا چکی تھی۔ سارہ خط پڑھ کر حیران رہ گئی اور اس کے من میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

جون کے پہلے ہفتے میں حاران امرت سر پہنچ گیا۔ رات کو جب احسن اور راشدہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے تو حاران نے تین ہزار روپے راشدہ کو شادی کی تیاری اور سارے خرچ کے لئے دیئے۔ حاران نے کہا: "امی جان! شادی نہایت سادہ طریق پہ ہوگی اور نکاح کو وداع بھی سمجھا جائے گا۔ صرف دعوتِ ولیمہ شاندار ہوگی۔ زیادہ کپڑے اور زیور بنانے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہمیں چھ سال جرمنی میں رہنا ہوگا۔" راشدہ نے کہا: "بیٹا! میں سمجھ گئی ہوں۔"

حاران نے پھر آفاق کے ساتھ صبح سویرے ورزش اور سیر کا پروگرام بنایا۔ وہ مطالعہ بھی باقاعدہ کرتا رہا دن گذرنے گئے۔ یہاں تک کہ ستمبر کی چار تاریخ آگئی جب ایم۔اے کا نتیجہ نکلنا تھا۔ آفاق، سریندرا اور کنور حاران کے ساتھ مل کر صبح سویرے ہاکر کا انتظار کرنے لگے۔ ہاکر دور نمودار ہوا تو آفاق نے یکدم اس کی جانب اشارہ کیا۔ جب ہاکر نزدیک آیا تو آفاق نے جلدی سے اس کے ہاتھ سے ایک پرچہ لیا اور سرخیوں پر نظر ڈالی۔ ایک سرخی میں لکھا تھا۔"حاران احمد پنجاب بھر میں ایم۔اے (فلسفہ) میں اوّل رہے۔" آفاق خوشی سے اوپر اچھلا اور اخبار حاران کو دے کر گھر کے اندر بھاگ گیا۔ اس نے راشدہ سے کہا:" امی جان! حاران بھیا ایم۔اے (فلسفہ) میں پنجاب بھر میں

اول رہے ہیں۔ راشدہ نے فوراً احسن کو بتایا وہ یہ خبر سن کر دنگ رہ گیا اور کہنے لگا: "کرنل رمیش کی بات ٹھیک ہے یہ لڑکا بڑوں بڑوں کے کان کاٹتا ہی رہے گا۔" راشدہ اور احسن دونوں خوب ہنسے پھر آفاق اخبار لے کر پہلے سارہ کے پاس گیا۔ وہ خبر پڑھ کر حیران رہ گئی اور اس نے واجدہ اور محسن کو بتایا اس کے بعد آفاق کرنل رمیش کے ہاں بھاگ گیا اور اخبار انہیں دیا۔ کرنل رمیش نے اخبار پڑھ کر کہا: "آخر میری ہی بات درست نکلنی جائے گی۔ کرنل رمیش اور ونمالا دونوں احسن کے گھر کو چل پڑے۔ پھر آفاق نے اخبار پہ دفیسر یا ٹھر کو دکھایا۔ اس نے کہا کہ حاران کا یہ کارنامہ واقعی حیرت انگیز ہے۔ دوپہر کو کامنی اور دلیپ کا مبارکباد کا تار موصول ہوا۔

حاران نے راشدہ سے کہا: "امی جان! شادی کی معمولی تیاری تو ہو چکی ہے۔ سات ستمبر کو نکاح اور وداع کا اعلان کر دیں"۔ راشدہ نے کہا: "اچھا بیٹا! میں صبح ہی گنیش سٹریٹ والوں کو اور اپنے چھ رشتہ داروں کو اطلاع کئے دیتی ہوں۔"

سات ستمبر ۱۹۲۳ء کو حاران اور سارہ کی شادی سرانجام پائی۔ جب سارہ دلہن بنی تو اس کے حسن کی دھج دیکھ کر سب ششدر رہ گئے۔ ہر مہمان یہی سوچ رہا تھا کہ حاران اور سارہ کا جوڑا بے مثال ہے دوسری رات دعوتِ ولیمہ بڑی شاندار تھی۔ اس میں ڈی۔اے وی کالج کے پرنسپل اور کئی پروفیسر اپنی بیگمات کے ساتھ شریک تھے۔ کامنی۔ دلیپ اور جینتی بھی آئے ہوئے تھے۔

دوپہر کو گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل کا خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا۔ کہ اگلی اتوار کی سہ پہر کو اس کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد کی جا رہی ہے کامنی، دلیپ اور جینتی نے خط پڑھا۔ کامنی نے کہا: حاران بھیا! آپ ہفتے کو سارہ کے ساتھ آئیں اور ہمارے ہاں ٹھہریں اتوار کو فنکشن پر چلیں گے۔

حاران نے شکریہ ادا کیا۔ ایک بجے کھانا کھا کر کامنی دلیپ اور جینتی لاہور کو روانہ ہوئے۔

ہفتے کی صبح کو ناشتہ کے بعد حاران اور سارہ دونوں امرت سر روانہ ہوگئے۔ سارہ میک اپ سے بے نیاز تھی۔ اس لئے کہیں جانے کے لئے بہت جلد تیار ہو جاتی۔ وہ دونوں سیٹھ سری نواس کے ہاں پہنچے تو ڈرائنگ روم میں کامنی، دلیپ اور جینتی موجود تھے۔ سب سے پہلے وہ رکمنی اور سری نواس کو سلام کرنے گئے۔ کھانا کھانے کے بعد حاران اور سارہ اپنے کمرے میں آرام کرنے کے لئے چلے گئے۔ شام کو وہ سب جمخانہ کلب گئے اور گہری شام کو گھر لوٹے۔

گورنمنٹ کالج لاہور کے ہال میں حاران کے اعزاز میں تقریب منعقد تھی۔ اگلی قطار میں پروفیسر صاحبان۔ ان کی بیگمات، طالب علموں کے والدین، کامنی، دلیپ، جینتی سارہ، حاران اور ایسوسی ایشن کے ارکان بیٹھے تھے۔ ہال طلبا اور طالبات سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جناب صدر پرنسپل نے اعلان کیا: "خواتین و حضرات! مسٹر حاران نے ایم۔ اے (فلسفہ) میں پنجاب بھر میں اول پوزیشن حاصل کر کے بہت بڑا کارنامہ سر انجام دیا ہے۔ اس کارنامے کی بنا پر گورنمنٹ انہیں سکالرشپ پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے جرمنی بھیج رہی ہے۔ گورنمنٹ کالج کی طرف سے مسٹر حاران احمد کو گولڈ میڈل دیا جا رہا ہے۔ میں مسٹر حاران سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ گولڈ میڈل وصول کر لیں"۔ حاران نے گولڈ میڈل وصول کیا اور پرنسپل سے جھک کر ہاتھ ملایا۔ جب حاران سٹیج سے اترا تو حاضرین نے تالیاں بجائیں۔ اس کے بعد میوزک ماسٹر نے علامہ اقبال کی نظم "چاند اور تارے" گا کر سنائی۔ گانا ختم ہونے پر سب اٹھ کھڑے ہوئے۔

حاران نے ایم۔ اے کے سرٹیفکیٹ اور سکالرشپ کے کاغذات کے متعلق پرنسپل سے بات کی۔ پرنسپل نے کہا کہ وہ پچیس ستمبر کو اس کے پاس آ جائے وہ تمام کاغذات اور سرٹیفکیٹ تیار کروا چھوڑے گا۔ پھر وہ دہلی جا کر اپنے اور اپنی بیوی کے پاسپورٹ پر ویزا لے سکتے ہیں۔ اس طرح وہ دونوں یکم نومبر ۱۹۲۳ء کو جرمنی روانہ ہو سکیں گے۔ حاران نے پرنسپل کا شکریہ ادا کیا اور ہال سے باہر نکل کر کامنی، دلیپ و جینتی اور سارہ کے ساتھ ہولیا۔

سارہ کو دوہری خوشی تھی۔ ایک تو اسے حاران کے ساتھ شادی کی خوشی تھی اور دوسرے اسے جرمنی میں پانچ سال رہنے اور پھر یورپ کی سیر کرنے کی خوشی تھی۲۳۔ ستمبر کی سہ پہر کو حاران اور سارہ کے اعزاز میں کرنل رمیش کے ہاں ایک الوداعی تقریب ہوئی۔

چوبیس ستمبر کی دوپہر کو حاران اور سارہ نے گھر کے تمام افراد کو الوداع کہا۔ شام کو وہ دونوں کامنی کے ہاں پہنچے۔ انہوں نے رکمنی اور سری نواس کو سلام کیا تھوڑی دیر کے بعد جینتی آگئی اور پھر کامنی اور دلیپ بھی آگئے سب ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے اور بات چیت میں محو ہوگئے۔ دوسرے دن حاران پرنسپل کو ملنے گیا۔ اس نے تمام کاغذات تیار کروا رکھے تھے۔ حاران نے کاغذات لیتے ہوئے پرنسپل کا مؤدبانہ شکریہ ادا کیا۔

رات کو جینتی نے حاران اور سارہ کے اعزاز میں ڈنر دیا جس میں کامنی اور جینتی کی سہیلیاں، اس کے رشتہ دار اور ایسوسی ایشن کے تمام ارکان شامل تھے۔ اس تقریب میں حاران اور سارہ کو مہمانوں سے متعارف کرایا گیا اور کامنی نے پیانو پر دو پرسوز دھنیں بجا کر حاضرین کو محظوظ کیا۔

صبح نو بجے دلیپ نے حاران اور سارہ کو سٹیشن تک پہنچایا۔ راستے میں دلیپ نے حاران کو ایک خط دیا جو اس نے اپنے ایک رشتہ دار کے نام لکھا تھا جو نئی دہلی میں فارن آفس میں آفیسر تھا۔ دلیپ نے حاران سے کہا کہ وہ اسی کے ہاں ٹھہریں گے۔ دلیپ نے حاران سے گلے مل کر الوداعی سلام کیا اور سارہ کو تسلیم کہا۔

حاران نے نئی دہلی میں ۲۸ ستمبر تک اپنے کاغذات اور پاسپورٹ مکمل کرا لئے اور ۲۹ ستمبر کو انہوں نے نئی دہلی کی سیر کی اور نارتھ بلاک، ساؤتھ بلاک، گیٹ آف انڈیا صفدر جنگ، درگاہ نظام الدین اولیاء اور قطب مینار دیکھا۔ شام کو وہ کناٹ پلیس گئے وہ ۳۰ ستمبر کو بمبئی کو چلے گئے۔ جہاں سے وہ بحری جہاز کے ذریعے انگلستان

کو روانہ ہوئے۔

ڈاکٹر حارِان سڑک پر چلتے ہوئے ایک ٹرک کی گڑگڑاہٹ سن کر اپنے خیالات سے چونکا۔ اس نے اپنے اردگرد دیکھا اور ایک نالے پر بنے ہوئے پل کی منڈیر پر بیٹھ گیا۔ جیل کا دروازہ چڑ چڑاتے ہوئے کھلا اور ایک وارڈر پانی کا گلاس اور چائے کا کپ لے کر سیڑھیاں اترا۔ کلاک نے رات کے گیارہ بجائے۔ ڈاکٹر حارِان کی پسندیدہ لمبی سڑک جس پر وہ عالمِ خیال میں چل رہا تھا ختم ہوگئی اور آگے آبادی شروع ہوگئی تھی اس لئے اب وہ جیل میں بیٹھے ہوئے ہی یادوں میں کھو گیا۔

---

(۷)

پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے حصول اور یورپ کی سیاحت کے بعد حارِان سارہ اور اپنے دو بچوں احسن اور فریدہ کے ساتھ ۳۰ نومبر ۱۹۲۹ء کو ہندوستان روانہ ہوا ایک رات ڈاکٹر حارِان جہاز کے کیبن میں سونے کے لئے لیٹا تو اس نے خود پر سفرِ یورپ کے اثرات کا جائزہ لیا۔ یورپ اپنی علمی تحقیق اور سائنس اور ٹیکنالوجی میں مسلسل ترقی کی بنا پر قابلِ صد ستائش ہے لیکن وہ اپنے سامراج استحصال اور دنیا بھر میں استحصالی نظام کو تحفظ دینے کے جرم کی بنا پر قابلِ صد نفرت ہے۔ جہاں تک انسانیت کے اخلاقی ارتقا کا تعلق ہے مغربی تہذیب ایک مہیب خطرہ ہے کیونکہ ایک طرف مغربی تہذیب نے جنسی آزادی کا غیر اخلاقی نظریہ اپنا لیا ہے اور ضبطِ نفس کو اپنے اخلاقی ضوابط سے نکال باہر کیا ہے۔ دوسری طرف مواصلاتی نظام میں نت نئی اختراعات مغربی تہذیب کو تمام دنیا میں پھیلا رہی ہیں۔ سنجانے آئندہ ساٹھ سالوں میں مواصلاتی نظام کتنا ترقی یافتہ ہو چکا ہوگا۔ اور اس طرح مغربی تہذیب کے غیر اخلاقی اثرات دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ جائیں گے۔ لیکن اس صورتِ حال کا تدارک کیا ہے! مغربی تہذیب کے غیر اخلاقی اثرات سے نجات حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پسماندہ ملکوں کے معاشی نظام اور تعلیمی نظام کو انقلابی اور اخلاقی بنا کر ایک عالمی طبقاتی معاشرے کی بنیاد رکھی جائے۔ وہ اسی طرح سوچتا گیا اور بہت دیر تک اپنے آدرش کے حصول کے خیال میں مگن رہا۔ آخر اسے نیند نے آ دبوچا۔

۳ رجنوری ۱۹۳۱ء کو ڈاکٹر حارث اور سارہ احسن اور فریدہ کے ساتھ بخیر و خوبی جرمنی سے امرتسر پہنچ گئے۔ سارہ سب گھروں کی خواتین کے لئے بالیاں اور چاکولیٹ کے پیکیٹ لائی تھی۔ سارہ بہت زیادہ سرخ و سفید، تنومند، پھرتیلی اور ہوش مند ہو چکی تھی۔ حارث بھی کافی صحت مند اور پہلے سے زیادہ خوبصورت تھا۔ دونوں بچے بھی بہت صحت مند اور خوبصورت تھے۔

گھر پہنچنے پر سب سے پہلے راشدہ نے ان کا خیر مقدم کیا، انہیں گلے لگایا اور پیار کیا۔ حارث اور سارہ نے نازیہ کو گلے لگا کر پیار کیا۔ پھر راشدہ نے آفاق کی بیوی عائشہ اور اخلاق کی بیوی صدیقہ کا تعارف کرایا۔ سارہ ان سے گلے ملی۔ اس کے فوراً بعد سارہ، حارث اور بچے واجدہ اور محسن سے ملنے چلے گئے۔ واجدہ سارہ کو اچانک دیکھ کر حیران رہ گئی اور سب کو گلے لگا کر پیار کیا۔ پھر محسن نے سارہ، حارث اور بچوں کو پیار کیا۔

شام کو احسن، آفاق اور اخلاق آئے تو حارث سارہ اور بچوں کو پیار کیا۔ راشدہ اور احسن چائے پینے کے بعد حارث، سارہ اور بچوں کو ساتھ لے کر سب سے پہلے کرنل رمیش کے ہاں گئے۔ کرنل رمیش نے انہیں دیکھ کر وِمالا کو آواز دی اور کہا "وِمالا! جلدی آؤ! حارث اور سارہ بڑوں بڑوں کے کان کاٹ کر واپس آگئے ہیں۔ وِمالا بھاگتی ہوئی آئی۔ پہلے تو سب خوب ہنسے۔ پھر کرنل رمیش اور وِمالا نے حارث، سارہ اور بچوں کو پیار کیا۔ پھر وہ کئی گھروں میں گئے۔ رات کو آفاق نے حارث کو بتایا کہ اس نے ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۹ء تک کے سیاسی حالات اختصار کے ساتھ ایک ڈائری کی شکل میں لکھے ہوئے ہیں۔ حارث نے اسے کہا کہ وہ ڈائری کے صفحات اسے دکھائے۔ آفاق نے ڈائری کے صفحات لا کر حارث کو دے دیئے اور وہ پڑھنے لگا۔

"آپ کے جانے کے بعد ہماری ایسوسی ایشن کا پہلا اجلاس اتوار کو منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی خصوصیت یہ تھی کہ مس ہربنس کور نے غدر پارٹی کے حوالے سے آزادی اور سوشلزم کے لئے سکھوں کی جد وجہد

پر بھرپور روشنی ڈالی کہ کس طرح وہ سرفروشانہ طور پہ آزادی کے لئے سینہ سپر ہوئے۔ غدر پارٹی کے سلسلے میں ایسے کئی سکھ لیڈر افقِ سیاست پر ابھرے جو انتہائی بہادر، پُرعزم، مخلص اور سرفروش کارکن تھے۔ بابا بھگوان سنگھ پنجاب کی سیاسی زندگی میں اہم شخصیت اور شہیدی جتھا کے لیڈر تھے جنہوں نے ۱۹۳۵ء میں جب کہ تمام ملک فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں تھا، ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ بلند کیا اور سردار سنت سنگھ گنڈی ونڈ نے سب سے پہلے پنجاب کے لوگوں کو سوشلزم سے شناسا کیا۔

۱۹۲۶ء اور ۱۹۲۷ء کے درمیانی عرصے میں سوشلسٹ خیالات بڑی تیزی سے سارے ملک میں پھیل گئے۔ مزدوروں اور کسانوں کی انجمنوں میں ایک نئی قسم کی سیاسی بیداری پیدا ہوئی اور سوشلسٹ جماعتیں مزدور اور کسان پارٹیوں کے نام سے پیدا ہونے لگیں۔ جنہوں نے مزدور تحریک کے جوشیلے اور سرگرم کارکنوں اور کانگرس کے بائیں بازو کے انقلابی گروہ میں ربط و اتحاد پیدا کر دیا۔ دوسری طرف جد وجہد کے انقلابی ابھار کو بار بار دبا دینے کی وجہ سے قومی تحریک جمود اور بددلی کا شکار ہو گئی اور فرقہ وارانہ فسادات سر اٹھانے لگے۔ مسلم لیگ پھر کانگرس سے الگ ہو گئی۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی سوراج پارٹی پر اونچے طبقے کا قبضہ ہو گیا۔

ہندوستان میں پہلا یوم مئی ۱۹۲۷ء میں بمبئی میں منایا گیا۔ یکم مئی کے موقع پر جو جلوس نکالا گیا اس میں تین لاکھ مزدور اور مختلف پیشوں کے عوام شامل تھے۔ بینروں پر مختلف نعرے لکھے تھے: یکم مئی کے شہید مزدوروں کو سلام"۔ "دنیا کے مزدورو ایک ہو جاؤ۔"

یکم مئی ۱۸۸۶ء کو امریکہ کے شہر شکاگو میں مزدوروں نے عام

ہڑتال کر دی اور جلوس نکالا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ اوقاتِ کار آٹھ گھنٹے رکھے جائیں۔ محنت کشوں کا یہ پُرامن احتجاجی جلوس آہستہ آہستہ ایک طوفانی شکل اختیار کرتا گیا۔ جب یہ جلوس ٹریکٹر ساز کارخانوں کے پاس پہنچا تو ایک بحرِ زخار بن گیا۔ آخر کار مرکزی پولیس اور فوج نے مزدور طبقہ کو دہشت زدہ کرنے کے لئے جلوس پر بے تحاشا لاٹھی چارج اور فائرنگ شروع کر دی۔ شکاگو کی سڑکوں پر محنت کشوں کا خون بہہ نکلا۔ مزدوروں نے اس خون سے اپنے سفید پرچموں کو سرخ بنالیا۔ اس طرح دنیا کے افق پر محنت کشوں کا سرخ پرچم ابھر آیا۔

یکم مئی ۱۸۸۶ء کے بعد شکاگو کے مزدوروں کی بے نظیر جرأت اور قربانی کی مثال کو دنیا بھر کے محنت کشوں نے اس طرح اپنا لیا کہ وہ ہر یکم مئی کو اپنے بین الاقوامی اتحاد اور اپنی اجتماعی قوت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اس طرح وہ تجدید عہد کرتے ہیں کہ وہ انسانی سماج سے جاگیر داری نظام، سرمایہ داری نظام اور سامراجی قوتوں کا خاتمہ کر کے دم لیں گے۔ ہندوستان میں یومِ مئی منانے سے یہاں مزدور طبقہ کا ایک نیا دور شروع ہوا ہے۔

۱۹۲۸ء میں سارے ملک میں ہڑتالوں کی زبردست لہر چلی یہ سال ایسا تھا کہ اس میں سب سے زیادہ سیاسی سرگرمیاں رہیں اور عوام کی بے چینی اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ لیکن ہر دفعہ بیوروکریسی نے مختلف خفیہ ہتھکنڈوں سے جدوجہد کی انقلابی لہر کا زور توڑ دیا۔

سائمن کمیشن آیا تو اس کے خلاف ملک کے مزدور طبقہ نے غیر معمولی حصہ لیا جو بہت بڑی سیاسی اہمیت رکھتا تھا دسمبر ۱۹۲۸ء میں کانگرس کا جو اجلاس ہوا اس میں عدم تعاون کی تحریک کو ایک

سال کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ اس زمانہ میں کلکتہ کے پچاس ہزار مزدوروں نے کلکتہ کانگرس کے خلاف مظاہرہ کیا اور "آزاد اشتراکی جمہوریہ ہندوستان" اور "قومی آزادی" کے نعرے لگائے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ قومی آزادی کے لئے جدوجہد شروع کی جائے اور اس میں کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے۔

۱۹۲۹ء میں حکومت نے مزدور تحریک پر مہلک وار کیا کئی قوانین بنائے گئے جن کے تحت دوسرے مزدوروں کی ہمدردی میں ہڑتال کرنا ممنوع قرار دے دیا گیا۔ رجسٹرڈ شدہ ٹریڈ یونینوں کی انتظامی کمیٹی میں کمیونسٹ عنصر آنے پر سخت قدغن لگا دی گئی۔

مارچ ۱۹۲۹ء میں ابھرتی ہوئی مزدور تحریک کے ۳۲ سرکردہ کمیونسٹ لیڈر گرفتار کر لئے گئے اور انہیں میرٹھ جیسے دور دراز مقام میں بھیج دیا گیا اور ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ اس مقدمہ کو چار سال تک طول دیا گیا۔

چین کا لونگ مارچ انسانی تاریخ میں ایک عجوبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ لونگ مارچ ۱۹۲۷ء میں شروع ہوا اور ۱۹۲۹ء میں اختتام پذیر ہوا۔ چین کی جنگِ مزاحمت بائیس سالہ جدوجہدِ آزادی پر مشتمل ہے جس میں لونگ مارچ انسانی تاریخ میں عزم و ہمت جفاکشی، مخاطرہ پسندی اور سخت کوشی کا ایک بے مثال رزمیہ ہے۔ اس لونگ مارچ میں اہلِ قافلہ نے برف پوش پہاڑوں طوفانی دریاؤں اور دلدلوں کو پار کیا۔

چین کے جن علاقوں پر سرخ فوج کا قبضہ تھا۔ ان پر چیانگ کائی شیک کی پارٹی کومن تانگ کی فوجیں وحشیانہ بمباری کر

رہی تھیں۔ سلامتی اسی میں تھی کہ کمیونسٹ آبادی اور سرخ فوجیں چین کے شمال مغرب میں منتقل ہو جائیں۔ کامریڈ ماؤ زے تنگ کی رہنمائی میں اس نقل مکانی کے لیے ۱۹۲۸ء میں تاریخی لونگ مارچ کا آغاز ہوا جس کے ذریعے چینی کمیونسٹ ایک سال کی مسافت طے کر کے چین کے شمال مغرب کے شہر ینان میں پہنچے جہاں سے پھر انہوں نے کومن تانگ فوجوں کی جارحیت کے خلاف جنگِ مزاحمت کا آغاز کیا۔ قافلے میں ایک لاکھ نفوس تھے لیکن قافلہ منزلِ مقصود پر پہنچا تو صرف بیس ہزار افراد باقی رہ گئے تھے۔"

انوار کواحسن کے ہاں ایک ملن پارٹی تھی۔ یہ موسم سرما کی ایک اجاگر شام تھی۔ اس ملن پارٹی میں گنیش سٹریٹ کے تمام خاندان شامل تھے۔ ایک بڑے شامیانے میں ایک سٹیج بنا ہوا تھا جس کے درمیان پیانو رکھا تھا۔ بائیں طرف سازندے ایک طرب ناک دھن بجا رہے تھے۔ کرنل رمیش نے سٹیج کے پاس آکر کہا! خواتین و حضرات! میں گنیش سٹریٹ کے تمام باسیوں کی طرف سے ڈاکٹر حاران اور سارہ حاران کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور ڈاکٹر حاران سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ہمیں سفر کے متعلق اپنے تاثرات سے مستفید کریں۔"

ڈاکٹر حاران نے سٹیج پر رکھی ہوئی میز کے آگے کھڑے ہو کر کہا: خواتین و حضرات! میں اور سارہ خود کو دوبارہ آپ کے درمیان پا کر اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتے ہیں کیونکہ آپ کا سا خلوص ہمیں کہیں اور ملنا محال ہے ہم نے جرمن جیسی ترقی یافتہ قوم کے درمیان رہ کر بہت کچھ سیکھا ہے --- زندگی کس طرح بسر کرنا ہے ہمیں سماج میں اپنے ذاتی ارتقا کے لیے کس طرح آگے بڑھنا ہے اور دوسروں کے ساتھ تعلقات میں احترامِ آدمی کو کس طرح ملحوظ رکھنا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سارہ نے وہاں رہ کر مجھ سے کہیں زیادہ سیکھا ہے۔ اس نے جرمن زبان پر مکمل دسترس حاصل کی ہے۔ وہاں کی سماجی زندگی کے اچھے پہلوؤں کو اپنایا ہے اور پیانو پر جرمن دھنیں بجانے میں کمال حاصل کیا ہے میرے خیال میں سارہ نے سب سے بڑھ کر جرمن عورتوں کی ہوش مندی، سلیقہ شعاری اور پھرتیلے پن کو اپنایا ہے۔" حاضرین نے تالیاں بجائیں۔

حاران نے اپنا بیان پھر شروع کیا: "اگرچہ جرمن قوم کچھ جذباتی واقع ہوئی ہے لیکن وہ فلسفہ اور سائنس میں بہت ترقی یافتہ قوم ہے۔ جہاں تک میں نے مطالعہ کیا ہے اس وقت جرمنی کی سیاسی زندگی میں بہت بڑا تلاطم آنے والا ہے۔ سارے ملک میں فسطائیت سر اٹھا رہی ہے اور بہت ممکن ہے کہ بہت جلد فسطائیت کا عظیم پرچارک ایڈولف ہٹلر برسرِ اقتدار آ جائے۔ فسطائیت اجارہ دار سرمایہ داروں کے انتہائی رجعت پسند، انتہائی جارحانہ اور انتہائی سامراجی عناصر کی اعلانیہ دہشت پسند آمریت کا نام ہے جس میں ہٹلر نے نسلی برتری کے نظریہ کا افسانہ کر دیا ہے۔ شاید چند سالوں کے بعد دنیا کو دوسری عالمی جنگ کا سامنا کرنا پڑے، جہاں تک ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا تعلق ہے مجھے محنتِ شاقہ سے کام لینا پڑا۔ اب میں محترمہ سارہ سے التماس کرتا ہوں کہ وہ پیانو پر جرمن دھنیں بجا کر حاضرین کو محظوظ کریں۔"

سارہ سٹیج پر آکر پیانو کے آگے بیٹھ گئی۔ اس نے پیانو پر تین جرمن دھنیں بجائیں اور سامعین کو مبہوت کر دیا۔ جب وہ سٹیج سے اتری تو حاضرین نے مسلسل تالیاں بجائیں۔ اس کے بعد سب چائے کے لیے اٹھے۔ جب سب چائے پی چکے تو سارہ نے سٹیج کے پاس آکر کہا: "میں ہر فیملی کے لیے ایک حقیر سا تحفہ لائی ہوں۔ خواتین سے درخواست ہے کہ وہ سٹیج کے پاس آکر یہ حقیر تحفہ وصول کر لیں۔ اس طرح سب خواتین نے بالیاں اور چاکولیٹ کے پیکٹ وصول کیے۔

دوسرے دن سول اینڈ ملٹری گزٹ میں خبر شائع ہوئی کہ گنیش سٹریٹ

کے حاران احمد نے پانچ سال میں پی۔ ایچ ڈی کے لئے اپنا تھیسس جرمن زبان میں بون یونیورسٹی کو پیش کیا اور اب وہ پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لے کر وطن واپس لوٹے ہیں۔ منگل کو ایک خط موصول ہوا کہ ڈی۔ اے۔ وی کالج کی گورننگ باڈی ڈاکٹر حاران کو کالج کے پرنسپل کے عہدے پر فائز کرنا چاہتی ہے وہ ضروری کاغذات کے ساتھ بدھ کو دس بجے کالج میں مسٹر ملہوترہ سے ملیں۔ حسب پروگرام حاران بدھ کو مسٹر ملہوترہ سے ملا جس نے اسے گورننگ باڈی سے ملایا۔ گورننگ باڈی نے ڈاکٹر حاران کو سوموار سے کالج کا پرنسپل مقرر کیا۔ اور باقاعدہ توثیق کا خط بھی دے دیا۔ جب احسن نے کرنل رمیش کو حاران کے پرنسپل مقرر ہونے کی خبر سنائی تو اس نے کہا: "احسن صاحب! یہ لڑکا بڑوں بڑوں کے کان کاٹتا ہی چلا جائے گا۔ یہ ہرگز باز نہیں آئے گا۔" وملا اور احسن دونوں خوب ہنسے۔ پروفیسر ماتھر نے سنا تو وہ بہت خوش ہوا۔ کیونکہ وہ اسی کالج میں پروفیسر تھا۔

حاران اور سارہ نے کل لاہور جانے کا پروگرام بنایا تاکہ وہ سوموار سے پہلے کامنی اور دلیپ سے مل آئیں۔ سارہ کامنی اور وجینتی کے لئے بھی بالیاں اور چاکولیٹ کے پیکٹ لے گئی۔

سارہ اور حاران بچوں کے ساتھ کامنی کے گھر پہنچے تو پہلے سری نواس اور رکمنی کو سلام کرنے گئے۔ انہوں نے حاران سارہ اور بچوں کو پیار کیا۔ ڈرائنگ روم میں کامنی، دلیپ، وجینتی اور رکیدار ناتھ بیٹھے تھے۔ کامنی حاران کو دیکھتے ہی اس سے لپٹ گئی۔ حاران نے اسے پیار سے اپنے ساتھ لگا لیا۔ وجینتی سارہ سے گلے ملی اور بعد میں کامنی سارہ سے گلے ملی۔ دلیپ حاران سے بغل گیر ہوا۔ پھر کامنی نے حاران سے کہا: "آپ سے ملئے! آپ وجینتی کے شوہر کیدار ناتھ ہیں۔" حاران کیدار ناتھ سے بغل گیر ہوا۔ کامنی اور وجینتی نے احسن اور فریدہ کو پیار کیا۔ سارہ اور حاران نے کامنی کے بچوں کو پیار کیا۔ خادمہ چائے لے کر آئی اور سب چائے پینے لگے۔ سارہ نے اپنے سوٹ کیس میں سے بالیاں اور چاکولیٹ کے پیکٹ نکال کر کامنی

اور وجینتی کو دیئے۔ انہوں نے سارہ کا شکریہ ادا کیا۔ سارہ نے کہا کہ ڈاکٹر حاران ڈی اے وی کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے ہیں۔ سب نے حاران کو مبارکباد دی۔ وجینتی نے کہا کہ کل اس کے ہاں ڈاکٹر حاران اور محترمہ سارہ کے اعزاز میں ایک ٹی پارٹی دی جائے گی جس میں ایسوسی ایشن کے تمام ارکان اور اس کے چند رشتہ دار شامل ہوں گے۔ کامنی نے اعلان کیا کہ وہ ہفتہ کی رات کو جمخانہ کلب میں حاران بھیا اور محترمہ سارہ حاران کے اعزاز میں ڈنر دے گی۔ اور وجینتی اور رکیدار ناتھ ان کے ساتھ ہوں گے۔ سب کے اصرار پر سارہ نے پیانو پر تین جرمن دھنیں بجا کر حاضرین کو محظوظ کیا۔ کامنی تو ششدر رہ گئی۔

سوموار کو ڈاکٹر حاران اپنے سائیکل پر عین وقت پر کالج پہنچ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پروفیسر ماتھر آیا اور دوسرے پروفیسر آنے لگے۔ وائس پرنسپل مسٹر شرما بھی آ گیا۔ وائس پرنسپل نے حاران کو بتایا کہ آج دس بجے کالج ہال میں طلبا اور طالبات سے ان کے تعارف کی تقریب ہو گی جس میں وہ طالب علموں سے خطاب کریں گے۔ مسٹر شرما نے پروفیسر صاحبان کا تعارف بھی کرایا۔

دس بجے تک ہال طلبا اور طالبات سے کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ سٹیج پر مسٹر شرما، ڈاکٹر حاران اور پروفیسر ماتھر بیٹھے تھے۔ مسٹر شرما نے اٹھ کر کہا: "خواتین و حضرات! ڈی۔ اے۔ وی کالج کے نئے پرنسپل جناب ڈاکٹر حاران احمد نے حال ہی میں جرمنی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ بڑی اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنا تھیسس جرمن زبان میں پیش کیا۔ اس کالج کی خوش قسمتی ہے کہ جناب ڈاکٹر حاران جیسی لائق شخصیت اسے پرنسپل کی شکل میں ملی۔ میں ڈاکٹر حاران سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ سٹاف اور طالب علموں سے خطاب کریں۔" حاضرین نے تالیاں بجائیں۔

ڈاکٹر حاران اپنی سیٹ سے اٹھا اور اس نے کہا: "معزز خواتین و حضرات اور طلبا و طالبات! میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے اس یادگار

کالج میں خدمت کا موقع ملا۔ تعلیم کے دو پہلو ہیں۔ ایک پیشہ ورانہ تعلیم جسے جدید سائنسی علوم مہیا کرتے ہیں۔ اور دوسری سیرت ساز تعلیم جسے دانش و فلسفہ اور ادب و فنونِ لطیفہ مہیا کرتے ہیں۔ ایک یونیورسٹی تہذیب کا مرکز ہوتی ہے اور ایک کالج کا فریضہ محض یہ نہیں کہ وہ انسان کو ایک انجینئر یا کوئی اور ماہر پیشہ ور بنا دے۔ اس کے برعکس کالج کا اصل فریضہ یہ ہے کہ وہ ایک طالب علم میں ایک طرف پیشہ ورانہ قابلیت پیدا کرے اور دوسری طرف اس کی شخصیت کی اخلاقی تشکیل کرے۔ ایک کالج آئندہ نسلوں کو متاثر کرتا ہے۔ اس لئے کالج میں پیشہ ورانہ تعلیم کے علاوہ تہذیبی سرگرمیوں کا تسلسل لابدی ہے۔ تاکہ جب ایک طالب علم زندگی کے میدان میں قدم رکھے تو وہ ایک ماہر پیشہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اخلاقی انسان ہونے کا مظاہرہ بھی کر سکے میں نئی نسل سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ تعلیم کے ان دونوں پہلوؤں پر نظر رکھ کر اپنی شخصیت کی تعمیر کرے گی۔ ہم کالج کی تہذیبی سرگرمیوں کو بڑی احتیاط سے مرتب کریں گے۔"

ڈاکٹر حاران اپنی سیٹ پر بیٹھا تو حاضرین نے مسلسل تالیاں بجائیں۔ اس کے بعد کالج کے میوزک ماسٹر نے علامہ اقبال کی نظم "زندگی" گا کر سنائی اور سب کو مسحور کر دیا۔ گانا ختم ہونے پر سب اٹھ کھڑے ہوئے۔

ڈاکٹر حاران اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا ضروری کاغذات کے مطالعہ میں محو تھا۔ کالج میں چھٹی ہو چکی تھی۔ سٹاف اور طالب علم جا چکے تھے۔ چپڑاسی نے اندر آ کر کہا: "حضور! کالج بند ہوئے تو دس منٹ ہو گئے ہیں۔" حاران نے کاغذات میز کے دراز میں رکھے اور اٹھ کھڑا ہوا۔ چپڑاسی اس کا سائیکل لے آیا۔ حاران سائیکل پر سوار ہونے لگا تو ایک کار اس کے پاس آ کر ٹھہری اور ایک چھریرے بدن کی دراز قد لڑکی کار سے باہر نکلی۔ اس کے خدوخال انتہائی دلکش تھے اور کانوں میں آویزے چہرے کی حرکت سے مسلسل ہل رہے تھے۔ ڈاکٹر حاران اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے مبہوت ہو گیا۔ لڑکی نے حاران کو جھک کر سلام کیا اور اپنا

تعارف کراتے ہوئے کہا کہ وہ فورتھ ائیر کی طالبہ ہے اور اس کا نام انیتا ہے۔ حاران نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا۔ انیتا نے فوراً کہا: "سر! میں آپ کو سائیکل پہ نہیں جانے دوں گی۔ آپ میری کار میں بیٹھیں۔" اس نے چپڑاسی سے کہا: "غلام علی! سائیکل کو کار کی ڈگی میں سلیقے سے رکھ دو۔" غلام علی نے سائیکل کو حفاظت کے ساتھ ڈگی میں رکھ دیا۔ اور سلام کر کے کمرے کی جانب چلا گیا۔

کار چلاتے ہوئے انیتا نے کہا: "سر! آپ میری یہ درخواست مان لیں کہ میں آپ کو روزانہ کالج لایا کروں اور پھر گھر پہنچایا کروں۔ مجھے اس میں کوئی زحمت نہیں کرنی پڑے گی کیونکہ میں گنیش سٹریٹ سے تھوڑے فاصلے پر ہی رہتی ہوں۔" ڈاکٹر حاران نے کہا: "کامریڈ انیتا! آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ لیکن روزانہ کی یہ بزنس پروان نہیں چڑھ سکے گی۔" "نہیں سر! یہ کوئی ناممکن بات نہیں میں تو آپ کو سائیکل پہ سوار نہیں ہونے دوں گی۔" انیتا نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر میں گنیش سٹریٹ آ گئی انیتا نے کار احسن کی کوٹھی کے آگے روکی اور ہلکا سا ہارن دیا۔ آفاق باہر نکلا اور اس نے ڈگی سے سائیکل نکالا۔ انیتا نے سلام کیا اور کار لے کر چلی گئی۔ سارہ نے پوچھا کہ انہیں کار پر کون لے کر آیا تھا۔ حاران نے بتایا کہ کالج کی ایک طالبہ انیتا اسے اپنی کار پہ لائی تھی۔ سارہ نے اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہ دی اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

شام کو حاران کچھ ضروری باتیں معلوم کرنے کے لئے پروفیسر ماتھر کے ہاں گیا وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ حاران نے ماتھر سے پوچھا کہ آیا ان کے کالج میں پروگریسو یوتھ ایسوسی ایشن کا قیام ممکن ہے اور مخالف عناصر بھی ہیں پروفیسر ماتھر نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ایسی ایسوسی ایشن بڑی آسانی سے بن سکتی ہے۔ لیکن اس کے لئے مدن لال اور انیتا منوہر کو ہاتھ میں لینا پڑے گا جو فورتھ ائیر کے طالب علم ہیں۔ جہاں تک مخالفین کا تعلق ہے۔ صرف مسٹر ملہوترہ جو انتظامیہ میں ہیڈ کلرک ہے۔ خطرناک ہستی ہے لیکن وہ بھی فکری لحاظ سے

خطرناک نہیں، بلکہ وہ انتظامیہ میں ضرور آمر بنا ہوا ہے۔

حاران نے مزید پوچھا کہ انیتا کا پس منظر کیا ہے۔ پروفیسر ماتھر نے بتایا کہ انیتا سیٹھ منوہر لال کی اکلوتی بیٹی ہے، اس لئے اسے بہت عزیز ہے وہ بہت ذہین، ہمدرد اور ترقی پسند خیالات کی حامل ہے۔ اسی لمحے میرا چائے لے کر آئی اور اس نے حاران کو جھک کر سلام کیا۔ حاران چائے پی کر جانے کے لئے اٹھا۔

گھر پہنچ کر انیتا سیٹھ منوہر لال سے لپٹ گئی اور کہنے لگی: "ڈیڈی! ہمارے کالج میں نئے پرنسپل ڈاکٹر حاران کا تقرر ہوا ہے۔ وہ نوجوان، حسین اور انتہائی نیک دل انسان ہیں۔ جرمنی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لے کے آئے ہیں۔" منوہر لال کو تو پہلے ہی پتہ تھا لیکن اس نے انیتا پر ظاہر نہ کیا اور کہا کہ "پھر تو اسے ڈاکٹر حاران کو چائے پر مدعو کرنا چاہیئے۔" انیتا نے خوشی سے اچھل کر کہا: "ڈیڈی! یہ خیال تو بہت اچھا ہے ڈاکٹر حاران ایک غریب آدمی ہیں وہ بیچارے سائیکل پر کالج آتے ہیں لیکن میں نے انہیں اپنی کار پر ان کے گھر پہنچایا اور آئندہ بھی انہیں اپنی کار پر کالج لے جایا کروں گی اور واپس گھر پہنچایا کروں گی۔" منوہر لال نے کہا: "انیتا بیٹی! میرے ایک دوست لندن جا رہے ہیں اور وہ اپنی کار بیچنا چاہتے ہیں۔ کیوں نہ ہم وہ کار ڈاکٹر حاران کو لے دیں!" انیتا نے خوشی کے عالم میں منوہر سے لپٹتے ہوئے کہا: "میرے پیارے ڈیڈی! یہ تو بہت اچھی بات ہوگی۔" "بہت اچھا بیٹی! میں یہ معاملہ بہت جلد طے کر دوں گا۔" منوہر کے یہ الفاظ سن کر انیتا سیدھی باورچی خانے میں گئی اور "ماتاجی" کہہ کر دروپتی سے لپٹ گئی۔ دروپتی نے کہا: "انیتا بیٹی! اتنی خوش کیوں ہو؟" "نہیں ماتاجی! میں خوش تو نہیں ہوں۔ میں نے محض آپ سے محبت کا اظہار کیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔ منوہر لال کسی قسم کی نمائش کا قائل نہ تھا۔ اس نے گورننگ باڈی کے ارکان اور ملہوترہ کو کہہ رکھا تھا کہ انیتا کو اس کے ڈائرکٹر ہونے کا علم نہ ہو۔ اسی لئے وہ تعارفی تقریب میں نہیں گیا تھا۔

صبح ساڑھے آٹھ بجے انیتا نے احسن کی کوٹھی کے سامنے کار ٹھہرا کر ہلکا سا ہارن دیا۔ ڈاکٹر حاران دروازے سے باہر آئے اور "ہیلو کامریڈ انیتا" کہہ کر کار میں بیٹھ گئے۔ انیتا نے آداب اسست کہا۔ کالج پہنچ کر جب حاران کار سے باہر نکلا تو اس نے انیتا سے کہا کہ وہ دس بجے اسے اور مدن لال کو ایک ضروری کام کے لئے بلائے گا۔

پونے دس بجے ڈاکٹر حاران نے غلام علی کو بھیجا کہ وہ انیتا اور مدن لال کو بلا لائے۔ دس بجے وہ دونوں حاران کے کمرے میں داخل ہوئے اور آداب اسست کہا۔ حاران نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ حاران نے کہا: "کامریڈ انیتا! اور کامریڈ مدن لال! میں نے آپ کو آنے کی زحمت اس لئے دی ہے کہ میں ایک انتہائی اہم معاملہ آپ کے سامنے رکھوں، میں چاہتا ہوں کہ کالج میں پروگریسو یوتھ ایسوسی ایشن قائم کی جائے۔ اگر آپ اس تجویز کے حق میں ہیں تو میں آپ کے پورے پورے تعاون کا متمنی ہوں۔" انیتا نے کہا: "سر! ہم تو دل و جان سے ایسی تجویز کے حامی ہیں۔" مدن لال نے کہا: "یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ ہمارے کالج میں تشریف لائے ہیں۔ ہم پورے خلوص کے ساتھ اس ایسوسی ایشن کے قیام میں تعاون کریں گے۔" حاران نے کہا: "اب آپ سے میری درخواست ہے کہ آپ ایسے طلبا اور طالبات پر نظر رکھیں جو ترقی پسند خیالات رکھتے ہوں اور فرض شناس ہوں۔" "بہت اچھا سر!" دونوں نے اپنی سیٹوں سے اٹھتے ہوئے کہا۔

کالج بند ہوا تو انیتا کار لے کر حاران کے کمرے کے سامنے آئی اور ہلکا سا ہارن دے کر کمرے میں آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ حاران ابھی ضروری کاغذات کی آخری سطریں پڑھ رہا تھا۔ پھر اس نے کاغذات میز کے دراز میں رکھ دیئے اور انیتا پر ایک نظر ڈالی اس کے چہرے کی جنبش سے بالیاں برابر ہل رہی تھیں اور اس کے حسن کی دھج مسحور کن تھی۔

حاران نے سارہ کو صبح ہی کہہ دیا تھا کہ وہ اچھے کپڑے پہن کر تیار رہے، وہ کالج سے واپسی پر اس کا تعارف انیتا سے کرائے گا۔ کار احسن کی کوٹھی کے آگے ٹھہری اور انیتا نے ہلکا سا ہارن دیا۔ حاران نے انیتا سے کہا کہ وہ پانچ منٹ کے لیے اندر آئے۔ انیتا مسکراتی ہوئی اندر آئی۔ سارہ نے اس کا خیر مقدم کیا اور انیتا نے اسے سلام کیا۔ حاران نے دونوں کا باہمی تعارف کراتے ہوئے کہا: "سارہ! یہ سیٹھ منوہر لال کی اکلوتی بیٹی مس انیتا ہیں۔ آپ فورتھ ایئر کی ذہین طالب علم، ترقی پسند خیالات کی حامل ٹینس کی بہترین کھلاڑی اور انتہائی ہمدرد اور نیک دل خاتون ہیں۔" سارہ انیتا سے گلے ملی اور اس کی پیشانی کو چوما۔ پھر حاران نے انیتا سے مخاطب ہو کر کہا: "یہ مسز سارہ حاران ہیں۔ جرمن زبان بولنے اور پیانو بجانے میں ماہر اور ٹینس کی بڑی ہوش مند کھلاڑی ہیں۔ پاس ہی کھڑے بچوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے حاران نے بتایا کہ یہ ان کے بچے احسن اور فریدہ ہیں۔" حاران نے دیکھا کہ انیتا کے چہرے پر اداسی چھا گئی تھی۔ لیکن اس نے مصنوعی بشاشت کے ساتھ بچوں کو پیار کیا۔ انیتا نے کہا کہ اب وہ چلتی ہے۔ اس نے کار کے پاس جاکر حاران کی جانب دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے۔ ڈاکٹر حاران نے انیتا سے کہا کہ وہ ایک منٹ کے لیے اس کے کمرے میں آئے۔ اسے ایک ضروری بات کہنا ہے۔ انیتا حاران کے ساتھ اس کے کمرے میں آگئی۔ اس دوران میں آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔ حاران نے انیتا کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا: "کامریڈ انیتا! میں آپ کو ایک خط دے رہا ہوں۔ آپ گھر جاکر اطمینان سے بیٹھ کر اسے پڑھ لیں۔ کل صبح ملاقات ہوگی۔" حاران نے اسے خط دے دیا۔ انیتا آنسو پونچھ کر مسکراتی ہوئی باہر نکلی اور اپنی کار میں بیٹھ کر چلی گئی۔

انیتا گھر پہنچی۔ اس نے اطمینان سے کپڑے بدل کر ہاتھ منہ دھویا اور کھانا کھایا۔ اس نے ماتاجی کو سلام کر لیا تھا۔ اب وہ پتاجی کو سلام کرنے گئی۔ منوہر نے اسے گلے لگایا اور اس کی پیشانی کو چوما۔ باہر آسمان پر بادل جھکا کھڑا تھا

اور سرد ہوا چل رہی تھی۔ انیتا اپنے کمرے میں آئی تو اس نے اپنے بدن میں تھکن محسوس کی وہ لیٹ گئی اور بہت جلد سو گئی۔ شام گہری ہو چکی تھی جب اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے ہاتھ منہ دھویا اور خادمہ چائے لے آئی۔ چائے پینے کے بعد اس نے حاران کا خط اپنے تکیے کے نیچے سے نکالا اور پڑھنے لگی۔

"کامریڈ انیتا

تسلیم

ہم ایک ہی کشتی میں سوار تھے۔ اور ڈر تھا کہ کہیں کشتی ڈوب نہ جائے۔ لیکن نہیں، انسان کی انسانیت نے اسے جبلت پر حاوی ہونا سکھایا ہے۔ ضبطِ نفس فوق الکرامت ہے جو انسان کو حیوان سے الگ کر کے اسے اخلاقی انسان بنا دیتا ہے۔ ضبطِ نفس میں ایک ایسی سرمستی ہے جو انسان کو نفسانی خواہشات سے بے پروا کر دیتی ہے۔ جب انسان اپنے جنسی ہیجان کو ارتفاع —— Sublimation کے راستے پر ڈالتا ہے۔ تو وہ فنونِ لطیفہ کو جنم دیتا ہے۔ میں آپ کی شخصیت کا مطالعہ کر چکا ہوں، آپ کے اندر ایک بہت بڑا مصور چھپا ہوا ہے اگر آپ اپنے جنسی ہیجان کو ارتفاع کے راستے پر ڈال دیں تو آپ ایک بہت بڑی مصورہ بن سکتی ہیں اور زندگی کی عکاسی واقعیت کے رنگ میں کر سکتی ہیں۔ خدا کرے یہ خط آپ کے من کی دنیا کو اور آپ کی امنگوں اور آرزوؤں کو بدل دے۔

آپ مجھے نہ "سر" کہیں اور نہ "ڈاکٹر صاحب" کہیں بلکہ آپ مجھے "حاران بھیا" کہیں آپ تو میری ایک چھوٹی سی بہن ہیں۔

آپ کا بھیا

حاران"

خط پڑھنے کے بعد انیتا پہلے تو دم بخود ہو کر رہ گئی۔ پھر دھیرے دھیرے اس کے من میں زندگی کی نئی آرزوئیں ابھرنے لگیں اور اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ مصوری کی دھن میں لگ جائے گی۔ وہ فوراً منوہر لال کے کمرے میں گئی اور کہنے لگی:

"پتاجی! پہلی بات تو یہ ہے کہ آیا آپ نے اپنے دوست سے کار کے متعلق بات کی ہے؟" منوہر لال نے کہا: "میری ننھی بیٹی! میں نے اپنے دوست سے کار کے متعلق بات پکی کر لی ہے۔ وہ کل کار ہمیں دے دے گا۔ آپ ڈاکٹر حاران کو چائے پر مدعو کر لیں تاکہ کار ان کے حوالے کر دی جائے۔" انیتا خوشی کے مارے منوہر لال سے لپٹ گئی۔ اس نے انیتا کو گلے لگا لیا۔ انیتا نے کہا: "پتاجی! دوسری بات یہ ہے کہ میں مصوری سیکھنا چاہتی ہوں۔ آپ شہر کے مشہور مصور ستیش چند سے بات کر کے مجھے اس کی شاگرد بنا دیں۔" یہ سن کر منوہر لال کو بڑا تعجب ہوا کہ مصوری کا خیال اس کے دماغ میں کیسے آیا۔ منوہر لال نے کہا: "بیٹی! میں ابھی ستیش چند سے مل کر اس سے اس معاملے میں بات کرتا ہوں۔" انیتا پھر منوہر لال سے لپٹ گئی اور کہنے لگی: "پتاجی! میں آپ کی نوازشوں کے لئے آپ کی بہت مشکور ہوں۔ اچھا اب میں للتا سے ملنے کے لئے جاتی ہوں۔ آپ ستیش چند سے مل آئیں۔" منوہر لال نے اسے تھپکی دی۔ انیتا فوراً اپنی سہیلی للتا کے ہاں چلی گئی۔

منوہر لال مصوری کے خیال کی ٹوہ لگانے کے لئے انیتا کے کمرے میں گیا۔ تو تکیہ پر ایک خط پڑا ہوا پایا۔ اس نے خط اٹھا کر پڑھا۔ وہ ڈاکٹر حاران کی علمی قابلیت اور نیک دلی پر ششدر رہ گیا۔ اس نے خط وہیں اسی طرح رکھ دیا اور ستیش چند کے پاس جانے کے لئے ڈرائیور سے کار گیرج سے باہر نکالنے کے لئے کہا۔

انیتا اپنی سہیلی للتا کے پاس پہنچی تھی۔ للتا بھی فورتھ ایئر کی طالبہ تھی۔ للتا نے انیتا سے بولا کہا: "انیتا آج تم اتنی خوش کیوں ہو؟ سچ سچ بتاؤ!" "میری خوشی کی دو وجوہ ہیں۔ ایک تو ہمارے کالج کے پرنسپل ڈاکٹر حاران نے مجھے اپنی بہن بنا لیا ہے اور دوسرے یہ کہ میں مصوری سیکھنے لگی ہوں۔ پتاجی شہر کے معروف مصور ستیش چند کے پاس گئے ہیں۔" انیتا نے بتایا۔ "واقعی یہ دونوں باتیں تمہاری خوش قسمتی کی نشانیاں ہیں۔" للتا نے کہا۔ خادمہ چائے لے کر آئی تو دونوں چائے پینے لگیں۔

منوہر لال پورچ میں کار سے اترا تو تیز ہوا لان کے درختوں میں سرسرا رہی تھی۔ وہ انیتا کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ مطالعہ میں محو تھی۔ منوہر لال نے کہا: "انیتا بیٹی! ستیش چند آپ کے استاد مقرر ہو گئے ہیں۔ وہ پرسوں شام ساڑھے پانچ بجے تمام ضروری اشیاء اپنے ساتھ لے کر آئیں گے۔" انیتا نے جھک کر منوہر لال کے پاؤں کو چھوا اور اس سے لپٹ گئی۔ منوہر لال نے اسے گلے لگا کر پیار کیا اور اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔ "ڈاکٹر حاران کتنا سیرت ساز اتالیق ہے۔" اس نے سوچا۔

صبح ساڑھے آٹھ بجے انیتا نے چپکے سے کار احسن کی کوٹھی کے سامنے ٹھہرائی اور کار سے اتر کر باہر گیٹ پر دستک دی۔ جب حاران دروازے میں نمودار ہوا تو انیتا گیٹ کھول کر اندر آئی اور "حاران بھیا" کہہ کر اس سے لپٹ گئی۔ وہ انیتا کو اپنے بائیں بازو میں تھامے اندر لے آیا۔ انیتا نے سارہ کو دیکھتے ہی "سارا باجی! آداب است" کہا۔ سارہ نے اسے گلے سے لگا کر پیار کیا۔ راشدہ باورچی خانے سے باہر آئی تو حاران نے کہا: "یہ میری امی جان ہیں۔" انیتا نے کہا: "ماتاجی! آداب است" راشدہ نے اسے گلے لگا کر پیار کیا۔ انیتا نے احسن فریدہ اور نازیہ کو پیار کیا۔

پھر حاران نے انیتا کو عائشہ اور صدیقہ سے متعارف کرایا۔ انیتا نے کہا "حاران بھیا! میں آپ کے لئے تین خوش خبریاں لے کر آئی ہوں۔ ایک تو یہ کہ آپ میرے پکے بھیا بن گئے ہیں۔ دوسری یہ کہ میں پرسوں سے باقاعدہ مصوری سیکھنا شروع کر رہی ہوں۔ شہر کے معروف مصور ستیش چند میرے استاد مقرر ہوئے ہیں۔ تیسری یہ کہ پتاجی نے آپ کے لئے ایک کار خریدی ہے اور کل آپ کو مع سارہ باجی اور بچوں کے چائے پر بلایا ہے تاکہ کار آپ کے حوالے کی جائے۔ میں پانچ بجے شام آپ کو لینے کے لئے آؤں گی آپ تیار رہیے گا۔" انیتا نے سب کو سلام کیا اور حاران کے ساتھ کار میں بیٹھ کر کالج کو چل دی۔

شام بڑی اجاگر تھی جب حاران اور سارہ بچوں کے ساتھ منوہر لال کے ہاں پہنچے۔ منوہر لال سارہ کے حسن کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ کتنا حسین اور شائستہ جوڑا ہے۔ اس نے سوچا۔ حاران اور سارہ نے کہا: "ڈیڈی! آداب است"۔ منوہر لال نے سارہ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ سب ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ منوہر لال نے کہا: "حاران بیٹا! میں نے آپ کے لئے ایک کار خریدی ہے۔ امید ہے کہ آپ قبول فرمائیں گے۔" حاران نے کہا "ڈیڈی! یہ تو آپ نے ہم پر بہت بڑی کرم نوازی کی ہے جسے ہم کبھی بھول نہیں سکتے۔" منوہر لال نے کہا "یہ تو میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ جب آپ نے اپنا بیٹی کو اپنی بہن بنا لیا ہے اور آپ اس کی اتنی رہنمائی کرتے ہیں تو میرا بھی کچھ حق بنتا ہے۔ ہاں! یہ بھی یاد رکھیں کہ اگر کالج کے سٹاف کا کوئی شخص آپ کے پروگرام میں حائل ہو تو آپ فوراً مجھے بتائیں۔" حاران نے کہا کہ یہ بھی ان کی خاص نوازش ہے۔ منوہر لال نے احسن اور فریدہ کو پیار کیا۔

للتا کمرے میں آئی تو انیتا نے سارہ سے کہا: "سارہ باجی! میری سہیلی للتا سے ملیں۔ آپ فورتھ ائیر کی طالبہ اور سیٹھ رتن لال کی صاحبزادی ہیں۔" پھر انیتا نے للتا سے کہا "یہ ڈاکٹر حاران اور مسز سارہ حاران ہیں۔" للتا نے "آداب است" کہا۔ خادمہ چائے لیکر آئی تو انیتا اور للتا دونوں چائے بنانے لگیں۔ چائے پینے کے بعد حاران نے منوہر لال سے کہا کہ اب ان کی باری ہے کہ وہ کنگنش سٹریٹ تشریف لائیں۔ منوہر لال نے پورچ میں آکر کہا: "بیٹا! وہ نیلے رنگ کی کار آپ کی ہے۔ اور یہ لیں کار کے تمام کاغذات۔ آپ کی کار کو انیتا چلا کر لے جائے گی اور میری کار لے کر ڈرائیور آپ کے ساتھ جائے گا۔ اور آتے وقت انیتا میری کار میں آئے گی۔" حاران نے کاغذات لیتے ہوئے منوہر لال کا شکریہ ادا کیا۔

سارہ نے دس دن کی لگاتار محنت اور احسن صاحب کی رہنمائی سے ڈرائیونگ سیکھ لی اور لائسنس حاصل کر لیا۔ بچوں کو سکول میں داخل کر دیا۔ سارہ صبح حاران اور بچوں کو چھوڑنے جاتی اور دوپہر کو انہیں لینے جاتی۔ احسن نے ایک دن حاران

کی انیتا سے ملاقات اور سیٹھ منوہر لال کا حاران کو کار دینے کا سارا واقعہ کرنل رمیش اور نرملا کو سنایا۔ وہ دونوں دنگ رہ گئے اور کہنے لگے کہ واقعی حاران کی شخصیت مسحور کن ہے۔ پھر کرنل رمیش نے اپنا پرانا جملہ دہرایا اور کہا: "احسن صاحب! یہ لڑکا کبھی باز نہیں آئے گا۔ یہ بڑوں بڑوں کے کان کاٹتا ہی چلا جائے گا۔" نرملا اور احسن خوب ہنسے۔

رات کے سناٹے میں ڈاکٹر حاران نے سنہ ۱۹۳۰ء کے دوران دنیا اور ملک کی سیاسی حالت کا جائزہ لیا۔ دنیا بھر کے معاشروں میں ایک مہلک قسم کا معاشی بحران آیا اور بے روزگاری ہر جگہ ناقابل برداشت حد تک بڑھ گئی۔ دوسری طرف جرمنی، اٹلی اور جاپان میں فسطائی طاقتیں ابھر رہی تھیں۔ تیسری طرف ہندوستان میں جدوجہد آزادی کو دبانے کے لئے برطانوی سامراج کا تشدد بڑھنے لگا۔

۲۳ اپریل سنہ ۱۹۳۰ء کو سانحۂ قصہ خوانی بازار (پشاور) پیش آیا۔ اس دن کی پٹھانوں کی بہادری تاریخ کے صفحوں پر ہمیشہ آزادی کے لئے قربانی کی ایک بہت بڑی مثال بن کر رہے گی۔

ہندوستان میں جدوجہد آزادی کا المیہ یہ رہا کہ جب جدوجہد آزادی میں انقلابی ابھار پیدا ہوتا تو بیوروکریسی عوام میں مختلف طریقوں سے فرقہ وارانہ نفرت پھیلا دیتی۔ اس پالیسی کا نتیجہ آخر کار سنہ ۱۹۴۷ء کے خونریز فسادات کی شکل میں سامنے آیا۔ اس طرح استحصالی قوتوں کی حفاظت کی جاتی کیونکہ بیوروکریسی کو خطرہ تھا کہ کہیں سیاسی ہیجان ایک سماجی انقلاب میں نہ بدل جائے۔

ڈاکٹر حاران کالج میں اپنے کمرے میں کام کر رہا تھا۔ مدن لال اور انیتا کمرے میں داخل ہوئے اور حاران کو سلام کیا۔ حاران نے انہیں بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ دو منٹ کے بعد حاران نے سر اوپر اٹھا کر کہا کہ ایسوسی ایشن کی ممبر شپ کا کیا حال ہے۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اٹھارہ ممبر بنا لئے ہیں جن میں نو طلبا اور نو طالبات شامل ہیں۔ حاران نے اس کارنامے کو بہت سراہا۔ انیتا

نے کہا کہ وہ چاہتی ہے کہ آئندہ اتوار کو اجلاس اس کے ہاں منعقد ہو۔ حاران نے کہا کہ یہ تو اس کی کرم فرمائی ہے۔

مدن لال نے اجازت چاہی تو انیتا نے کہا: کامریڈ مدن ابھی اپنے بھیا سے دو باتیں کر کے آتی ہوں۔ حاران نے پوچھا کہ اس کی مصوری کا کیا حال ہے۔ انیتا نے کہا "بھیا! استیش چندر نے میری ابتدائی کوششیں دیکھ کر کہا کہ میں مستقبل قریب میں بہت بڑی آرٹسٹ بن سکتی ہوں۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ مجھے حقیقت اور تجریدیت دونوں کو ملا کر اپنا ایک منفرد اسلوب تخلیق کرنے میں پوری مدد دے گا۔" حاران نے کہا کہ واقعی وہ انتہائی ذہین خاتون ہیں۔" انیتا نے کہا کہ اس پر وہ زنگاری کے پیچھے تو وہی کارفرما ہیں۔ حاران نے پوچھا کہ آیا وہ جیمخانہ کلب کی ممبر ہیں۔ جب انیتا نے اثبات میں جواب دیا تو حاران نے کہا کہ وہ سارہ کو بھی کلب کا ممبر بنوا دے کیونکہ وہ ٹینس کھیلنا چاہتی ہے۔ انیتا نے کہا کہ وہ ہفتے کو پانچ بجے آ کر سارہ باجی کو لے جائے گی۔ اور انہیں ممبر بنوا دے گی۔ انیتا نے اجازت چاہی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

سارہ کلب سے واپس آئی تو اس نے بتایا کہ وہ کلب کی ممبر بن گئی ہے لیکن اس اتوار کی سہ پہر کو انیتا اور اس کے درمیان ٹینس کا میچ بھی رکھ دیا گیا ہے۔ حاران نے کہا کہ مقابلہ خوب رہے گا۔

اتوار کی سہ پہر کو گنیش سٹریٹ کے کچھ باسی اور منوہر لال، انیتا اور للتا جیمخانہ کلب پہنچ چکے تھے۔ میچ شروع ہوا مقابلہ بڑا سخت تھا۔ کیونکہ انیتا بڑی منجھی ہوئی کھلاڑی تھی، لیکن سارہ نے اپنے انتہائی پھرتیلے پن اور ہوش مندی سے مقابلہ جیت لیا۔ انیتا ہنستے ہوئے سارہ سے بغل گیر ہوئی، سارہ نے اس کی پیشانی کو چوما۔ سیٹھ منوہر لال پاس ہی کھڑا تھا۔ انیتا کے لئے سارہ کی بے لوث محبت دیکھ کر حیران رہ گیا۔

جج نے کھڑے ہو کر کہا: "کھیل تو مس انیتا نے بھی بہت اچھا ہے، لیکن سارہ

حاران کے پوائنٹس بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے گولڈ میڈل سارہ حاران کو دیا جاتا ہے۔"
واپس جاتے ہوئے کرنل رمیش، دنمالا، حاران اور احسن سارہ کی کار میں بیٹھے تھے۔ کرنل رمیش نے کہا۔ "احسن صاحب! یہ لڑکی باز نہیں آئے گی۔ یہ بڑے بڑوں کے کان کاٹتی ہی جائے گی۔" احسن حاران اور دنمالا ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

یہ اتوار کی سہ پہر تھی، ہواؤں میں بہار کی مہک رچی تھی۔ انیتا کے ڈرائنگ روم میں پروگریسو ویمنز ایسوسی ایشن کا اجلاس منعقد ہونے کو تھا۔ ایسوسی ایشن کے تمام ارکان موجود تھے۔ حاران نے اٹھ کر کہا کہ وہ مس انیتا سے درخواست کرتا ہے کہ وہ کرسی صدارت سنبھالیں۔

انیتا کرسی صدارت پر بیٹھی تو سب نے تالیاں بجائیں۔

انیتا نے اٹھ کر کہا: "میں جناب ڈاکٹر حاران سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ اس ایسوسی ایشن کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کریں۔" حاران نے انیتا کی میز کے پاس کھڑے ہو کر کہا: "خواتین و حضرات اس ایسوسی ایشن کا مقصد سیاسی شورش پسندی نہیں بلکہ ذہنوں میں زندگی کا انقلابی شعور پیدا کرنا ہے۔ تاکہ ہم اپنے معاشرے کو برطانوی سامراج اور استحصالی طبقے کی غلامی سے چھڑا سکیں اور زندگی کی اخلاقی تشکیلِ نو کر سکیں۔ کسی سیاسی تحریک کے لئے محض نظریاتی بنیاد کافی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی کامیابی کے لئے ایسے کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے جو مخلص اور بے غرض ہوں اور ضبطِ نفس کی آگ میں تپ کر نکلے ہوں۔ یاد رکھیں کہ جب کسی قوم کے افراد میں زیادہ سے زیادہ دولت اور زیادہ سے زیادہ عیش و آسائش کی ہوس سرایت کر جاتی ہے تو وہ قوم انحطاط پذیر ہو جاتی ہے۔ ہمیں معاشرے کی بہتر تقلیب کے لئے مناسب حد تک ترکِ دنیا کو اپنانا ہے جو انتہائی کٹھن راستہ ہے۔ ہمیں اس ایسوسی ایشن کے ذریعے ایسے کارکن پیدا کرنے ہیں جو نظریاتی لحاظ سے انقلابی انسان ہوں اور کردار کے لحاظ سے اخلاقی انسان ہوں۔" حاران اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا تو حاضرین نے

مسلسل تالیاں بجائیں۔ انیتا نے اٹھ کر کہا: "میں سمجھتی ہوں کہ ہمارے کالج کے پرنسپل جناب ڈاکٹر حاران روشنی کا ایک مینار ہیں۔ اس لیے ہمیں ان کی رہنمائی میں اپنی تربیت کرنا چاہیئے۔ میں تمام ارکان کی جانب سے ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انہوں نے ہمیں اتنی نظریاتی روشنی بخشی اور ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم ترقی پسند نظریات کے پرچار کا فریضہ خلوصِ دل سے ادا کریں گے۔ اب یہ اجلاس برخاست ہوتا ہے۔"

ڈاکٹر حاران رات کے سناٹے میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا ملک کی سیاسی زندگی پر غور کرنے لگا۔ سنہ ۱۹۲۱ء سے سنہ ۱۹۳۸ء تک عالمی سیاست میں کئی تغیرات آچکے تھے، ہندوستان میں چٹا گاؤں کے انقلابیوں نے آرمری پر ریڈ کیا اور بہت سا اسلحہ چھین لیا۔ مسلم لیگ نے اپنی جدوجہد کا از سرِ نو آغاز کیا۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کا قیام عمل میں آیا اور اس کا پہلا اجلاس لکھنؤ میں سنہ ۱۹۳۶ء میں منعقد ہوا۔ سپین کی مطلق العنان حکومت کے خلاف محنت کشوں اور متوسط طبقہ نے متحد ہو کر طبقاتی جدوجہد کی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سپین میں جمہوری حکومت قائم ہو گئی۔ جاگیرداروں کی زمینوں کو کسانوں میں بانٹنے کا حکم صادر کیا گیا۔ پادریوں کے مظالم کا سدِ باب کیا گیا اور فوجی سرداروں کی مطلق العنانی کو روکا گیا۔

لیکن سامراجی اور فسطائی طاقتوں نے جنرل فرانکو کو فوجی امداد دے کر سپین میں جمہوری حکومت کو ختم کر کے فسطائی حکومت قائم کرا دی۔ یورپ سے انٹرنیشنل بریگیڈ سپین جاتے رہے اور جنرل فرانکو کے خلاف لڑتے رہے۔ ان بریگیڈوں میں ڈیوڈ گیسٹ، رالف فاکس، گیبریل پیری اور کرسٹوفر کوڈول جیسے دانشور اور مصنف بھی شامل تھے۔ جنہوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ سپین کے مزدوروں، کسانوں اور عوامی فوج نے جم کر مقابلہ کیا۔ لیکن جنرل فرانکو نے سامراجی اور فسطائی ملکوں کی فوجی امداد کے بل بوتے پر ملک پر تسلط قائم کر لیا۔

سنہ ۱۹۳۹ء تک ڈاکٹر حاران کی پرنسپل شپ میں ڈی۔ اے۔ وی کالج نے بڑا نام پیدا کیا اور اس کی تعلیم کا بلند معیار تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن اس دوران میں وقت نے گنیش سٹریٹ کے باسیوں پر تغیرات کے گہرے نشانات چھوڑے۔ کرنل رمیش، محمد احسن خاں، محسن خاں اور کملا انتقال کر چکے تھے۔ انیتا نے مدن لال سے شادی کر لی تھی۔ وہ بھی کسی سیٹھ کا بیٹا تھا اور ان کا لڑکا اب چھ سال کا تھا۔ انیتا کی ماں دروپتی بھی انتقال کر چکی تھی۔ احسن نویں جماعت کا طالب علم تھا۔ فریدہ آٹھویں جماعت کی طالبہ اور نازیہ میٹرک کی طالبہ تھی۔ اس عرصے میں انیتا ایک معروف مصورہ بن گئی تھی۔ اور لاہور میں اس کی تصاویر کی ایک نمائش بھی ہو چکی تھی۔

یکم فروری سنہ ۱۹۳۹ء کو ڈاکٹر حاران نے اعلان کیا کہ یکم فروری سنہ ۱۹۴۰ء کو کالج میں چار دن کے لئے ایک تہذیبی میلہ لگے گا جس کی تیاری کے لئے ابھی سے پروگرام مرتب کیا جائے گا۔ یکم ستمبر سنہ ۱۹۳۹ء کو دوسری عالمی جنگ چھڑ گئی۔ ہندوستان کو جنگ میں گھسیٹ لیا گیا اور ایک ہنگامی جنگی آمریت قائم کر دی گئی۔ ہندوستان کی سیاست ایک نئے موڑ پر آگئی تھی۔ ایک طرف راشٹریہ سیوک سنگھ کا ابھار شروع ہو چکا تھا۔ دوسری طرف مسلم لیگ مسلم عوام میں مقبول ہونے لگی تھی۔ تیسری طرف گاندھی جی نے "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک شروع کر دی اور کانگرس کے قائدین اور کارکن جیلوں میں پہنچ گئے۔

مارچ سنہ ۱۹۳۹ء میں انیتا کے لڑکے کی سالگرہ تھی۔ جب سب مہمان چائے پی چکے تو انیتا نے مہمانوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اب اس کی سہیلی للتا ایک رقص پیش کریں گی۔ جو اپنی نوعیت کا انوکھا رقص ہو گا۔ ہال کے درمیان شیشم کی لکڑی کا ایک بڑا گول تختہ رکھ دیا گیا۔ للتا نے ایسی جوتی پہنی ہوئی تھی للتا نے ایسی جوتی پہنی ہوئی تھی جس کی ایڑی بھی شیشم کی لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ للتا پر آئی اس نے آہستہ آہستہ رقص شروع کیا۔ پھر رقص اپنے نقطۂ عروج پر پہنچا تو حاضرین مبہوت ہو کر رہ گئے۔ جب رقص ختم ہوا تو سب نے مسلسل تالیاں بجائیں۔

آج یکم فروری ۱۹۷۰ء تھی۔ چاروں اور سرما کی تابناک دھوپ پھیلی تھی اور ہوا خوشگوار تھی۔ ڈی۔ اے۔ وی کالج میں تہذیبی میلے کا پہلا دن تھا۔ کالج کے طلباء اور طالبات میں بڑی بشاشت اور سرگرمی تھی۔ کالج کے ہال میں بڑی گہما گہمی تھی لڑکے اور لڑکیاں گروہوں میں بٹ کر انیتا مدن اور ابھرتی ہوئی آرٹسٹ کرشنا کی تصاویر دیکھ رہے تھے۔ انیتا نے حقیقت پسندی اور تجریدیت کو ملا کر اپنی تصاویر کا پیٹرن تیار کیا تھا اور کرشنا نے تجریدی تصاویر میں رئیلزم کو اجاگر کیا تھا۔ لیکن دونوں کی تصاویر کے تھیم سماجی زندگی سے لئے گئے تھے۔ بہت سی تصاویر اور مجسموں میں طبقاتی شعور کو مجسم کیا گیا تھا۔ دیوار کے ایک حصے پر ثمینہ کی خطاطی کے نمونے تھے۔ اس نے علامہ اقبال کے کئی انقلابی اشعار کو اپنی خطاطی کے قالب میں ڈھالا تھا۔ ایک کونے میں چند مجسمے پڑے تھے جن میں مختلف انقلابی موضوعات کو تجسیم دی گئی تھی چائے کی کینٹین میں بڑا رش تھا۔ جب لڑکے اور لڑکیاں تھک جاتے تو وہاں بیٹھ کر چائے پیتے اور ستا لیتے۔ اس نمائش نے نئی نسل پر بڑے گہرے اثرات مرتب کئے اور طالب علموں کو سماجی زندگی کے کئی اہم حقائق سے آگاہ کیا۔

آج تہذیبی میلے کا دوسرا دن تھا۔ اس میں کلاسیکی رقص، کلاسیکی موسیقی اور بھجن پیش کرنے کا پروگرام تھا۔ چونکہ ہال میں زیادہ سیٹوں کا انتظام نہ تھا اس لئے طالبعلموں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے انہیں ٹکٹیں ایشو کر دی گئی تھیں، ایک گروہ نے دس سے ایک بجے تک اور دوسرے گروہ نے تین بجے سے چھ بجے تک پروگرام دیکھا۔ اس پروگرام میں بہت سے لڑکوں اور لڑکیوں نے حصہ لیا۔ رقصوں میں کتھک ناچ اور رقصِ کاشنات نمایاں رقص تھے۔ کلاسیکی موسیقی میں بھی بڑا تنوع تھا۔ بھجن بہت اثر انگیز اور وجد آفریں تھے۔ اس پروگرام نے طلباء اور طالبات کے کردار کے انسان دوست پہلو کو بہت متاثر کیا۔

تہذیبی میلے کے تیسرے دن کے پروگرام میں بہت سے لوک فنکاروں نے حصہ لیا اور انہوں نے وارث شاہ، بلھے شاہ، سلطان باہو، مولوی غلام

رسول، خواجہ فرید، میاں محمد اور شاہ حسین کا کلام پیش کیا۔ اس پروگرام کے لئے بھی ٹکٹیں ایشو کرنی پڑیں یہ پروگرام تہذیبی میلے کا ایک کردار ساز حصہ تھا کیونکہ اِن شاعروں کے کلام میں ظلم، استحصال، ریاکاری، ہوسِ جاہ و مال اور دنیا پرستی کے خلاف آواز اٹھائی گئی تھی۔ اور بالواسطہ طور پر سامعین سے کہا گیا تھا کہ وہ ان سماجی قباحتوں سے اپنے کردار کو ملوث نہ ہونے دیں کیونکہ ان کے سامنے طبقاتی جدوجہد کا لمبا راستہ ہے۔

تہذیبی میلے کے چوتھے دن چھ لڑکوں اور لڑکیوں نے مختلف سماجی موضوعات پر مضامین پڑھے۔ ان مضامین میں مدیحہ واسطی کے مضمون کو بہت پسند کیا گیا جس کا عنوان "طالب علم اور ملکی سیاست" تھا۔ اس مضمون میں مدیحہ نے ایک جگہ لکھا تھا۔ "حکمران طبقہ عام طور پر کہتا ہے کہ طالب علموں کو ملکی سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیئے۔ لیکن یہ اس کی سیاسی چال ہے کہ وہ نوجوان نسل کو ملکی سماجی نظام کی نوعیت سے لاعلم رکھنا چاہتا ہے، اس کے برعکس سیاسی سرگرمیوں سے طالبعلموں کو معلوم ہوتا ہے کہ کس کس طبقے کے کیا کیا مفادات ہیں اور کونسا طبقہ استحصال کرتا ہے اور کونسے طبقے کا استحصال کیا جاتا ہے۔ وہ تعلیم یافتہ شخص جو اپنی ملکی سیاست سے لاعلم رہتا ہے انتہائی خود غرض اور شقی القلب انسان ہے"۔

ڈاکٹر جاران کی اختتامی تقریر سننے کے لئے کالج کا بڑا ہال طلباء اور طالبات سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اگلی قطار میں پروفیسر، ان کی بیگمات، سادہ، نازیہ فریدہ، انیتا، للتا، کرشنا، مدیحہ واسطی اور ثمینہ بیٹھی تھیں۔ ڈاکٹر جاران اٹھا اور اس نے اپنا خطاب شروع کیا۔ "معزز خواتین و حضرات اور طلباء و طالبات! انسان نے تہذیب کو اپنے خونِ شہادت سے سینچا ہے۔ اس نے اپنے ارتقا کے ہر قدم پر اپنا خون بہایا ہے۔ تہذیب محض فنونِ لطیفہ اور کھیلوں کی نشو و نما کا نام نہیں۔ بلکہ تہذیب کے معانی بہت وسیع ہیں جو انسان کی خارجی اور داخلی جمالیاتی سرگرمیوں کو محیط ہیں۔ تہذیب انسانی تمدن کا جوہر ہے جس میں جدید

علوم اور سائنسی فکر سے شناسائی، فنونِ لطیفہ کا جمالیاتی ذوق، ادب کی شعور آفرینی کھیلوں کی عطا کی ہوئی جسمانی اور ذہنی تنومندی اور وسیع القلبی، زندگی کی شرافتیں اور قرائتیں، اخلاقی انسان کے ضبطِ نفس کی سرمستی، جنسی ارتفاع، زندگی کی تفہیم کی پیدا کی ہوئی روشن خیالی اور ترقی پسندی، طبقاتی شعور، معاشرے کی بہتر تقلیب کا احساس اور لاطبقاتی سماج کے قیام کی لگن شامل ہیں۔

"سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعلیم کا مقصد کیا ہے! اگر کوئی تعلیمی ادارہ طالب علموں کو میکانکی طور پر علوم کا درس دیتا ہے۔ اور ان کی شخصیت کی نشوونما نہیں کرتا اور انہیں اخلاقی انسان بنانے کا سامان مہیا نہیں کرتا تو وہ تعلیم کا فریضہ ادا نہیں کرتا۔ ایک حقیقی تعلیمی ادارے میں سائنس، فنونِ لطیفہ اور ادب کا ائتلاف Synthesis ہوتا ہے تاکہ طالب علموں میں پیشہ ورانہ علوم کے حصول کے ساتھ ساتھ زندگی کا جمالیاتی اور اخلاقی احساس اور سماجی شعور بھی پیدا ہو۔ عصرِ حاضر میں جب کہ یورپ کی سامراجی طاقتیں کمزور قوموں کا استحصال کر رہی ہیں۔ اور ان پر جبر و تشدد روا رکھ رہی ہیں تعلیم کے مقاصد میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اب تعلیم کے تین مقاصد ہیں۔ پیشہ ورانہ قابلیت، اخلاقی انسان بنانے کی کاوش اور سامراجی اور مقامی استحصالی قوتوں کے وجود کا طبقاتی شعور۔ تعلیم کا مقصد تو انسان کو بدلنا ہے۔ اس کی آرزوؤں کو بدلنا ہے اور اسے سماجی زندگی کا بلند آدرش دینا ہے۔" ڈاکٹر حاران سٹیج سے اتر کر پہلی قطار میں بیٹھ گیا۔ حاضرین نے مسلسل تالیاں بجائیں۔ پھر کالج کے میوزک ماسٹر نے علامہ اقبال کی نظم "فرمانِ خدا فرشتوں کے نام" گا کر سنائی۔ ہال میں ایک سناٹا چھا گیا۔ گانا ختم ہوا تو سب جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، انیتا، للتا، مدیحہ، ثمینہ اور کرشنا سارہ، نازیہ اور فریدہ کے ساتھ ہال سے باہر نکلیں اور انہوں نے ڈاکٹر حاران کو سلام کیا۔

ہفتہ کے دن گورنمنٹ کی طرف سے ڈی۔ اے۔ وی کالج کی گورننگ باڈی کے ڈائرکٹر کو ایک حکمنامہ موصول ہوا۔ جس پر لکھا تھا کہ ڈاکٹر حاران کو پنجاب

بدر کیا جاتا ہے۔ اسے دس دن کے اندر پنجاب سے نکل جانا ہوگا۔ ڈائرکیٹر کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ ڈاکٹر حاران کو فوری طور پر پرنسپل شپ سے معطل کر دے مسٹر ملہوترہ نے فوراً اس حکمنامے کی دو کاپیاں کرائیں اور ایک کاپی سیٹھ منوہر لال کو بھجوا دی اور دوسری کاپی ڈاکٹر حاران کو دے دی۔ حکمنامہ پڑھ کر حاران کو کوئی تعجب نہ ہوا کالج بند ہونے کا وقت ہو چلا تھا۔ کچھ دیر کے بعد سارہ بچوں کو لے کر آگئی۔ حاران نے گورنمنٹ کا حکم نامہ سارہ کو دکھایا اور اسے سیدھا منوہر لال کے ہاں چلنے کو کہا۔

سیٹھ منوہر لال حکم نامہ پڑھ چکا تھا وہ حاران کو بغل گیر ہو کر ملا۔ سارہ اور بچے ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے انیتا سسرال میں تھی۔ منوہر لال اپنے کمرے میں ڈاکٹر حاران سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے حاران سے کہا: "بیٹا! کوئی تشویش نہ کرو۔ میں آپ کو بمبئی بھیج رہا ہوں۔ آپ وہاں میرے دوست سیٹھ بھگوان داس کے پاس رہیں گے۔ وہ آپ کو کسی کالج میں ملازمت بھی دلا دیں گے میں انہیں آج ہی خط لکھ رہا ہوں اور ان کے نام ایک خط آپ کو دے رہا ہوں، آپ آٹھویں دن بمبئی روانہ ہو جائیں۔ وہ اٹھ کر اپنی میز کے آگے بیٹھ گیا اور کچھ دیر لکھتا رہا پھر وہ حاران کے پاس آیا اور اسے سیٹھ بھگوان داس کے نام ایک خط دیا اور سارہ حاران کے نام پچاس ہزار کا چیک دیا۔ حاران نے کہا: "ڈیڈی! میں آپ پر بوجھ بن رہا ہوں۔" سیٹھ منوہر لال نے کہا: "نہیں بیٹا! اس طرح آپ مالی طور پر فکر مند نہیں ہوں گے۔ آپ میرے بیٹے بھی ہیں۔ اور میری بیٹی انیتا کے محسن بھی۔ کل آپ کالج آئیں گے تو آپ کو پرنسپل شپ سے معطلی کا آرڈر بھی مل جائے گا۔" اسی لمحے انیتا مدن لال اور بچے کے ساتھ آگئی اور سیدھی منوہر لال کے کمرے میں گئی۔ وہ حاران کو دیکھ کر "حاران بھیا" کہتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔ منوہر نے بھی انیتا کو پیار کیا اور کہا کہ سارہ اور بچے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں۔ وہ ڈرائنگ روم میں جا کر سارہ سے گلے ملی۔ مدن لال سارہ

کو سلام کر کے صوفے پر بیٹھ گیا۔ انیتا نے پوچھا "سارہ باجی! آپ اتنی افسردہ کیوں ہیں؟" سارہ نے بتایا کہ ڈاکٹر حاران کو پنجاب بدر کر دیا گیا ہے اور دس دن کی مہلت دی گئی ہے۔ انیتا یہ خبر سن کر خود بھی افسردہ ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد منوہر لال اور حاران بھی ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ کسی کے چہرے پر بشاشت نہ تھی انیتا کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ حاران نے انیتا کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا "میری ننھی بہن! دل برا نہ کرو۔ ہم دوبارہ ضرور ملیں گے۔ اب ہنس دو!" انیتا آنسو پونچھتے ہوئے مسکرائی۔ حاران نے کہا کہ وہ آٹھویں دن بمبئی روانہ ہو جائیں گے۔ اور وہاں ڈیڈی کے ایک دوست سیٹھ بھگوان داس کے پاس رہیں گے۔ وہ ڈیڈی کا انتہائی مشکور ہے، سارہ نے انیتا سے کہا کہ اب انہیں اجازت دیں وہ کالج سے سیدھے اُن کے ہاں آئے تھے۔ حاران منوہر لال اور مدن لال سے گلے ملا۔ سارہ انیتا سے گلے ملی۔ دونوں نے ایک دوسرے کے بچوں کو پیار کیا، سارہ نے منوہر لال اور مدن لال کو "آداب عرض" کہا منوہر لال نے سارہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار کا اظہار کیا۔

دوسرے دن ڈاکٹر حاران کالج گیا اور دفتر میں بیٹھ گیا۔ دس بجے کے قریب مسٹر ملہوترہ کمرے میں آیا اور اس نے ڈاکٹر حاران کو اس کی برطرفی کا نوٹس دیا۔ حاران نے شکریہ ادا کیا۔ اس نے مسٹر ملہوترہ کو چارج دے دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سارہ آ گئی اور حاران اس کے ساتھ گھر چلا گیا۔

صبح اخبار آیا تو آفاق نے بڑی بڑی سرخیوں پر نظر ڈالی ایک سرخی میں لکھا تھا: "ماہر تعلیم ڈاکٹر حاران کو پنجاب بدر کر دیا گیا"۔ اس نے اخبار ڈاکٹر حاران کے سامنے رکھ کر اس سرخی کی طرف اشارہ کیا۔ راشدہ نے حاران کے کمرے میں جا کر کہا "حاران بیٹا! اب کیا ہو گا؟" حاران نے کہا "امی جان! ہم اگلے بدھ کو بمبئی جا رہے ہیں۔ وہاں رہائش اور ملازمت کا انتظام ہو گیا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم نازیہ کو ساتھ لے جائیں۔ وہ وہاں تعلیم حاصل کرے گی۔

اور بعد میں ہم اس کی شادی کر دیں گے۔" راشدہ نے کہا "بیٹا! یہ تو بہت ہی اچھا ہو گا۔ میں بے فکر ہو جاؤں گی۔" "امی جان! نازیہ میری بہن ہے۔ اس کی تعلیم اور اس کی شادی میری ذمہ داری ہے"۔ حاران نے کہا۔ حاران نے بمبئی جانے کے لئے بدھ کی سیٹیں ریزرو کرا لیں۔

سارہ اور حاران نے ساتھ لے جانے والی چیزیں اٹیچی کیسوں میں ڈالنا شروع کر دیں۔ شام کو نملا اور مشتاق بھی آ گئے۔ سارہ نے مشتاق کو خوشخبری سنائی کہ وہ اپنی کار نملا کو دے رہے ہیں، نملا خوشی سے اچھل پڑی اور "مری اچھی باجی" کہہ کر سارہ سے لپٹ گئی۔ سارہ نے نملا سے کہا کہ وہ کل سے ڈرائیونگ سیکھنا شروع کر دے۔ کیونکہ وہ نازیہ کو ساتھ لے کر اگلے بدھ کو بمبئی جا رہے ہیں"۔ انہوں نے کہا کہ وہ کل سے نو بجے یہاں پہنچ جایا کرے گی۔ نملا نے پانچ دن کی محنت سے ڈرائیونگ سیکھ لی۔ سارہ اور حاران نے ایک رسید بنا کر نملا کو دی جس میں لکھا تھا کہ انہوں نے یہ کار شمیم بنت عبدالرحمن اور زوجہ مشتاق احسن کو گفٹ کے طور پر دی ہے۔ مشتاق نے منگل تک نملا کا ڈرائیونگ لائسنس بنوا دیا۔

حاران نے نادرن بینک کے ساتھ اپنا حساب بند کر دیا اور ساری رقم نکلوا لی۔ کل پندرہ ہزار روپے تھے۔ اس نے دس ہزار روپے راشدہ کو دے دیئے۔ وہ بہت خوش ہوئی۔ بدھ کو نملا خود کار ڈرائیو کر کے حاران، سارہ اور بچوں کو سٹیشن پر چھوڑنے آئی جب گاڑی چل پڑی تو نملا اور مشتاق دور تک ہاتھ ہلا کر الوداع کہتے رہے۔

---

(۸)

قلیوں نے سامان بمبئی سٹیشن کے پلیٹ فارم پر رکھ دیا اور سارہ، نازیہ اور بچے سامان کے پاس کھڑے ہو گئے۔ حاران قلیوں سے کہہ رہا تھا کہ سامان باہر ٹیکسی تک لے جانا ہے۔ اسی لمحے ایک نوجوان خاتون نے اس سے پوچھا کہ آیا وہ ڈاکٹر حاران ہیں۔ حاران نے اثبات میں جواب دیا۔ اس خاتون نے کہا کہ وہ سیٹھ بھگوان داس کی بیٹی سادھنا ہے اور انہیں لے جانے کے لئے آئی ہے۔ حاران نے سارہ کو بتایا۔ سادھنا نے سارہ کے پاس جا کر کہا "سارہ باجی! آداب است" سارہ نے اسے گلے لگا کر چوما پھر قلی سامان اٹھا کر ان کے ساتھ چل پڑے۔

کار ایک کوٹھی کے پورچ میں ٹھہری۔ سادھنا اندر گئی اور دو نوکروں کو بلا لائی جو سامان اٹھا کر اندر لائے۔ حاران نے بھگوان داس سے آداب است کہا۔ بھگوان داس نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ سارہ نے بھی سلام کیا پھر سادھنا کی ماں آ گئی۔ سارہ اور حاران نے اسے بھی سلام کیا انہیں اوپر کے دو کمروں میں ٹھہرایا گیا۔ تین دن کے بعد وہ کوٹھی کے ساتھ ایک چھوٹے مکان میں منتقل ہو گئے اور ضروری سامان بازار سے خرید لائے۔ سارہ نے حاران کو بتایا کہ بھگوان داس کی تین بیٹیاں ہیں جو شادی شدہ ہیں اور اپنے سسرال میں ہیں اور دو بیٹے ہیں۔ جن کی بیویاں گھر میں موجود ہیں۔

ایک دن ڈاکٹر حاران فیکٹری ایریا کی طرف نکل گیا اور فیکٹریوں اور ملوں

کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ ایک مل مزدور کے ساتھ مزدوروں کی ایک بستی میں گیا وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ وہ بستی دنیا کی انتہائی غلیظ جگہ تھی۔ اس بستی میں کافی مکان تھے۔ ہر مکان میں صرف ایک نہایت تنگ و تاریک کوٹھڑی تھی جو رہنے کھانا پکانے، سونے غرض ہر کام کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ یہ کوٹھڑی نو فٹ چوڑی اور نو فٹ لمبی تھی۔ دیواروں سے مٹی گرتی رہتی تھی۔ چھت سر سے لگی رہتی۔ ان کمروں میں ہوا اور روشنی کا گذر نہ تھا۔ ان مکانوں کے باہر ایک چوڑی نالی تھی جس میں انتہائی غلیظ پانی جمع رہتا اور جس پر مکھیاں دن بھر بھنبھنایا کرتیں۔ مکانوں کے درمیان کھلی نالیاں تھیں۔ جو اکثر ایک طرف سے بند ہوتیں۔ ان میں غلاظت اور کوڑا کرکٹ جمع ہو جاتا اور سخت تعفن پھیلا رہتا۔ ان مکانوں میں گنجائش سے زیادہ لوگ رہتے تھے، یہاں صفائی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ایک قطار میں ایک سو ساٹھ کوٹھڑیوں کے لیے صرف چھ نل تھے۔ ایسی کئی بستیاں تھیں جن میں مزدوروں کی اسی طرح کی چالیں تھیں۔ جب ڈاکٹر حاران گھر واپس آیا تو وہ غم و غصہ سے نڈھال تھا۔ وہ اس حقیقت پر متعجب تھا کہ یہ ان لوگوں کی سماجی حالت ہے جو ملک کی دولت پیدا کرتے ہیں۔

پانچویں دن سیٹھ بھگوان داس حاران کو ساتھ لے کر ولسن کالج کی گورننگ باڈی کے ڈائریکٹر مسٹر رالف سے ملا۔ حاران نے اسے اپنی ڈگری اور جرمن زبان میں اپنے تھیسس کے متعلق بتایا۔ جب رالف کو معلوم ہوا کہ حاران جرمن زبان کا سکالر ہے تو وہ اس سے جرمن زبان میں بات چیت کرنے لگا۔ انہوں نے آپس میں خوب باتیں کیں۔ پھر مسٹر رالف نے سیٹھ بھگوان داس کو بتایا کہ کالج کی پرنسپل شپ کے لیے ڈاکٹر حاران کا تقرر یکم اپریل ۱۹۴۰ء سے ہو سکے گا۔ کیونکہ موجودہ پرنسپل اکتیس مارچ کو سبکدوش ہو رہا ہے۔ وہ دونوں رالف کو الوداع کہہ کر گھر کو لوٹے سادھنا تو اسی دن سسرال چلی گئی تھی۔ سارہ کبھی کبھی سیٹھ کی بیوی اور اس کی بڑی بہو سے بات چیت کر لیتی۔

ڈاکٹر حاران نے ملک کی سیاسی حالت کا جائزہ لیا۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں قیامِ پاکستان کا جذبہ روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ آخر کار ۲۳ ؍ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ نے لاہور میں قراردادِ پاکستان منظور کی۔ اس طرح قیامِ پاکستان کے لئے مسلمانوں کی جد وجہد بڑھتی گئی اور ان کا جوش و خروش تیز ہوتا گیا۔

یکم اپریل ۱۹۴۰ء کو ولسن کالج میں پرنسپل کی حیثیت سے ڈاکٹر حاران کا تقرر ہو گیا اور کالج کے بڑے ہال میں ایک تعارفی تقریب منعقد ہوئی۔ سارا ہال طلبا اور طالبات سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ مسٹر الف صدر کی حیثیت سے سٹیج پر حاران کے ساتھ بیٹھا تھا۔ وہ اردو زبان بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے اٹھ کر کہا "خواتین و حضرات! ولسن کالج کے نئے پرنسپل ڈاکٹر حاران کئی زبانیں جانتے ہیں اور علم و فلسفہ میں بڑی دسترس رکھتے ہیں۔ انہوں نے پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے اپنا تھیسس بھی جرمن زبان میں پیش کیا۔ میں ڈاکٹر حاران سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ طلبا اور طالبات سے خطاب کریں۔"

ڈاکٹر حاران نے اٹھ کر کہا "معزز خواتین و حضرات اور طلبا و طالبات! میں بہت خوش ہوں کہ مجھے ولسن کالج میں آپ حضرات کی خدمت کا موقع ملا۔ علم الاشیاء اور نطق و زبان ہی نے انسان کو عالمِ حیوانی سے الگ کیا اور اُسے اشرف المخلوقات کا مرتبہ عطا کیا۔ انسان نے علم الاشیاء، نطق اور زبان کی صفات کو اپنی ہزاروں سال کی سماجی محنت کے دوران حاصل کیا۔ یہاں تک کہ آج وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے دَور میں قدم رکھ چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ تعلیم انسان کو معاشرے کے لئے مفید اور ایک شائستہ ہستی بناتی ہے اور اس کے ذہنی افق کو وسیع کرتی ہے۔ یہاں میں آپ کو بتاتا چلوں کہ تعلیم کا فریضہ انسان میں محض پیشہ ورانہ قابلیت پیدا کرنا نہیں بلکہ اس کی اخلاقی شخصیت کو نشو و نما دینا بھی ہے۔ تاکہ جب طالب علم زندگی کے میدان میں قدم رکھے تو وہ اپنی پیشہ ورانہ قابلیت اور اپنی اعلیٰ اخلاقی

شخصیت دونوں کی بنا پر معاشرے کے لئے مفید ثابت ہو۔" حاضرین نے مسلسل تالیاں بجائیں۔

ڈاکٹر حاران نے اپنا بیان پھر شروع کیا: "تعلیم کا تیسرا فریضہ یہ ہے کہ وہ طالب علم کو بتائے کہ معاشرے میں کون کون سی قوتیں کام کر رہی ہیں اور کون کون سے طبقے سماجی ارتقا کے لئے مفید یا غیر مفید ہیں۔ تاکہ ہم معاشرے کو خود غرض عناصر سے پاک کر کے اسے بہتر خطوط پر بدل سکیں۔ تعلیم کے اس فریضے کے بغیر ہمارا معاشرہ ہمیشہ حالتِ موجود میں رہے گا۔ تعلیم کے ان تینوں فریضوں کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک تعلیمی ادارہ ایک طرف تعلیمی نصاب پر طالب علموں کی دسترس کو مضبوط بنائے اور دوسری طرف تہذیبی اور علمی سرگرمیوں سے ان میں سماجی اور اخلاقی آگہی پیدا کرے۔ مجھے امید کامل ہے کہ ہمارا کالج تعلیم کے ان تینوں فریضوں پر نظر رکھے گا اور طلبا اور طالبات خود کو علمی اور تہذیبی لحاظ سے بلند رکھنے کی کوشش جاری رکھیں گے۔" جب ڈاکٹر حاران اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا تو ہال پُر زور اور مسلسل تالیوں سے گونج اٹھا۔ اس کے بعد کالج کے میوزک ماسٹر نے علامہ اقبال کی نظم "لالۂ صحرا" گا کر سنائی۔ گانا ختم ہونے پر سب اپنی سیٹوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اس تعارفی تقریب میں خالدہ گیلانی موجود تھی جو فورتھ ائیر کی طالبہ تھی اور ترقی پسند نظریات رکھتی تھی۔ وہ دوسرے دن ڈاکٹر حاران سے ملی اور اس نے حاران کے گھر کا پتہ پوچھا۔ تاکہ وہ گھر پر آ کر اس سے گفتگو کر سکے اور سارہ حاران سے مل سکے۔

اسی طرح سیٹھ المیشور داس کی بیٹی اور تھرڈ ائیر کی طالبہ آشا بھی اس تقریب میں موجود تھی۔ اس نے گھر آ کر اپنی بڑی بہن اوشا کو بڑی بے تابی سے بتایا "دیدی! ہمارے کالج میں ڈاکٹر حاران نئے پرنسپل کی حیثیت سے آئے ہیں، آج ان کی تعارفی تقریب تھی۔ انہوں نے اپنے خطاب میں جو کچھ کہا ہے اس سے تو معلوم ہوتا

ہے کہ وہ سوشلسٹ ہیں، پھر وہ اتنے حسین اور شائستہ ہیں کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔"
یہ سن کر اُوشا تڑپ اٹھی اور آشا سے کہنے لگی کہ وہ اس کی طرف سے ڈاکٹر حاران کو ان کے ہاں آنے کا پیغام دے۔

اوشا سوشلسٹ آئیڈیالوجی کو خلوصِ دل سے مانتی تھی۔ اس نے پولٹیکل سائنس میں ایم۔ اے کیا اور خود کو سوشلسٹ تحریک سے وابستہ کر لیا۔ وہ کمیونسٹ پارٹی کے خفیہ انقلابی سیل کی ایک اہم کارکن بن گئی۔

دوسرے دن آشا نے ڈاکٹر حاران کے کمرے میں جا کر اسے سلام کیا۔ اس نے آشا کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ایک اہم تحریر کی آخری سطریں پڑھ کر سر اُوپر اٹھایا اور آشا کو دیکھا۔ آشا نے کہا: "سر! میں سیٹھ ایشور داس کی بیٹی اور تھرڈ ائیر کی طالبہ ہوں۔ میری بڑی بہن اُوشا نے آپ کو ہمارے ہاں آنے کی دعوت دی ہے میں آج شام کو آکر آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی، ہمارا مکان آپ کے مکان سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔" حاران نے مسکرا کر کہا: "بہت اچھا۔" آشا سلام کر کے چلی گئی۔

نیلے آسمان پر سفید اور رنگین بادل دھیرے دھیرے تیر رہے تھے۔ اور ہوا درختوں میں سرسرا رہی تھی، یہ ایک اجاگر شام تھی، آشا نے ڈاکٹر حاران کے مکان کے سامنے کار ٹھہرائی اور ہلکا سا ہارن دیا۔ حاران باہر نکلا تو آشا نے سلام کیا۔ حاران نے اسے اندر آنے کے لئے کہا۔ آشا کار سے اتر کر اندر آ گئی۔ حاران نے اس سے گھر کے تمام افراد کا تعارف کرایا۔ آشا نے کہا: "سادہ باجی! آداب!" اس نے سادہ نے اسے گلے لگایا اور اس کی پیشانی کو چوما۔ پھر وہ دونوں کار میں بیٹھ کر چلے گئے۔

آشا نے ایک عالی شان کوٹھی کے پورچ میں کار ٹھہرائی اور ہلکا سا ہارن دیا۔ خادمہ نے دروازہ کھولا اور آشا نے حاران کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ اسی لمحے اُوشا اندر آئی اور حاران کو سلام کیا۔ چند لمحے دونوں دم بخود ہو کر ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر حاران نے اُوشا سے کہا: "تشریف رکھئے۔" اوشا نے

صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا: "مجھے آشا نے ولسن کالج میں آپ کے تقرر کے متعلق بتایا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ آپ ترقی پسند نظریات رکھتے ہیں۔" ڈاکٹر حاران نے کہا: "آشا نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا ہے، میں واقعی سوشلسٹ آئیڈیالوجی کی ناگزیریت کو مانتا ہوں اور سنجانے ان نظریات کی بنا پر کالج کا پرنسپل کتنی دیر رہ سکوں۔"
اوشا حاران کا وضاحتی بیان سن کر دل میں بہت خوش ہوئی۔ خادمہ چائے لائی تو اُوشا چائے بنانے لگی۔ اس نے بھی صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا: "ڈاکٹر صاحب! یہ حسنِ اتفاق ہے کہ میں بھی آپ کے نقشِ قدم پر چلنے والی ہوں۔" حاران نے اس حسنِ اتفاق پر خوشی کا اظہار کیا۔ چائے پینے کے بعد حاران جانے کے لئے اٹھا تو اوشا نے کہا کہ وہ اتوار کو ضرور تشریف لائیں وہ ان کا تعارف اپنے پتاجی سے کرائے گی۔ حاران نے آنے کا وعدہ کیا۔

ڈاکٹر حاران کو اس کے گھر چھوڑ آنے کے بعد آشا نے اوشا کو بتایا کہ ڈاکٹر حاران شادی شدہ ہیں۔ ان کے دو جوان بچے ہیں اور اس کی بیوی کا نام سادہ حاران ہے۔ تھوڑی دیر دم بخود رہنے کے بعد اس نے کہا: "آشا! کل ڈاکٹر صاحب سے کہہ دینا کہ وہ سادہ باجی اور بچوں کو ساتھ لے کر آئیں اور یہ بھی کہنا کہ تم انہیں لینے کے لئے آؤ گی۔"

رات کو ایشور داس اور اس کی بیوی اپنے کمرے میں بیٹھے تھے، اوشا نے کمرے میں آکر کہا: "پتاجی! اس اتوار کو ہمارے ہاں ڈاکٹر حاران اور ان کی بیوی بچے آ رہے ہیں۔ وہ ولسن کالج کے پرنسپل ہیں میں ان سے آپ کا اور ماتاجی کا تعارف کراؤں گی۔" ایشور داس نے اُوشا کو گلے لگاتے ہوئے کہا:
"بیٹی! یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ اتنے تعلیم یافتہ، قابل اور مہذب لوگ ہمارے ہاں آئیں گے، انہیں چائے پلانے کے لئے کھانے کی ضروری چیزوں کے نام لکھ کر مجھے دے دینا۔ میں دوپہر کو لیتا آؤں گا۔" اوشا خوشی کے عالم میں ایشور داس سے لپٹ گئی۔ اس نے اوشا کو پھر پیار کیا۔ اوشا کمرے سے باہر نکل گئی۔

اتوار کی سہ پہر کو ہوا خوشگوار تھی۔ آشا ڈاکٹر حاران اور اس کے افرادِ خانہ کو لے کر آئی اور انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ چند لمحوں کے بعد اوشا کمرے میں داخل ہوئی اور حاران کو سلام کیا۔ پھر اس نے کہا: "سارہ باجی! آداب است" اور اس سے لپٹ گئی سارہ نے اسے پیار کیا اور اس کی پیشانی کو چوما۔ حاران نے اوشا سے افرادِ خانہ کا تعارف کرایا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایشور داس اور اس کی بیوی دونوں کمرے میں داخل ہوئے حاران نے کہا: "ڈیڈی! آداب است" ایشور داس نے اسے گلے لگا کر پیار کیا۔ پھر حاران نے کہا: "امی جان! آداب است" اوشا کی ماں نے بھی حاران کو پیار کیا۔ سارہ نے دونوں کو تسلیم کہا۔ ایشور داس نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اوشا کی ماں نے سارہ کو گلے لگا کر پیار کیا اور پھر بچوں کو بھی پیار کیا۔ ایشور داس نے حاران سے کہا: "میں آپ کی تشریف آوری کے لئے آپ کا بہت ممنون ہوں!" حاران نے کہا کہ وہ تو اس کے ڈیڈی ہیں اور وہ ان کا بیٹا ہے۔ پھر مشکور ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ایشور داس نے کہا: "بیٹا! آپ کا اتنا کہہ دینا ہی میرے لئے بڑی ڈھارس کا باعث ہے!" خادمہ چائے لے کر آئی تو اوشا چائے بنانے لگی۔ ایشور داس اور اس کی بیوی دونوں ڈرائنگ روم سے باہر چلے گئے۔

حاران نے کہا! کامریڈ اوشا! سارہ بھی ہمارے حلقے سے تعلق رکھتی ہیں اور بڑی سرگرم عمل رہ چکی ہیں!" اوشا نے کہا کہ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے پھر تو وہ ایک چھوٹی سی ٹیم کی صورت میں بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ حاران نے کہا کہ قیام پاکستان کا مطالبہ مسلمانوں میں بہت زور پکڑ رہا ہے اوشا نے کہا کہ وہ تو اس مطالبے کو آخری حل سمجھتی ہے اور قراردادِ پاکستان پاس ہونے کے بعد تو یہ مطالبہ ایک حقیقت کی شکل اختیار کر گیا ہے آشا ڈرائنگ روم میں آئی تو اوشا نے بتایا کہ آشا کلاسیکی موسیقی میں کافی مہارت حاصل کر چکی ہے۔ اوشا نے آشا سے کہا کہ وہ ہارمونیم لے کر آئے اور ڈاکٹر صاحب کو گانا سنائے آشا ہارمونیم لے کر بیٹھ گئی اور اس نے دو کلاسیکل گانے سنائے۔ حاران اور سارہ نے آشا کے گانوں کو

بہت سراہا۔

سارہ نے کہا کہ اب انہیں چلنا چاہیئے۔ اوشا سارہ سے لپٹ گئی۔ اس نے اوشا کو بہت پیار کیا اوشا ان کے ساتھ بڑے دروازے تک آئی اور ڈرائیور سے کہا کہ وہ انہیں ان کے گھر چھوڑ آئے۔ جب ڈرائیور کوٹھی سے نکل کر بڑی سڑک پر آیا تو حاران نے اس سے پوچھا کہ آیا اوشا کی شادی ہو چکی ہے ڈرائیور نے کہا:

"حضور! اوشا بیٹی پر بڑا ستم ہوا ہے وہ شادی کے چوتھے دن ہی بیوہ ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس کا شوہر ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا تھا۔ اب وہ ایک بیوہ کی کٹھن زندگی بسر کر رہی ہے!" حاران نے تاسف ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو بہت برا ہوا۔ اس وقت حاران سمجھا کہ اوشا کس طرح ضبطِ نفس کے ذریعے اپنے جنسی ہیجان کو ارتفاع کے راستے پر ڈال چکی ہے اور خود کو سماج کو بدلنے کی جد وجہد میں کھو چکی ہے۔

مغربی افق پر شفق ابھی روشن تھی۔ جب حاران نے باہر ہارن کی آواز سنی وہ باہر آیا تو خالدہ گیلانی کار سے باہر نکل کر کھڑی تھی وہ آداب بجا لائی اور حاران کے ساتھ اندر آئی۔ سارہ نے اسے گلے لگا کر پیار کیا۔ اسی وقت اوشا بھی آ گئی۔ سارہ نے اوشا سے خالدہ کا تعارف کرایا۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ سارہ نے خالدہ سے پوچھا کہ اس کے والد کہاں ملازم ہیں۔ خالدہ نے بتایا کہ اس کے والد ایک تاجر ہیں اور وہ اتنے مصروف ہیں کہ انہیں اس سے زیادہ ملنے کا اتفاق نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ عموماً دورے پر رہتے ہیں۔

فریدہ چائے لے کر آئی تو سارہ چائے بنانے لگی چائے پیتے ہوئے حاران نے کہا کہ شاید یہاں کوئی خفیہ سیل کام کر رہا ہو۔ خالدہ نے بے ساختہ کہا کہ کیا وہ چار آدمی باہم مل کر ایک خفیہ سیل نہیں بنا سکتے! سارہ نے بات کاٹتے ہوئے کہا: کامریڈ خالدہ! ابھی ہم تو کل شام کو آپ کے ہاں آئیں گے اور اگر آپ کے ابا مل گئے تو بہت اچھا ہے ورنہ ہم آپ کی بہن اور بڑے بھائی

سے ملیں گے۔" خالدہ نے کہا "سارہ باجی! مجھے آپ صاحبان کی آمد پر بڑی مسرت ہوگی۔ میں کل منتظر رہوں گی۔ اچھا اب میں چلتی ہوں مزید بات چیت کل ہوگی۔" پہلے وہ سارہ سے بغل گیر ہوئی۔ پھر اوشا نے اسے گلے لگا لیا۔ وہ حاران کے ہمراہ باہر آ کر کار میں بیٹھ گئی اور حاران کو سلام کر کے کار سٹارٹ کی۔

حاران واپس آیا تو سارہ نے کہا کہ انہیں پہلے خالدہ کے ہاں جا کر رنگ ڈھنگ دیکھنا چاہیئے۔ احتیاط بہت ضروری ہے۔ اوشا نے اس خیال کو سراہا۔ اوشا ڈاکٹر حاران سے خاموش محبت کرنے لگی تھی۔ وہ کبھی کبھی حاران پر نظریں جما کر اسے دیکھ لیتی۔ ایک دفعہ تو سارہ نے بھی یہ منظر دیکھ لیا۔ اوشا نے حاران سے کہا کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے اس کے ساتھ گھر چلیں۔ آشا انہیں واپس چھوڑ جائے گی۔

خالدہ گیلانی نے گھر پہنچ کر اپنے بڑے بھائی انوار گیلانی کو ڈرائنگ روم میں بلایا۔ خالدہ نے کہا "بھیا! ہمارے نئے پرنسپل ڈاکٹر حاران تو بڑے ترقی پسند اور انقلابی ہیں وہ ایک خفیہ سیل بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن مجھ سے زیادہ واقف نہ ہونے کی بناء پر محتاط ہیں وہ کل ہمارے ہاں آرہے ہیں۔" "کیونکہ انقلابی میں یہ صفت نمایاں ہوتی ہے کہ وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے میں کل ان سے ضرور ملوں گا اور ان کے تمام خدشات دور کردوں گا۔"

حاران اور اوشا ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو اوشا نے حاران پر والہانہ انداز میں نظر ڈالی۔ حاران نے اوشا کو اپنے سینے سے لگا کر کہا: "اوشا! ہم اپنی تہذیبی روایات اور اخلاقی ضوابط میں بندھے ہوئے ہیں۔ ہمیں ضبطِ نفس کی آگ میں جلنا ہوگا۔ اور خود کو عوامی جدوجہد میں کھو دینا ہوگا۔" اوشا نے اپنا سر حاران کے سینے پر رکھ دیا تھا۔ اس نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے۔ لیکن وہ مسکرا رہی تھی اس نے حاران کو بیٹھنے کے لئے کہا اور خود منہ دھونے کو چلی گئی۔ حاران کے لمس نے اسے کتنا سکون دیا ہے۔ اس نے سوچا۔

اوشا واپس آکر حاران کے پاس بیٹھ گئی اور کہنے لگی "حاران بھیا! میرے

خیال میں ہمارے لئے سب سے بہتر راستہ یہ ہے ہم انقلابی لٹریچر چھاپیں اور نوجوان نسل میں تقسیم کریں۔ ہمارے مکان میں تہ خانہ ہے اور ایک انتہائی وفادار نوکر بھی ہے جو باہر پہرہ دار کا کردار ادا کرے گا۔" حاران نے کہا کہ یہ تو بہت اچھا ہوا کہ تہ خانہ ان کے اپنے گھر میں موجود ہے اور ایک وفادار آدمی بھی۔ کل وہ خالدہ گیلانی سے مل لیں تو واضح پروگرام بنائیں گے۔ اوشا نے کہا کہ اسے تو خالدہ انتہائی مخلص اور وفادار معلوم ہوتی ہے۔ حاران نے کہا کہ اس کا خیال بھی یہی ہے وہ جانے کے لئے اٹھا اور اس نے اوشا کو تاکید کی کہ وہ کل شام پانچ بجے اس کے ہاں پہنچ جائے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اوشا نے آشا کو آواز دی جب وہ آئی تو اس نے کہا: "حاران بھیا کو ان کے گھر تک چھوڑ آؤ۔" اوشا نے حاران کو سلام کیا اور وہ آشا کے ساتھ دروازے کی جانب چل دیا۔

شام کو حاران، سارہ اور اوشا خالدہ گیلانی کے ہاں پہنچے۔ خالدہ نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور جمیلہ اور انوار کو آواز دی وہ خالدہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آئے۔ پہلے خالدہ نے مہمانوں کا تعارف کراتے ہوئے کہا: "یہ ولسن کالج کے پرنسپل ڈاکٹر حاران ہیں۔ یہ سارہ حاران اور وہ ہماری اوشا بہن ہیں۔" پھر اس نے اپنے بھائی اور بہن کا تعارف کراتے ہوئے کہا: "یہ میرے بڑے بھائی انوار گیلانی ہیں آپ ایم۔ اے پولیٹیکل سائنس کے طالب علم ہیں اور انقلابی کاموں میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ یہ میری چھوٹی بہن جمیلہ گیلانی ہے جو تھرڈ ایئر کی طالبہ اور پیانو بجانے میں ماہر ہے۔ خالدہ نے جمیلہ سے چائے کا انتظام کرنے کو کہا اور انوار کو ڈاکٹر حاران کے پاس بیٹھنے کو کہا۔ حاران نے کہا: "اوشا کا خیال ہے کہ ہمیں انقلابی لٹریچر چھاپنا اور نوجوان نسل میں تقسیم کرنا چاہیئے۔ ان کے اپنے مکان میں تہ خانہ ہے اور ایک انتہائی وفادار آدمی بھی ہے جو ایک پہرہ دار کا کردار ادا کرے گا۔ میرے خیال میں تو اوشا کی تجویز ہمارے حالات کے حوالے سے انتہائی معقول ہے۔" خالدہ نے کہا کہ وہ بھی اس تجویز کے حق میں ہے۔ سارہ نے کہا کہ وہ خالدہ کی تائید کرتی ہے انوار نے کہا: "میں اس سلسلے میں تین فرائض ادا کر

سکتا ہوں، ایک تو یہ کہ میں کسی اجنبی آدمی کے ذریعے سائیکلو سٹائل مشین، سٹنسل سیاہی اور کاغذ خرید دوں گا۔ دوسرے یہ کہ میں مشین چلانے کا ماہر ہوں۔ ذرا خرابی ہوئی تو میں آپ کی رہنمائی کر دیا کروں گا اور تیسرے یہ کہ میں چار کالجوں میں لٹریچر تقسیم کرنے کا انتظام کر دوں گا۔ ہر کالج میں میرے دو آدمی یہ کام سرانجام دیں گے۔ ڈاکٹر حاران نے کہا کہ وہ مسٹر انوار گیلانی کی رفاقت اور خلوص پر فخر کرتے ہیں، اوشا نے کہا کہ اس کی ایک تجویز یہ بھی ہے کہ لٹریچر مہینے میں ایک بار چھاپا جائے۔ حاران بھیا پمفلٹ آسان زبان میں لکھا دیا کریں گے اور خالدہ بہن سٹنسل پر لکھ دیا کریں گی۔ سارہ باجی اور وہ دو سو کاپیاں چھاپ دیا کریں گی یعنی پچاس کاپیاں ایک کالج کے لئے سب نے اس تجویز کو سراہا۔

حاران نے انوار سے پوچھا کہ ان چیزوں کی خرید پر کتنے روپے خرچ ہوں گے۔ انوار نے دو ہزار کا اندازہ بتایا اوشا نے اپنے بیگ میں سے فوراً دو ہزار روپے نکال کر حاران کو دے دیئے۔ سب حیران رہ گئے۔ حاران نے وہ رقم انوار کو دے دی۔

سارہ نے کہا کہ وہ جمیلہ سے پیانو پر کوئی دُھن سُنیں گے۔ خالدہ نے جمیلہ کو بلایا وہ سب کو اپنے کمرے میں لے گئی۔ اس نے پیانو پر دو دلکش دھنیں بجائیں سب بہت محظوظ ہوئے۔ حاران نے سب کو بتا دیا کہ سارہ بھی پیانو بجانے ماہر ہیں اور جرمن دھنیں بجاتی ہیں۔ سب کے کہنے پر سارہ نے پیانو پر دو جرمن دھنیں بجائیں۔ سب نے جرمن دھنوں کو بہت سراہا۔

انوار نے تیسرے دن تمام سامان کار کی ڈگی میں رکھ کر اوشا کے ہاں پہنچا دیا۔ ڈاکٹر حاران نے آسان زبان میں پہلا پمفلٹ لکھنا شروع کر دیا۔ اس طرح اس انقلابی سیل نے اپنے کام کا آغاز کیا۔ انقلابی لٹریچر کالجوں میں پہنچتا رہا۔ لیکن سی۔ آئی۔ ڈی اس کے سرچشمے کا سراغ نہ لگا سکی۔

سنہ ۱۹۴۲ء کے اواخر میں کالج کی گورننگ باڈی کا ڈائرکٹر تبدیل ہو گیا اور

مسٹر الف کی جگہ مسٹر ولیم ڈائرکٹر بن گیا۔ مسٹر ولیم نے پروفیسر گنپت رائے کو اپنے کمرے میں بلا کر کہا کہ اسے حکومت کا ایک مراسلہ موصول ہوا ہے کہ ڈاکٹر حاران ترقی پسند نظریات رکھتا ہے جو برطانوی مفاد کے خلاف ہیں، اس لئے اسے ۳۱ر دسمبر سے برطرف کر دیا جائے۔ مسٹر ولیم نے گنپت رائے سے پوچھا کہ اس کی اپنی کیا رائے ہے۔ اس نے کہا کہ یہ درست ہے کہ ڈاکٹر حاران ترقی پسند نظریات رکھتا ہے یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

مسٹر ولیم نے ۳۱ر دسمبر سنہ ۱۹۴۲ء کو ڈاکٹر حاران کو برطرفی کا نوٹس دے دیا جس میں لکھا تھا کہ وہ کسی کو چارج دیئے بغیر جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے ایک لڑکے کو برطرفی کا پتہ چلا۔ وہ بھاگا ہوا فرسٹ ائیر کے طالب علموں کی کلاس میں گیا اور اونچی آواز میں کہا:

"ڈاکٹر حاران کو برطرف کر دیا گیا۔ پرنسپل کے کمرے کے سامنے جمع ہو جاؤ۔" وہاں سے ایک لڑکا بھاگا اور اس نے سیکنڈ ائیر کے طالب علموں کو انہی الفاظ میں خبر سنائی۔ اس طرح چشمِ زدن میں کالج کے تمام طلبا اور طالبات پرنسپل کے کمرے کے سامنے احاطے میں جمع ہو گئے اور "ڈاکٹر حاران زندہ باد" اور "مسٹر ولیم مردہ باد" کے نعرے لگانے لگے۔ سب طالب علموں نے چند لمحوں میں ان دو نعروں کو چھ بار دہرایا۔ اسی لمحے ڈاکٹر حاران اپنے کمرے سے باہر آ کر برآمدے میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: "مرے پیارے بچو اور بچیو! جذبہ ضرور کام آتا ہے۔ لیکن محض جذباتیت کبھی کام نہیں آتی یہ حقیقت ہے کہ مجھے پرنسپل شپ سے برطرف کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس برطرفی کے پیچھے مسٹر ولیم کی ذات نہیں بلکہ سامراجی بیوروکریسی کار فرما ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں آغازِ تمدن ہی سے باطل حق سے ٹکراتا رہا ہے۔ اور خیر و شر کی قوتوں میں تصادم جاری ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بالآخر شکست باطل اور شر کی قوتوں ہی کو ہوتی ہے آپ کا فرض ہے

کہ آپ ترقی پسند نظریات کے علمبردار رہیں۔ میں تھوڑی دیر میں آپ سے جدا ہو رہا ہوں۔ میرا آخری سلام قبول فرمایئے۔" سب نے مل کر کہا: "ڈاکٹر حاران زندہ باد۔" ڈاکٹر حاران نے پھر کہا: "اب میں آپ سے آخری گذارش کرتا ہوں کہ آپ خود کو صرف احتجاج تک محدود رکھیں۔ آپ اپنی کلاسوں میں واپس چلے جائیں اور خود کو روشن خیال، انقلابی اور سماج کے لئے مفید بنائیں۔" سب طالب علم اپنی اپنی کلاسوں کو چل دیئے اور ڈاکٹر حاران اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے کچھ دیر پہلے سیٹھ بھگوان داس کے ہاں فون کر دیا تھا کہ وہ سارہ کو اطلاع کر دیں۔ کہ وہ اسے لینے کے لئے فوراً کالج آجائے۔ تھوڑی دیر کے بعد سارہ آگئی۔ ڈاکٹر حاران کار میں بیٹھا اور چل دیا۔ راستے میں حاران نے سارہ کو بتایا کہ اُسے پرنسپل شپ سے برطرف کر دیا گیا ہے۔ سارہ نے کہا کہ اسے پہلے ہی یہ خطرہ نظر آرہا تھا۔ پھر وہ دونوں راستہ بھر خاموش رہے۔

گھر پہنچ کر سارہ نے اوشا کو فون پر اس واقعہ کی اطلاع دی اس نے کہا کہ وہ شام کو آئے گی۔ دوپہر کو خالدہ گیلانی کا فون آیا کہ وہ کل شام کو انوار کے ساتھ آئے گی۔ پانچ بجے اوشا کا فون آیا۔ اس نے سارہ سے کہا کہ وہ حاران بھیّا کے ساتھ اس کے ہاں آجائے۔ پتاجی نے انہیں بلایا ہے۔

شام کو سارہ اور حاران اوشا کے ہاں پہنچے تو خادمہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے گئی۔ اسی لمحے اوشا اندر داخل ہوئی۔ وہ "بھیّا" کہہ کر حاران سے لپٹ گئی۔ حاران نے اُسے پیار سے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا پھر حاران صوفے پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایشور داس اندر آیا اور اس نے حاران کو گلے لگایا اور سارہ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ وہ حاران کے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا: "بیٹا! تم کسی قسم کا فکر مت کرو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ روزگار کا کچھ نہ کچھ بندوبست ہو جائے گا۔ فی الحال میں یہ

پچاس ہزار کا چیک اپنی بیٹی سارہ کو دیتا ہوں۔" حاران نے کہا: "ڈیڈی! ہم تو پہلے ہی آپ کے زیرِ احسان ہیں۔ اب آپ کی یہ کرم نوازی تو ایک قسم کی زیادتی ہے۔" ایشور داس نے کہا: "نہیں بیٹا! تم بیچ میں نہ آؤ۔ یہ روپے تو میں اپنی بیٹی کو دے رہا ہوں۔" اس نے چیک سارہ کو دے دیا اسی لمحے اوشا مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ اس کے فوراً بعد خادمہ چائے لے آئی۔ اوشا چائے بنانے لگی۔ ایشور داس نے ایک ضروری کام کے لئے اجازت چاہی اور وہ باہر چلا گیا۔ حاران نے کہا: "اوشا! مجھے تو یہ تمہاری کارستانی معلوم ہوتی ہے۔" اوشا نے ہنستے ہوئے کہا: "کیا بھیّا؟" حاران نے اُوشا کے سر کو ہاتھ سے دباتے ہوئے کہا: "یہ دیکھو! پچاس ہزار کا چیک جو ڈیڈی نے سارہ کو دیا ہے۔" اوشا ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئی اور ذرا دم لے کر کہنے لگی: "بھیّا! سچ کہتی ہوں۔ میں نے تو ڈیڈی کو صرف آپ کی برطرفی کا بتایا تھا۔ یہ سب کچھ انہوں نے خود ہی کیا ہے۔" اوشا نے چائے کی پیالیاں سارہ اور حاران کو دیں۔ سارہ نے کہا: "اُوشا! ہم آپ کے اور ڈیڈی کے بہت مشکور ہیں۔ ایسے وقت میں ہماری اتنی امداد کرنا کارِ خطیر ہے۔ ہاں! مجھے یاد آگیا ہے۔ کل خالدہ گیلانی انوار کے ساتھ آئیں گی۔ آپ ضرور تشریف لائیں۔" اوشا نے اثبات میں جواب دیا۔ سارہ اور حاران جانے کو اٹھے تو اوشا سارہ سے لپٹ گئی، سارہ نے اسے گلے لگا کر پیار کیا پھر اس نے "حارن بھیّا" کہہ کر حارن کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا اوشا انہیں چھوڑنے کے لئے باہر کے دروازے تک آئی۔

دوسرے دن شام کو خالدہ گیلانی اور انوار گیلانی آگئے اوشا پہلے ہی آچکی تھی۔ انوار نے جھک کر حارن سے ہاتھ ملایا اور خالدہ سارہ اور اوشا سے گلے ملی۔ خالدہ نے حارن سے کہا کہ ولسن کالج سے ان کے چلے جانے کا بہت افسوس ہے لیکن کیا کیا جائے۔ سماج میں خیر و شر کی قوتوں کا تصادم ناگزیر ہے۔ انوار نے کہا: "ڈاکٹر صاحب! میں آپ کو روزنامہ "نیشنل فرنٹ" کا ایڈیٹر لگوا رہا ہوں۔ کل میں اخبار کے مالک عبدالستار میمن سے بات کر لوں۔" اوشا نے

کہا کہ یہ تو بہت اچھی بات ہوگی، انوار نے کہا "اگر ڈاکٹر صاحب "نیشنل فرنٹ" کے ایڈیٹر مقرر ہو گئے تو ہماری شراب دو آتشہ ہوگی یعنی ایک طرف ہمارا خفیہ سیل کام کر رہا ہوگا۔ اور دوسری طرف اخبار کے ذریعے اعلانیہ طور پر حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہوگا۔ میں سارہ باجی سے درخواست کرتا ہوں کہ اس خوشی میں وہ تین جرمن دھنیں سجا کر ہمیں محظوظ کریں"۔ اس تجویز کو سب نے پسند کیا۔ اسی وقت نازیہ اور فریدہ چائے لے کر آ گئیں، سارہ چائے بنانے لگی۔ چائے پینے کے بعد سب پیانو والے کمرے میں بیٹھ گئے۔ سارہ نے ایک عالم بیخودی میں تین جرمن دھنیں سجائیں تھوڑی دیر کے لئے سب مبہوت ہو گئے جب دھنیں ختم ہوئیں تو سب ہوش میں آئے، انوار نے کہا "سارہ باجی! ہم آپ کے بہت مشکور ہیں۔ واقعی آپ بہت بڑی پیانو نواز ہیں"۔ سارہ نے شکریہ ادا کیا۔ خالدہ گیلانی نے جانے کی اجازت چاہی اور انوار اور وہ دونوں چل دیئے، اوشا نے کہا کہ اب وہ بھی چلتی ہے، حاران اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر باہر کار تک آیا۔ سارہ صحن میں کھڑی مسکراتے ہوئے انہیں دیکھتی رہی، پھر وہ کمرے میں چلی گئی۔ جب حاران واپس آیا تو سارہ نے کہا کہ اوشا کتنی دلکش خاتون ہے لیکن افسوس کہ مذہبی بندھنوں نے اس کی زندگی کو اجیرن بنا دیا ہے۔ حاران نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ دوسرے دن انوار گیلانی روزنامہ "نیشنل فرنٹ" کے مالک عبدالرزاق میمن سے ملا۔ میمن نے کہا "آؤ انوار بھیا کیا حال ہے!" انوار نے کہا "آپ سنایئے اخبار کا کیا حال ہے!" میمن نے شکوہ کرتے ہوئے کہا کہ کوئی ڈھب کا ایڈیٹر ہی نہیں ملتا۔ انوار نے پوچھا کہ اسے کیسا ایڈیٹر چاہیئے۔ میمن نے بے ساختہ کہا "ہم ایسا ایڈیٹر مانگتا ہے جو یکدم سوشلسٹ مائنڈڈ ہو"۔ انوار نے کہا کہ وہ ایسا ایڈیٹر مہیا کر سکتا ہے۔ میمن نے بیتابی سے پوچھا "بتاؤ بھیا! وہ کون ہے۔ ہمیں ابھی اس کے پاس لے چلو!" انوار نے کہا کہ وہ دسن کالج کے سابق پرنسپل ڈاکٹر حاران ایم۔ اے، پی ایچ ڈی ہیں۔ جرمن زبان کے سکالر ہیں اور سوشلسٹ نظریات رکھتے ہیں۔ یہ سن کر میمن اچھل پڑا اور کہنے لگا کہ وہ اسے اسی وقت ڈاکٹر حاران کے پاس لے چلے۔

انوار گیلانی نے اسے اپنی کار میں بٹھایا اور حاران کے ہاں لے آیا۔ اس نے میمن کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا اور حاران کو اطلاع کر دی

تھوڑی دیر کے بعد حاران اندر آیا تو میمن نے اٹھ کر مصافحہ کیا اور کہا "ڈاکٹر صاحب! میں آپ کو اپنے روزنامے کا ایڈیٹر مقرر کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی شرائط کیا ہوں گی؟" حاران نے کہا "میمن صاحب! میری کوئی شرط نہیں۔ آپ کی جو بھی شرائط ہیں مجھے منظور رہوں گی"۔ میمن یہ سن کر بہت حیران ہوا اور وہیں حاران کی بے غرضی اور خلوص کا قائل ہو گیا میمن نے کہا کہ وہ سہ پہر ڈھلے ان کو لینے آئے گا تاکہ وہ روزنامہ کا دفتر اور اپنا کمرہ دیکھ لیں اور کل سے کام شروع کر دیں۔ حاران نے اثبات میں جواب دیا۔

میمن انوار کے ساتھ سیدھا دفتر گیا اور ایڈیٹر کے کمرے کی اچھی طرح صفائی کرا کے اسے اپ ٹو ڈیٹ بنا دیا۔ شام کو ڈاکٹر حاران اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے انگریزی اخباروں کے تازہ پرچے پڑھے اور ایک اہم مسئلہ پر اداریہ لکھ کر میمن کے حوالے کیا وہ اداریہ پڑھ کر اچھل پڑا۔ حاران نے دوسرے ایڈیٹروں کو بلایا اور انہیں شذرات لکھنے کے لئے تین موضوع دیئے اور کہا کہ یہ شذرات اس کے اداریہ کے ساتھ چھپیں گے۔

ایک ہفتے کے اندر اخبار کی اشاعت پچاس ہزار تک پہنچی۔ چھ مہینے کے عرصے میں روزنامہ "نیشنل فرنٹ" سب سے زیادہ مقبول اخبار بن گیا ۲۸ ستمبر ۱۹۴۲ء کو ڈاکٹر حاران نے برطانوی سامراج کے خلاف ایک بھرپور اداریہ لکھا یکم اکتوبر کو اسے گرفتار کر لیا گیا اور تین مہینوں کے لئے قیدِ تنہائی کی سزا سنائی گئی

اس دوران میں روزنامہ "نیشنل فرنٹ" پر پابندی لگا دی گئی اور اخبار بند ہو گیا۔ اوشا سپرنٹنڈنٹ جیل سے اجازت لے کر برابر تین مہینے ڈاکٹر حاران کو جیل میں دو وقت کھانا پہنچاتی رہی، سارہ اس کی ثابت قدمی اور محبت کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

ڈاکٹر حاران نے قیدِ تنہائی میں سیاسی حالات کا جائزہ لیا تو وسط ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۲ء کے اواخر تک عالمی اور ملکی سیاست میں کئی تبدیلیاں نظر آئیں۔ ۲۲ جون ۱۹۴۱ء

کو ہٹلر کی طوفانی فوجوں نے روس پر حملہ کر دیا۔ ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی نے جنگ کی حمایت کر دی حکومت نے پارٹی سے پابندیاں اٹھالیں۔ سٹالن گراڈ میں نازی فوجوں اور سرخ فوجوں میں تاریخی جنگ ہوئی جس نے ہٹلر کو شکستِ فاش دے دی۔ آزاد ہند فوج کا کورٹ مارشل لال قلعہ میں شروع ہوا عوام نے زبردست مظاہرے کئے امریکہ نے جاپان کے شہر ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے اور ہزاروں انسانوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ جنگ کے دوران مزدور تحریک نے غیر معمولی ترقی کی اور جنگ کے خاتمہ تک وہ سب سے زیادہ منظم اور طاقتور بن چکی تھی۔ سامراج کے خلاف سب سے بڑا مورچہ اسی نے قائم کیا۔ مشرقی یورپ میں عوامی جمہوریتوں کا قیام عمل میں آیا۔

اٹلی کے فاشسٹ آمر مسولینی کو معزول کر دیا گیا اور عوام نے اسے انتہائی بے دردی سے ہلاک کر دیا۔ جنگ کا خاتمہ ہوا تو برطانوی نوآبادیوں میں قومی آزادی کی طوفانی لہر اٹھی۔ چین میں جدوجہدِ آزادی تیز ہو گئی۔ ہندوستان میں مزدوروں، کسانوں، طالبعلموں اور فوجی ملازموں کی سرکشی نے برطانوی سامراج کو متزلزل کر دیا۔ ایک احتجاجی تحریک انڈونیشیا اور ویت نام میں ہندوستانی فوجوں کے استعمال کے خلاف ابھری اسی دوران تلنگانہ میں کسانوں کی بغاوت پروان چڑھی۔ ادھر بیوروکریسی نے مرکزی اور صوبائی انتخابات کا اعلان کر کے عوام کی توجہ برطانوی حکومت سے ہٹا دی۔ ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی نے بھی انتخابات کی راہ اختیار کی اور پارٹی عملی طور پر اپنے اصولوں سے ہٹ گئی اور اپنے علیحدہ وجود کی نفی کرنے لگی۔ بنگال میں استحصالی طبقوں نے مصنوعی قحط پیدا کر دیا جس کے نتیجے میں پنتالیس لاکھ بنگالی عوام لقمۂ اجل ہو گئے۔ جنگ کے خاتمہ پر الجزائر میں جدوجہدِ آزادی بہت تیز ہو گئی انڈین نیشنل کانگرس نے ہندوستان کی قوموں کے حق خود ارادیت کو تسلیم نہ کیا جس کے نتیجے میں مسلم لیگ کی جدوجہدِ آزادی تیز ہو گئی اور قیامِ پاکستان ایک حقیقت بنا نظر آنے لگا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم اقلیت کی قیادت کی اور ہر موقع پر حیرت انگیز بے غرضی اور خلوص کا مظاہرہ کیا۔ ڈاکٹر حاران اسی طرح سوچتا گیا۔

یکم جنوری ۱۹۴۶ء کو ڈاکٹر حاران کی رہائی عمل میں آئی جیل کے باہر سارہ، اوشا خالدہ گیلانی اور انوار گیلانی حاران کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ اوشا نے کہا کہ پہلے سب اس کے ہاں چلیں گے۔ تھوڑی دیر میں سب اوشا کے ہاں پہنچ گئے اور ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے اوشا چائے کا انتظام کرنے کے لئے اندر چلی گئی تھوڑی دیر کے بعد آشا نے اندر آ کر حاران سے کہا کہ دیدی انہیں بلاتی ہے۔

حاران اوشا کے کمرے میں گیا تو اوشا کھڑی تھی۔ وہ حاران کو دیکھتے ہی اس سے لپٹ گئی اور سسکیاں بھرنے لگی۔ حاران نے اسے دلاسا دیا۔ اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور اس کی پیشانی کو چوما۔ اوشا آنسو پونچھتے ہوئے مسکرانے لگی۔ حاران اوشا کے کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔ اس کے چہرے پر اداسی چھائی تھی وہ اوشا کی اتھاہ محبت کو دیکھ کر ششدر رہتا۔ سارہ سب راز سمجھ گئی تھوڑی دیر کے بعد خادمہ چائے لے آئی اور ساتھ ہی اوشا اندر داخل ہوئی۔ سارہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں کو نمناک پایا۔ اوشا مسکراتے ہوئے چائے بنانے لگی۔ سب چائے پینے لگے۔

چائے پیتے ہوئے انوار گیلانی نے کہا: اوشا باجی! اتوار کی شام کو آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں ایک بہت ضروری بات ہے۔ میرے علاوہ صرف ڈاکٹر صاحب سارہ باجی، خالدہ اور آپ ہوں گی، اوشا نے اثبات میں جواب دیا۔ ڈاکٹر حاران چپ بیٹھا تھا۔ اوشا نے بشاشت کے عالم میں کہا "بھیا! اب تو آپ قیدِ تنہائی میں نہیں ہیں ہم سے کوئی بات کریں"۔ حاران نے کہا: "نہیں اوشا! ایسی کوئی بات نہیں میں تو ملک کے سیاسی حالات پر غور کر کے دم بخود تھا۔ ہاں! مجھے قیدِ تنہائی کے دو واقعات یاد آ گئے ہیں جنہوں نے مجھ پر قیدِ تنہائی کے برے اثرات مرتب نہ ہونے دیے ایک تو یہ کہ میری ننھی بہن اوشا مجھے دوپہر اور رات کا کھانا باقاعدہ بھیجتی رہی۔ اس کھانے نے میرے لئے گھر کا سا ماحول پیدا کر رکھا تھا۔ دوسرے یہ کہ ایک وارڈر صبح سویرے میرے پاس آیا کرتا تھا اور اپنی زندگی کے واقعات پنجابی زبان میں سنا کر مجھے دن

بھر کے لئے تازہ دم کر دیا کرتا تھا" خالدہ نے کہا کہ یہ تو بہت اچھا ہوا۔ انوار نے کہا کہ اب انہیں چلنا چاہیئے۔ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ سارہ نے اوشا کو گلے لگا کر پیار کیا اسے اوشا سے گہری ہمدردی تھی وہ اوشا کی جبری بیوگی پر بہت رنجیدہ تھی۔ ڈرائنگ روم سے نکلتے ہی اوشا نے حاران کو اپنے بازوؤں میں سمیٹتے ہوئے کہا:

"بھیا آپ اتنی دیر کے بعد ملے ہیں۔ مجھے پیار کر کے تو جائیں" حاران نے اسے گلے لگا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ سب کار میں بیٹھے اور چل دیئے۔

گھر پہنچ کر حاران نے نازیہ، فریدہ اور احسن کو پیار کیا۔ نازیہ بی۔ اے کی طالبہ تھی۔ نازیہ راشدہ کے بغیر کچھ اداس رہتی تھی۔ دوسرے دن اعجاز کا خط آیا جس میں لکھا تھا سب خیریت سے ہیں۔ اخلاق اور آفاق کے ہاں دو دو بچے پیدا ہو چکے ہیں، پرسوں پروفیسر ماتھر کا انتقال ہو گیا۔ اتوار کو سارہ نے اعجاز کو اور حاران نے راج کو پروفیسر ماتھر کی وفات پر تعزیت کا خط لکھا۔

اتوار کی سہ پہر کو آسمان پر بادل چھائے تھے اور خوشگوار ہوا چل رہی تھی اوشا پانچ بجے حاران کے ہاں پہنچ گئی۔ سارہ دس منٹ میں تیار ہو گئی اور وہ خالدہ کے ہاں چل دیئے۔ ڈرائنگ روم میں خالدہ، انوار، حاران، سارہ اور اوشا بیٹھے تھے۔ انوار گیلانی نے کہا: "میں ایک اہم ترین حقیقت آپ کو بتانے والا ہوں قصہ یہ ہے کہ فوج کے تینوں شعبوں میں برطانوی سامراج کے خلاف نفرت اور بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ نجانے فوج میں کس وقت بغاوت کی آگ بھڑک اٹھے۔ اس لئے ہمیں جد وجہد میں حصہ لینے کے لئے کم از کم سٹین گن اور مشین گن چلانا سیکھ لینا چاہیئے ابھی میرا ایک دوست کیپٹن عباس آئے گا۔ دوست کیپٹن عباس آئے گا اور اپنے ساتھ سٹین گن اور مشین گن کی مختلف تصاویر لائے گا جن کی مدد سے وہ ان ہتھیاروں کو چلانا سکھائے گا۔ پھر وہ اگلی اتوار کو ہمیں فوجی میوزیم لے کر جائے گا اور وہاں رکھی ہوئی بیکار شدہ سٹین گن اور مشین گن کے ذریعے ہمیں عملی ٹریننگ دے گا وہ ہر دوسرے دن اپنی موٹر سائیکل پر آیا کرے گا اور یہ سلسلہ بارہ دن جاری رہے گا

کیونکہ وہ ہمارا فرداً فرداً امتحان لیا کرے گا اور یہ ساری ٹریننگ اوشا باجی کے ہاں ہو گی۔"

باہر دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ انوار نے جا کر دیکھا تو کیپٹن عباس ہی تھا ڈرائنگ روم میں آ کر اس نے سب کو سلام کیا۔ پھر انوار نے سب کا فرداً فرداً تعارف کرایا وہ ڈاکٹر حاران کے پاس بیٹھ گیا۔ عباس نے انوار سے کہا کہ وہ سٹین گن اور مشین گن کی تفصیلی تصاویر لے آیا ہے وہ انہیں رکھ لے۔ ٹریننگ کل سے شروع ہو گی۔ جمیلہ چائے لے کر آئی اور خالدہ چائے بنانے لگی۔

چائے پینے کے بعد عباس چلا گیا۔ انوار نے کہا کہ کل وہ سب اوشا کے ہاں پانچ بجے آ جائیں یہ بڑا اہم مرحلہ ہے، اگر طے ہو گیا تو ہمارے لئے بہت مفید ثابت ہو گا۔ اس نے مزید کہا کہ وہ سٹین گن اور اس کی گولیاں چار یا پانچ دن کے اندر حاصل کرے گا سب جانے کو اٹھ کھڑے ہوئے۔

سولہ دن کے بعد ٹریننگ ختم ہو گئی۔ سب میں پورا اعتماد پیدا ہو گیا کہ وہ سٹین گن اور مشین گن بڑی مہارت سے چلا سکتے ہیں۔ کیونکہ کیپٹن عباس نے ٹریننگ کے دوران تمام رموز انہیں اچھی طرح سمجھا دیئے تھے۔

جنوری ۱۹۴۶ء کے دوران مزدوروں نے کئی ہڑتالیں کیں اور بڑے بڑے جلوس نکالے جن میں کئی لاکھ مزدور اور دوسرے لوگ شامل ہوئے۔ لیکن بیوروکریسی کی پالیسی یہ تھی کہ سامراج دشمن تحریک میں جب کبھی انقلابی ابھار پیدا ہوتا تھا تو وہ ہندو مسلم فساد کرا دیتی تھی یا اپنے خفیہ ہاتھ سے کسی نہ کسی طریق سے اس ابھار کو ختم کرا دیتی تھی۔ کانگرس کی جد وجہدِ آزادی کی ساری تاریخ میں یہ المیہ نظر آتا ہے۔

بمبئی ایک صنعتی شہر تھا۔ یہاں مزدوروں نے پہلا یوم مئی منایا۔ سب سے پہلے ٹریڈ یونین بنائی اور سب سے پہلے سرخ پرچم بلند کیا۔

جنوری ۱۹۴۶ء میں سب سے پہلے بمبئی میں مقیم ہندوستانی فضائیہ کے افسروں نے ہڑتال کر دی۔ اس میں پندرہ سو ہوا باز شامل تھے اور ان کا مطالبہ

تھا کہ ان کے ساتھ انگریز ہوا بازوں کا سا سلوک کیا جائے۔

۱۹ فروری ۱۹۴۶ء کو ہندوستانی بحریہ کے تین ہزار جوانوں نے بمبئی کی سب سے زیادہ مصروف شاہراہ فلورا فاؤنٹین پر مظاہرہ کر کے ٹریفک معطل کر دی۔ ہندوستانی بحریہ کے تمام جہاز اس ہڑتال سے متاثر ہوئے۔ ان جہازوں کی تعداد چوبیس تھی جہازوں کے ستونوں سے یونین جیک اتار کر کانگرس اور مسلم لیگ کے جھنڈے لہرا دیئے گئے۔ کچھ برطانوی افسروں اور فوجیوں پر بھی مظاہرین نے حملہ کیا۔ بمبئی میں تین لاکھ سے زائد مزدوروں اور طالب علموں نے جہازیوں کی ہمدردی میں سب ہڑتالوں میں حصہ لیا۔ ہندوستانی بحریہ کی ہڑتال ۲۰ فروری کو بھی جاری رہی اور ہڑتالیوں نے چرچ گیٹ کے قریب مظاہرہ کیا وہ تمام ہاکیوں اور ڈنڈوں سے لیس تھے ان ہڑتالیوں کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی۔ اس کے بعد یونیورسٹی کے سامنے اوول میدان میں جلسہ ہوا جلوس میں تین لاکھ مزدوروں اور طالب علموں نے حصہ لیا۔

ہندوستانی بحریہ کے ان ہڑتالیوں نے جن میں بیشتر اپنی فوجی وردیوں میں ملبوس تھے۔ امریکی مرکز اطلاعات کے سامنے مظاہرہ کیا اور امریکی پرچم کو نذر آتش کر دیا اس دو دن کی معرکہ خیز ہڑتال نے پورے ملک کو متاثر کرنا شروع کر دیا۔ کلکتہ، کراچی اور سرنگاپٹم کی بندرگاہوں میں ہندوستانی بحریہ کا دیسی عملہ اور دہلی میں ہندوستانی بحریہ کے ہیڈ کوارٹرز کا عملہ بھی ہڑتال میں شریک ہو گیا۔

۲۱ فروری کو برطانوی فوج نے بحریہ کے ہڑتالیوں پر گولی چلا دی۔ یہ فائرنگ بمبئی ٹاؤن ہال کے سامنے ہوئی شہر کی صورت حال نازک ہو گئی جگہ جگہ فوج تعینات کر دی گئی۔ کچھ ہڑتالیوں نے مختلف بیرکوں میں اسلحہ خانوں پر حملہ کر کے اسلحہ حاصل کرنے کی کوشش بھی کی۔ ہڑتالیوں کا انتہا پسند طبقہ اپنے گرفتار شدہ ساتھیوں کی رہائی کے لئے کوشاں تھا اور جن بیرکوں میں ان کے ساتھیوں کو رکھا گیا تھا وہاں بھی حملہ کیا گیا۔ شام تک باقاعدہ آمنے سامنے جنگ کا نقشہ ترتیب پانے لگا۔ ہڑتالیوں نے جواب میں نہ صرف گولیاں چلائیں بلکہ وہ دستی بم بھی متواتر پھینکتے رہے۔

بحریہ کے ہڑتالیوں کی تائید میں اندھیری اور میرین ڈرائیو میں مقیم فضائیہ کے ایک ہزار جوانوں نے بھی ہڑتال کر دی۔ برطانوی فوجی پولیس نے ان پر لاٹھی چارج کیا۔ لیکن انہوں نے ہڑتال ختم کرنے سے انکار کر دیا۔ انوار گیلانی عموماً تمام ہنگاموں میں گھومتا پھرتا تھا اور باخبر رہتا تھا۔

۲۲ فروری کو کمیونسٹ پارٹی بھی جہازیوں کی بغاوت میں شامل ہو گئی بمبئی میں مکمل ہڑتال ہوئی۔ تمام کارخانے، کالج، سکول اور دکانیں بند رہیں اور زبردست مظاہرے ہوئے دو دن میں ۲۷۰ مظاہرین شہید اور ۱۳۰۰ اشخاص زخمی ہوئے۔ تمام لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ برطانوی فوج نے عوام پر ظلم و تشدد کیا۔ تین دنوں میں سینکڑوں آدمی گورا فوج کی فائرنگ سے ہلاک ہوئے۔ سڑکوں پر ایمبولینس کا انتظام نہ تھا۔ لوگ مرتے بھرتے ہسپتال تک پہنچتے تھے ڈی لیزل روڈ پر انگریز فوجیوں نے مزدوروں کی چالوں میں گھس کر لوگوں پر فائرنگ کی۔ زخمیوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی ہسپتالوں میں زخمیوں کے لئے جگہ نہ تھی۔

جب فوجیوں کے ایک تیز رفتار ٹرک نے ایک پر امن جلوس کے لوگوں کو ٹکر ماری تو لوگوں نے فوجیوں پر پتھراؤ کیا، الفنسٹن روڈ کے کونے کے نزدیک سپاری باگ روڈ پر کچھ آدمی کھڑے تھے اتنے میں انگریز فوجیوں سے بھری ہوئی ایک مسلح لاری الفنسٹن روڈ میں داخل ہوئی۔ تمام فوجیوں کے پاس رائفلیں تھیں۔ تمام لوگ دروازوں کی طرف بھاگے۔ لیکن فوجیوں نے فائرنگ شروع کر دی بیس آدمی زخمی اور چار ہلاک ہوئے۔ ٹریڈ یونینوں کی اپیل پر جہازیوں کی حمایت میں تمام ٹیکسٹائل ملوں، فیکٹریوں اور ریلوے ورکشاپوں میں کامیاب ہڑتال ہوئی مسلح گورے فوجیوں کی لاریاں سڑکوں پر گھومتی رہتی تھیں اور ہجوم پر اندھا دھند فائرنگ کرتے ہوئے گذر جاتی تھیں۔ شہر میں مظاہرے شروع ہوئے ان مظاہروں کی قیادت کانگرس اور مسلم لیگ کے متحدہ محاذ نے کی مظاہرین سرخ جھنڈے اور کئی بینر اٹھائے ہوئے تھے جن پر کئی نعرے لکھے تھے۔

باغیوں کو بمبئی کے عوام سے زبردست حمایت ملی۔ وہ باغیوں کے لئے جہازوں میں کھانا اور کھانے کی دوسری چیزیں لے کر آتے تھے۔ برطانوی حکام اس بڑھتی ہوئی تحریک کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور اسے دبانے کے لئے تشدد کے حربے اختیار کرنے لگے آزادی کی لگن نے لوگوں میں ایک مسرت اور وارفتگی پیدا کر دی تھی غریب اور امیر سب لوگ باغیوں کے لئے کھانا، پھل اور کھانے کی دوسری چیزیں لئے چلے آ رہے تھے۔

جب بمبئی میں ہندوستانی سپاہیوں نے گولی چلانے سے انکار کر دیا تو انگریز فوج منگائی گئی اور کیسل بیرکوں کے باہر سات گھنٹے تک لڑائی جاری رہی۔

انوار گیلانی نے جدوجہد میں حصّہ لینے کے لئے تمام ضروری انتظامات کر لئے تھے ۲۳ر فروری ۱۹۴۶ء کو پورا بمبئی ایک کھلی بغاوت کا شہر بن گیا تھا اور انگریز فوج نے کھل کھیلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

بمبئی کے مزدوروں، طالب علموں اور شہریوں نے بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا فلورا فاؤنٹین شاہراہ، چرچ گیٹ، چوپاٹی، اڈی لیزل روڈ اور ٹاؤن ہال کے نواح میں لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا کہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔ پولیس تماشائی بن کر کھڑی تھی۔

سہ پہر کو اوول میدان میں ایک جلسہ شروع ہوا۔ اوول میدان یونیورسٹی کے سامنے تھا اور اس کے اور یونیورسٹی کے درمیان ایک چوڑی سڑک تھی ڈاکٹر حاران نے ایک سکھ بابو کے بھیس میں جلسہ گاہ تک پہنچا اور سٹیج پر آ کر اس نے مصنوعی داڑھی، مونچھیں اور سر کے بال اتار پھینکے۔ طالب علموں نے اسے دیکھ کر ڈاکٹر حاران زندہ باد کے نعرے لگائے۔ اس کے فوراً بعد ہی سٹیج سے پرے ایک خشک چنے بیچنے والا اپنی بہنگی لے کر آ کھڑا ہوا اس کے پیچھے انوار گیلانی کھڑا تھا اور ساتھ ہی اوشا کھڑی تھی۔ ڈاکٹر حاران تقریر کے لئے کھڑا ہوا اور اس نے کہا: معزز حاضرین! اسی لمحے اوول میدان اور یونیورسٹی کے درمیان والی سڑک پر انگریز فوجی

آ پہنچے اور انہوں نے جلسہ گاہ سے پرے مشین گن فٹ کر دی۔ مشین گن کے پاس تین گورے فوجی کھڑے تھے اور باقی فوج ان سے پرے ہٹ کر کھڑی تھی۔ انہوں نے مشین گن سے لوگوں پر ایک راؤنڈ چلایا۔ بہت سے آدمی مر کر اور زخمی ہو کر گرے۔

انوار گیلانی نے برق رفتاری کے ساتھ چنوں میں چھپائی ہوئی سٹین گن نکالی اور ساتھ ہی ہینڈ گرنیڈز کا تھیلا نکالا اور جلسہ گاہ سے آگے بڑھ کر تین گورے فوجیوں پر ہینڈ گرنیڈز پھینکے اور انہیں ڈھیر کر دیا۔ پھر انوار سٹین گن چلاتے ہوئے ڈاکٹر حاران کے ساتھ مشین گن کی طرف بھاگا۔ ڈاکٹر حاران نے مشین گن پر قبضہ کر کے متواتر چار راؤنڈ چلائے۔ کئی گورے فوجی مر کر یا زخمی ہو کر گرے اور کئی لیٹ گئے۔ انوار بھاگتا ہوا جلسہ گاہ میں آ گیا۔ اس کے پاس اوشا کھڑی تھی۔ ڈاکٹر حاران کی ایک ٹانگ زخمی ہو چکی تھی کیونکہ ایک لیٹے ہوئے گورے فوجی نے اس کی ٹانگوں پر فائر کیا تھا۔ ڈاکٹر حاران نے چار راؤنڈ پھر چلائے پھر ایک لیٹے ہوئے گورے فوجی نے اس کی دوسری ٹانگ بھی زخمی کر دی اور وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا۔ اسی لمحے انوار نے پھر فوجیوں پر ہینڈ گرنیڈ پھینکے اور سٹین گن چلاتے ہوئے اوشا کے ساتھ مشین گن کی طرف بھاگا اوشا نے چشم زدن میں مشین گن پر قبضہ کر کے پانچ راؤنڈ چلائے انوار پھر جلسہ گاہ کے نزدیک آ گیا۔ لیکن اسی دوران میں ایک راؤنڈ چلا کر اس گورے فوجی کو ہلاک کر دیا اور خود شہید ہو کر گری۔ اسی لمحے انوار گیلانی نے گورے فوجیوں کی طرف ہینڈ گرنیڈ پھینکتے ہوئے مشین گن پر قبضہ کر لیا۔ اور چشم زدن میں چھ راؤنڈ چلائے پھر ایک لیٹے ہوئے گورے فوجی نے انوار کو بھی نشانہ بنایا اور وہ شہید ہو کر گرا۔ اسی لمحے گورے فوجی مشین گن کی جانب بھاگے۔ خالدہ گیلانی جو مشین گن سے ذرا پرے کھڑی تھی بھاگ کر پبلک میں گم ہو گئی۔

لوگ اوول میدان کی دوسری جانب بھاگنے لگے۔ گورے فوجیوں نے دو

راؤنڈ چلائے اور بھاگتے ہوئے بیسیوں لوگوں کو مار ڈالا یا زخمی کر دیا۔ انہوں نے اودل میدان پر فوراً قبضہ کر لیا۔ ایک فوجی ایمبولینس آئی جس میں ڈاکٹر حاران کو علاج کے لئے اور اوشا اور انوار کی لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لئے ہسپتال لے جایا گیا۔ اس کے بعد آٹھ ایمبولینس گاڑیوں میں زخمی اور مردہ گورے فوجیوں کو لے جایا گیا۔

شام گہری ہو چکی تھی خالدہ گیلانی یہ سارا واقعہ سارہ کو بتانے کے لئے چل پڑی سارہ فریدہ کی بیماری کی وجہ سے گھر سے باہر نہ نکل سکی۔ جب سارہ نے خالدہ سے سارا واقعہ سنا تو دم بخود رہ گئی۔ **برطانوی سامراج اور استحصال پسند عناصر کے خلاف حاران، اوشا اور انوار گیلانی کی نفرت کتنی گہری اور ناقابل شکست تھی۔**

سارہ نے سوچا۔ خالدہ گیلانی سارہ سے لپٹ گئی اور دونوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ خالدہ کے جانے کے بعد سارہ بہت دیر تک ایک ہی جگہ خاموش بیٹھی رہی۔

ریڈیو پر رات کی خبروں میں بتایا گیا کہ کانگرس اور مسلم لیگ کے لیڈروں کی یقین دہانی پر نیول سنٹرل کمیٹی نے ہڑتال ختم کر دی ہے۔ ہندوستانی فوج کی اس بغاوت نے دوہرا کردار ادا کیا۔ ایک طرف اس کے بے نتیجہ خاتمے نے سامراج دشمن تحریک کو ناکام بنا دیا اور لوگوں میں ایک گہری مایوسی اور احساسِ شکست پیدا کر دیا دوسری طرف اس بغاوت نے ایک نئے دور کا آغاز کیا اس بغاوت نے برطانوی سامراج کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا اوپری طبقہ کی قیادت کو خوف زدہ کر دیا اور اسے سامراج سے سمجھوتہ پر مجبور کر دیا۔ سامراج اور اوپری طبقہ دونوں کو صرف ایک خطرہ تھا کہ کہیں عوامی تحریک انقلاب کے راستے پر نہ چل پڑے اس طرح ہندو اور مسلمان بورژوازی نے طاقت اپنے ہاتھ میں رکھی اور اپنی حکمرانی کے گرتے ہوئے ڈھانچے کو بچا لیا۔

دوسرے دن ایک احتجاجی جلوس نکلا جو تقریباً پانچ لاکھ انسانوں پر مشتمل تھا

اور جس میں مزدور، طالب علم اور دوسرے شہری شامل تھے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ اوشا اور انوار گیلانی کی لاشوں کو ان کے حوالے کیا جائے۔ جلوس کا رُخ ہسپتال کی جانب تھا۔ ڈپٹی کمشنر اور آئی جی پولیس نے جلوس کے چند لیڈروں سے بات چیت کی اور ان سے یقین دہانی لی کہ جلوس پُرامن طور پر شمشان اور قبرستان پہنچے گا۔

چنانچہ دونوں لاشیں لیڈروں کے حوالے کر دی گئیں۔ لاشوں کو ڈھانپنے کے لئے کپڑوں کا انتظام پہلے ہی سے کر لیا گیا تھا۔ اوشا اور انوار کی میتوں کو الگ الگ دو ٹرکوں پر رکھا گیا۔ سہ پہر کو جلوس کا کچھ حصہ شمشان میں پہنچا اور کچھ حصہ قبرستان گیا اوشا اور انوار گیلانی دونوں شہید ہو کر عوام کے دلوں میں آزادی کی جوت جگا گئے۔

دوسرے دن اخبار آیا تو اس میں ایک بڑی سُرخی یوں تھی: "ڈاکٹر حاران کو بغاوت کے الزام میں زخمی حالت میں گرفتار کر لیا گیا اوشا اور انوار گیلانی نے بہادرانہ طور پر مقابلہ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔"

شام کو سارہ اوشا کے والد کو ملی اور اوشا کے یوں چلے جانے پر اظہارِ افسوس کیا سیٹھ ایشور داس نے کہا: "بیٹی! اوشا کی وفات پر مجھے گہرا دکھ ہوا ہے لیکن مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میری بیٹی وطن کی آزادی کے لئے شہید ہوئی ہے سارہ نے کہا "ڈیڈی! یہ بالکل ٹھیک ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اوشا نے بہت بڑا رتبہ حاصل کر لیا" ایشور داس نے کہا: بیٹی! تمہارا دکھ تو میرے دکھ سے کہیں زیادہ گہرا ہے اب سنجانے ڈاکٹر حاران پر کیا بیتے گی" سارہ نے فرطِ غم سے سر جھکا لیا اوشا کے بغیر گھر میں ایک گہرا سناٹا تھا وہ آشا کے کمرے میں گئی تو وہ بیٹھی رو رہی تھی۔ وہ سارہ کو دیکھ کر اس سے لپٹ گئی اور دھاڑیں مار کر رونے لگی۔ سارہ نے اسے دلاسا دیا۔ پھر اس نے ایشور داس سے جانے کی اجازت لی اور گھر واپس آ گئی۔ گھر میں حاران کو نہ پا کر اس پر عجیب مایوسی طاری ہوئی۔

سی.ایم.ایچ میں ڈاکٹر حاران کی ٹانگوں کا اپریشن ہوا۔ اب زخم بھرنے کا انتظار تھا۔ اتوار کو سارہ حاران کو ملنے کے لیے ہسپتال گئی۔ چند لمحے تو وہ دونوں خاموش رہے پھر سارہ نے بتایا کہ ۲۳ فروری کو فریدہ کا بخار بہت تیز تھا۔ فریدہ کی تیمار داری کیلئے اس کی موجودگی ضروری تھی۔ شام کو خالدہ نے اسے سارے واقعہ سے آگاہ کیا۔ حاران نے کہا: "میں نے جو کچھ کیا ہے مجھے اس پر کوئی افسوس نہیں۔ انسان کو زندگی ایک ہی بار ملتی ہے۔ اگر وہ اُسے کسی بلند آدرش کے تعاقب میں گذار دے تو زندگی کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ مجھے ارشا اور انوار گیلانی کی شہادت کا بھی کوئی افسوس نہیں۔ انہوں نے برطانوی سامراج سے ٹکر لیتے ہوئے جان دی ہے سارہ! مجھے افسوس ہے کہ اب تمہاری ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔" سارہ نے کہا: "آپ ٹھیک کہتے ہیں میں اپنی ذمہ داریوں کو بڑی ہوش مندی سے نبھاؤں گی۔" حاران نے ہاتھ بڑھا کر ناز بہ احسن اور فریدہ کو پیار کیا کیونکہ اس کی ٹانگوں کا اپریشن جمعہ کو ہوا تھا اور وہ اپنی ٹانگوں کو ہلا نہیں سکتا تھا۔ سارہ جانے کے لئے اٹھی تو دونوں نے ایک دوسرے کو محبت بھری نظروں سے دیکھا۔

مارچ کے پہلے ہفتے میں ڈاکٹر حاران کی ٹانگیں بالکل ٹھیک ہو گئیں اور پندرہ مارچ کو اس نے فوجی عدالت میں اپنا بیان دیا۔ اپنے بیان میں اس نے کہا: "مجھے اعتراف ہے کہ میں نے برطانوی جبر و تشدد کا جواب تشدد سے دیا۔ بغاوت غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسان کا پیدائشی حق ہے اس لئے میں اپنی بغاوت کو جرم نہیں بلکہ ایک فریضہ سمجھتا ہوں۔ برطانوی سامراج کا میرے ملک پر تسلط مذہب، اخلاق اور انسانیت کی رُو سے ایک سماجی جرم ہے اور میرا آدرش یہی ہے کہ میں اس جرم کے خلاف بغاوت کروں اور تشدد کا جواب تشدد سے دوں۔ میں اس سے زیادہ کچھ کہنا بے سُود سمجھتا ہوں۔" کمرہ عدالت میں سناٹا چھایا تھا۔ فوجی عدالت کے تمام افراد ڈاکٹر حاران کی اخلاقی جرأت دیکھ کر دم بخود تھے کچھ ججوں نے بیک روم میں جا کر باہم مشورہ کیا اور سینئر جج کو اپنے فیصلے سے

مطلع کیا اس نے ڈاکٹر حاران کو سزائے موت سنا دی۔ پھر اسے بند فوجی لاری میں جیل کے دروازے کے آگے لایا گیا۔ ڈاکٹر حاران اپنے خیالات سے چونک پڑا اور خود کو جیل کے تہ خانے میں پایا۔ کلاک نے رات کے دو بجائے۔ وہ پھر خیالات میں کھو گیا۔

اب وہ عالمِ تصور میں ایک اشتراکی درویش کے بھیس میں نمودار ہوا۔ وہ ایک سرسبز پہاڑی کے دامن میں ٹہل رہا تھا اور مختلف پیشوں اور نظریات کے لوگ گروہوں میں اس کے خیالات سننے کے لئے باری باری اس کے پاس آتے تھے۔

ڈاکٹر حاران مسلسل ٹہلتا رہا اور مختلف گروہوں کو جواب دیتا رہا۔ سب سے پہلے مذہبی پیشواؤں کا گروہ آیا۔ ڈاکٹر حاران نے ان کی جانب خشمگین نگاہوں سے دیکھا اور کہا: "تم جو میرے پاس آئے ہو مذہب سے تمہارے معاشی رشتے وابستہ ہیں۔ اس لئے تم مذہب کی غلط تعبیر سے عوام کو بہکاتے ہو اور استحصالی سماجی نظام کی حمایت کرتے ہو۔ تم ظواہر پرست ہو اور روحِ مذہب سے نا آشنا ہو۔ جب تک مذہبی پیشوائیت کو ختم نہیں کیا جاتا دنیا میں وحدتِ انسانیت قائم نہیں ہو سکتی۔"

وہ طیش میں ٹہلتا رہا۔ پھر محنت کشوں کا گروہ آیا۔ اس نے کہا: "جب تک تم ضبطِ نفس سے کام لے کر خلوص اور ایثار سے طبقاتی جدوجہد میں حصہ نہیں لوگے تم نہ خود آزاد ہو سکتے ہو اور نہ انسانی معاشرے کو جبر و استحصال اور سماجی قباحتوں سے آزاد کرا سکتے ہو۔ یاد رکھو! سمجھوتہ بازی تمہارے آدرش کے لئے زہرِ قاتل ہے!"

اس کے بعد اشتراکی دانشوروں کا گروہ آیا۔

ڈاکٹر حاران نے کہا: "تم اشتراکی معاشرے میں لوگوں کو مادی ضروریات مہیا کر کے اس خیال میں مگن ہو کہ تم نے اپنی منزل کو پا لیا۔ یہ

انقلابی نکتہ سن لو! اشتراکیت کا منتہا لوگوں کو محض مادی ضروریات مہیا کرنا نہیں بلکہ تعلیم مسلسل کے ذریعے ان میں خلوص، ایثار، ضبطِ نفس اور داخلی ترفع پیدا کرنا ہے تاکہ کہیں اشتراکیت خارجیت کی تسکین تک محدود ہو کر نہ رہ جائے۔ اشتراکیت کا حقیقی مقصد خارج کی تزئین و تنظیم کر کے انسان کو تزکیۂ نفس کے طلسم سے ایک اخلاقی انسان بنانا ہے۔"

وہ عالم وارفتگی میں ٹہلتا رہا۔ پھر بورژوا سیاست والوں کا گروہ آیا۔ اس نے ان کی جانب حقارت سے دیکھا اور کہا "تم بورژوا سیاست کے مہرہ باز ہو۔ تم غریب اور محنت کش انسانوں کا ووٹ لے کر انہیں ناداری، پس ماندگی، جہالت اور بیماری کا شکار بنائے رکھتے ہو اور خود استحصالی قوتوں سے سمجھوتہ بازی کے ذریعے عیش و آسائش میں زندگی بسر کرتے ہو۔ تم نے معاشرے کے مفاد کو اپنے ذاتی مفاد کے پیچھے رکھا ہوا ہے وہ تم ہی ہو جن کے لئے تمام مذاہب میں دردناک عذاب کی پیش گوئی کی گئی ہے۔"

غم و غصہ کی وجہ سے وہ تیز تیز چلنے لگا۔ پھر فلسفیوں کا گروہ آیا۔ ڈاکٹر جاران نے کہا: "تم سائنس ٹیکنالوجی اور جدید علوم کی ترقی کے عہد میں سانس لے رہے ہو۔ لیکن تم نے فلسفہ کو مابعد طبیعیات ہی سے مربوط کر رکھا ہے۔ تم نے اس فلسفہ کو نظر انداز کر دیا ہے۔ جس کی بنیادیں سائنسی انکشافات کے نتائج کے اتلاف پر استوار ہیں۔ تم ایک ہزار سال میں بھی اپنے فلسفہ سے معاشرے کی تقلیب بہتر خطوط پر نہیں کر سکتے۔"

اس کے بعد مذہبی سیاسی جماعتوں کے لیڈروں کا گروہ آیا۔ ڈاکٹر جاران نے کہا "تم نے مذاہب کو انسانوں کے درمیان افتراق اور نفاق کا ذریعہ بنا دیا ہے اور مذاہب کی ارفع اخلاقی اقدار کو پسِ پشت ڈال کر انہیں جارحانہ اور فسطائی ادارے بنا دیا ہے —————— تم نے ان مذاہب کو مکمل طور مسخ کر دیا ہے جو انبیائے کرام لائے تھے اور جو اپنے مافیہ میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل اور انقلابی تھے۔"

پھر بورژوا کریٹس کا گروہ آیا۔ ڈاکٹر جاران نے ان کی طرف قہر آلود نظروں سے دیکھا اور کہا "تم انسانیت کے سب سے بڑے مجرم ہو۔ تم ابھرتے ہوئے جدید نوآبادیاتی نظام اور مقامی استحصالی قوتوں سے سمجھوتہ کر کے ملک میں استحصالی سماجی نظام کو قائم رکھنے اور چلاتے ہو۔ تم نے کروڑوں محنت کش انسانوں کو ناداری، پس ماندگی، جہالت اور بیماری کے گڑھے میں دھکیل رکھا ہے تم آنے والے عوامی انقلاب کے قہر و غضب سے بچ نہیں سکتے۔"

سب کے بعد سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا گروہ آیا۔ ڈاکٹر جاران انہیں دیکھ کر ٹھہر گیا اور ان سے یوں مخاطب ہوا: "تمہاری زندگی کا تضاد یہ ہے کہ ایک طرف تم مذہب کا دم بھرتے ہو اور مذہبی جماعتوں کو بھاری رقمیں دیتے ہو۔ اور دوسری طرف تم محنت کشوں کا استحصال کرتے ہو۔ تم مذہب، اخلاق اور انسانیت کی نظروں میں غاصب اور شقی ہو۔ کیونکہ تمہارے استحصال سے انسانی معاشرہ ایک دوزخ کا منظر پیش کرتا ہے جس میں ناداری، پس ماندگی جہالت بیماری، قتل و غارت، باہمی منافرت، رشوت ستانی، غبن، عیش کوشی جنسی بے راہروی اور ہوسِ جاہ و مال جیسے مہلک سماجی امراض پھیلے ہوئے ہیں یاد رکھو! طبقاتی جدوجہد آہستہ آہستہ تمہارے وجود کو ملیامیٹ کر دی جائے گی۔ تمہاری خوش وقتی کے دن بہت تھوڑے ہیں۔"

کلاک نے اڑھائی بجائے تو ڈاکٹر جاران اپنے تصور سے چونک پڑا پھر وہ اپنے آخری خطاب کے تصور میں کھو گیا وہ ایک ٹیلے پر چپ چاپ کھڑا تھا۔ اس کے لمبے بال کندھوں پر بکھرے تھے۔ نقارے کی گمبھیر آواز پر لوگ جوق در جوق ٹیلے کے گرد جمع ہو رہے تھے جن میں مرد اور عورتیں دونوں شامل تھے۔ جب نقارے کی آواز بند ہو گئی تو ڈاکٹر جاران نے کہا "بہنو اور بھائیو! با

رکھو کہ زندگی کا مقصد دولت کی ہوس اقتدار کی ہوس اور عیش و آسائش کی ہوس نہیں ہے، بلکہ معاشرے کو بہتر خطوط پر بدلنا ہے تاکہ تم خود کو اخلاقی انسان بنا سکو۔ اگر معاشرہ سماجی قباحتوں میں مبتلا ہوگا تو تم اخلاقی طور پر بلند نہیں ہو سکتے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تیزی سے ابھرتا ہوا جدید نو آبادیاتی نظام (Neo-Colonialism) بہت جلد ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کو اپنے مضبوط پنجوں میں دبوچ لے گا۔ ان کا بے پناہ استحصال کرے گا۔ اور بحر و بر میں فساد پھیلائے گا۔ اس لئے اس عہد میں سب سے اہم چیز انقلاب ہے۔ جس کے مقابلے میں ہماری ذات اور ہمارا وجود کوئی اہمیت نہیں رکھتے تمہیں جدید نو آبادیاتی نظام کے خلاف مسلسل جدوجہد کرنا ہوگی۔

"سوشلسٹ تحریک کی کامیابی کے لئے محض سائنسی فکر ہی کافی نہیں۔ بلکہ اس کے استحکام اور پھیلاؤ کے لئے کارکنوں کے خلوص، ایثار، ضبطِ نفس اور استغنا کی ضرورت ہے۔ ان اہم اور اعلیٰ انسانی صفات کے بغیر سوشلسٹ تحریک کبھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔

"سائنس کے نت نئے انکشافات، ٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی۔ الیکٹرونکس، مواصلاتی انقلاب، خودکاری، روبوٹ کا تعارف اور ایٹمی توانائی سب مل کر تمہاری دنیا کو ایک خاندان بنا رہے ہیں۔ مختلف قوموں کو ایک دوسرے کے قریب لا رہے ہیں۔ انسانی زندگی کو سہل اور پُر مسرت بنا رہے ہیں اور ایک لاطبقاتی سماج کی شکل میں انسان کے لئے ارفع اخلاقی انسان بننے کے مواقع مہیا کر رہے ہیں۔ اسی لئے عصرِ حاضر وحدتِ ادیان اور وحدتِ انسانیت کا عہد ہے، محنت کش عوام تمام مذاہب کی اعلیٰ اقدار اور انسانی تہذیب کے وارث اور محافظ ہیں وہ تاریخی ارتقا کے راہبر و ہیں اور تاریخ کے رخ کو اپنی مرضی کے مطابق چلا رہے ہیں۔ وہی طبقاتی جدوجہد کی مشعل کو جلائے ہوئے ہیں۔

"انسان کی زندگی کا مقصد تحصیلِ ذات ہے اور اس کے لئے تمہیں سائنسی فکر، طبقاتی جدوجہد اور اعلیٰ اخلاقی اقدار تینوں کو ساتھ لے کر چلنا ہوگا ورنہ تم جنتی معاشرے کی تخلیق نہیں کر سکتے جنتی معاشرہ وہ ہے جس میں ذرائع پیداوار کو اجتماعی ملکیت میں لے لیا جائے۔ عوام میں خوشحالی، محبت ایثار، خلوص اور ضبطِ نفس کی صفات اور اعلیٰ اخلاقی اقدار راسخ ہوں اور ہر طرف خیر و امن کا دور دورہ ہو۔ دوزخی معاشرہ وہ ہے جس میں ذرائع پیداوار نجی ملکیت میں ہوں طبقات اور طبقاتی کشمکش موجود ہوں۔ عوام میں ناداری، پس ماندگی جہالت اور بیماری پھیلی ہو اور سارا معاشرہ سماجی قباحتوں کی گرفت میں ہو۔ تم طبقاتی جدوجہد کو جاری رکھو! تمہارے لہو سے ایک عوام دوست انقلاب پھوٹے گا تم نئی صبح کی دہلیز پر کھڑے ہو۔ یہ میرے آخری الفاظ ہیں جو تمہارے درمیان دیر تک گونجتے رہیں گے۔ اب ہمارے ہمیشہ کے لئے بچھڑ جانے کا لمحہ آ گیا ہے"۔

کلاک نے تین بجائے تو ڈاکٹر حارث اپنے خواب بیداری سے چونک پڑا۔ اس نے کلاک کی جانب دیکھ کر کہا: "اس کا مطلب ہے کہ اب صبح قریب ہے"۔

اسی لمحے جیل کا دروازہ چرچراتے ہوئے کھلا اور جیلر چار وارڈروں اور ایک ڈاکٹر کے ساتھ سیڑھیاں اترنے لگا وہ اسے تختۂ دار کی طرف لے گئے۔

ابھی سورج کی پہلی کرنیں تلملائی تھیں کہ جیل کے دروازے پر ہزاروں مزدور، مختلف پیشوں کے لوگ اور طالب علم جمع ہو چکے تھے اور ڈاکٹر حارث کی لاش لینے کا مطالبہ کر رہے تھے سارہ، خالدہ گیلانی، نازیہ، احسن اور فریدہ سب سے آگے تھے۔ ڈپٹی کمشنر اور آئی جی پولیس نے سارہ اور خالدہ سے کہا کہ اگر وہ پُر امن رہنے کا وعدہ کریں تو انہیں لاش مل سکتی ہے سارہ نے کہا: "آپ مطمئن رہیں ہم پُر امن رہیں گے"۔ اسی لمحے ایک وارڈر نے سارہ کو ایک لوکٹ دیتے ہوئے کہا کہ یہ لوکٹ ڈاکٹر حارث کے گلے میں پڑا تھا سارہ نے لوکٹ کھول کر دیکھا تو اس میں شیلا کی تصویر تھی۔ شیلا کے لئے حارث کی

محبت انتہا تھی۔ سارہ نے سوچا۔

موسم بہار کی اُجلی دھوپ ساری فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر حارّان کا ماتمی جلوس فلورا فاؤنٹین ہائی وے پر جا رہا تھا جلوس کے درمیان میں ایک کھُلے ٹرک پر ڈاکٹر حارّان کی میت رکھی تھی اور میت کے سرہانے سارہ خالدہ، نازیہ، فریدہ اور احسن بیٹھے تھے۔ جلوس میں ہزاروں کی تعداد میں محنت کش عوام اور طالب علم شامل تھے۔ ٹرک کے آگے اور پیچھے طلبا اور طالبات گروہوں میں جا رہے تھے اور دو گروپوں کے آگے ڈرمر تھے جو ماتمی ڈرم پر ایک ضرب لگا رہے تھے۔ جلوس پر ایک ہولناک خاموشی اور سنجیدگی چھائی تھی۔

دوسرے دن سارہ، خالدہ، نازیہ، فریدہ اور احسن ڈاکٹر حارّان کی قبر پر گئے۔ انہوں نے فاتحہ پڑھی ہر طرف ایک گہرا سناٹا چھایا تھا۔ اب ڈاکٹر حارّان ابدیت کا ایک حصہ بن چکے ہیں انسان اپنی چند روزہ زندگی کس نہج پر گذارتا ہے یہی ایک اہم حقیقت ہے۔ سارہ نے اپنے آنسو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے سوچا۔ جب وہ باہر سڑک پر آ کر کار میں بیٹھے تو زندگی اسی طرح رواں دواں تھی۔ سڑک پر ٹریفک جاری تھی اور سامنے گراؤنڈ میں لڑکے کھیل رہے تھے۔ نیلے آسمان پر بادلوں کے سفید ٹکڑے خراماں تھے۔

شام کو آشا اور سیٹھ ایشور داس تعزیت کے لئے آئے آشا سارہ سے لپٹ کر رونے لگی۔ سیٹھ ایشور داس ڈاکٹر حارّان کی اچھی صفات کا تذکرہ کرتے رہے سارہ نے آشا کی جرأت اور بہادری کا ذکر کیا۔ جب ایشور داس جانے لگے تو انہوں نے سارہ کو تیس ہزار کا چیک دیتے ہوئے کہا: "سارہ بیٹی! یہ رکھ لو! اس حالت میں تمہارے کام آئے گا۔" سارہ نے بہت انکار کیا لیکن ایشور داس نہ مانے۔ آشا کے چلے جانے کے بعد سارہ نے گھر میں ایک سہمگیں سناٹا محسوس کیا۔

اتوار کی شام کو خالدہ گیلانی آئی۔ سارہ نے انوار گیلانی کی جرأت جاں نثاری اور انقلابی سرگرمیوں کا ذکر کیا تو خالدہ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے سارہ نے اسے دلاسا دیا اور گلے لگایا۔ نازیہ چائے لے کر آئی تو سارہ چائے بنانے لگی خالدہ نے چائے پیتے ہوئے کہا: "سارہ باجی! میں آپ کو ایک اہم ترین راز کی بات بتانے آئی ہوں۔ مجھے گورنمنٹ کے ہائی سرکل سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۹۴۷ء کے آغاز میں ملک بھر میں بڑے پیمانے پر فسادات شروع ہو جائیں گے جو نقل مکانی تک جاری رہیں گے ان فسادات میں سکھوں کے مسلح دستے بڑی سنگ دلی سے اپنا کردار ادا کریں گے اور امرت سر ہندوستان کا حصہ ہی رہے گا۔ اس لئے ہمیں ایک مہینے کے اندر لاہور منتقل ہو جانا چاہیئے۔ ہم اور ہمارے رشتہ دار پندرہ دن کے اندر بمبئی سے لاہور منتقل ہو رہے ہیں۔" سارہ یہ راز کی بات سن کر دم بخود رہ گئی اس نے خالدہ سے کہا کہ وہ بھی پندرہ دن کے اندر امرت سر چلی جائے گی خالدہ اجازت لے کر جانے لگی تو سارہ سے لپٹ کر رونے لگی۔ سارہ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے۔ سارہ نے کہا کہ وہ لاہور میں ایک دوسرے سے ضرور ملیں گے۔

ملک کے تمام اخباروں میں ڈاکٹر حارّان کی شہادت کی خبر شائع ہو چکی تھی امرتسر میں سب سے پہلے یہ خبر آفاق نے پڑھی اور سب کو بتایا۔ راشدہ اور واجدہ غم سے نڈھال ہو گئیں گنیش سٹریٹ کے تمام باسی تعزیت کے لئے راشدہ کے پاس آئے احسن، کرنل رمیش، محسن، کملا اور پروفیسر ماتھر کی وفات کے بعد گنیش سٹریٹ کی گہما گہمی پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔

سوموار کی رات کو سارہ احسن، نازیہ اور فریدہ کے ساتھ گنیش سٹریٹ آ پہنچی۔ راشدہ اور واجدہ سارہ سے گلے مل کر روئیں۔ رات کو سب تعزیت کیلئے آئے آفاق نے مشتاق اور بملا کو بھی اطلاع کر دی۔ سارہ نے سب کو بتایا کہ کل رات کو اس کے ہاں ایک اہم ترین مسئلہ طے کرنے کے لئے ایک اجلاس ہو گا جس میں اس کے علاوہ صرف راشدہ، واجدہ، ونمالا۔ راجندر، راحیلہ مشتاق

اور بملا شرکت کریں گے۔

منگل کی رات کو میٹنگ ہوئی جس میں سارہ نے سب کو ۱۹۴۷ء کے آغاز میں ہونے والے واقعات سے آگاہ کیا۔ اس نے کہا کہ وہ پندرہ دن کے اندر لاہور منتقل ہو جائیں گے اور یہ بھی تجویز کیا کہ اب بملا اپنا نام شمسہ اور راحیلہ اپنا نام کوثر رکھ لے۔

دوسرے دن سارہ احسن کو ساتھ لے کر لاہور روانہ ہوئی اور سہ پہر کو کامنی کے ہاں پہنچی۔ اتفاق سے کامنی دلیپ، وجینتی اور کیدار ناتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ کامنی اور وجینتی سارہ سے گلے ملیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے دلیپ اور کیدار ناتھ نے ڈاکٹر حاران کی شہادت پر گہرے دکھ کا اظہار کیا اور اس کی جرأت اور جاں نثاری کا بھی تذکرہ کیا۔ سارہ سری نواس سے ملنے کے لئے اس کے کمرے میں گئی وہ اپنی بیوی رکمنی کی وفات کے بعد بہت کمزور ہو گیا تھا سارہ نے سب کو سرکاری راز سے آگاہ کر دیا۔

دوسرے دن سارہ ناشتہ کرنے کے بعد احسن کے ساتھ اپنے بینک پہنچی منیجر نے بتایا کہ اس کا اکاؤنٹ بمبئی سے لاہور منتقل ہو چکا ہے۔ اس کے بعد وہ ماڈل ٹاؤن آئی۔ "جی" بلاک کے ایک مکان پر "برائے فروخت" کی تختی لگی تھی اس مکان کے ساتھ والی کوٹھی پر "چودھری ضیاء الدین" کی تختی لگی تھی۔ اس نے دروازے پر دستک دی تو چوہدری صاحب باہر نکلے۔ سارہ نے سلام کیا اور کہا: "ڈیڈی! ساتھ والی کوٹھی کو خریدنے کے لئے کس سے ملنا پڑے گا؟" چودھری نے کہا: "بیٹی! اندر آ کر ڈرائنگ روم میں بیٹھو، میں تمہیں اس کوٹھی کے متعلق سب کچھ بتاتا ہوں۔"

سارہ اور احسن دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ملازم کولڈ ڈرنک لے کر اندر داخل ہوا۔ اس کے بعد چوہدری اندر آیا۔ اس کے چھ بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں دو بیٹے ایڈووکیٹ تھے۔ تین بیٹے میڈیکل ڈاکٹر تھے اور ایک بزنس مین تھا۔ تینوں بیٹیاں پوسٹ گریجوایٹ تھیں۔ چودھری نے کہا: "بیٹی! آپ کو یہ کوٹھی خریدنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی، یہ کوٹھی

بابو کپور چند کی ہے جو نجانے کیوں امرتسر منتقل ہو گیا ہے اور وہ اس کوٹھی کی پاور آف اٹارنی مجھے دے گیا ہے کہ میں یہ کوٹھی بیچ کر رقم اسے پہنچا دوں، اس کوٹھی کی قیمت بیس ہزار ہے۔ اگر آپ خرید لیں تو مجھے بہت خوشی ہو گی۔" سارہ نے کہا: "اباجی! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے نیک دل اور مخلص بزرگ مجھے مل گئے۔ میرے سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہیں خدا نے مجھے آپ کی بیٹی بنا دیا۔ میں اپنا کچھ تعارف بھی کرا دوں۔ میں ڈاکٹر حاران کی بیوہ سارہ حاران ہوں۔" یہ سن کر چودھری اچھل پڑا اور کہنے لگا: "کیا یہ وہی ڈاکٹر حاران ہیں جو آزادی وطن کے لئے بمبئی میں شہید ہوئے تھے؟" سارہ نے کہا: "اباجی! آپ ٹھیک کہتے ہیں وہ میرے ہی شوہر تھے۔" چودھری نے اٹھ کر سارہ کو گلے لگا کر پیار کیا اور اندر چلا گیا۔ اس نے اپنی بیوی اور بیٹیوں کو یہ واقعہ سنایا۔ پہلے چودھری کی بیوی اندر داخل ہوئی۔ سارہ نے تعظیماً اٹھ کر کہا: "امی جان! تسلیم۔" اس نے سارہ کو گلے لگا کر پیار کیا۔ اس کے بعد چودھری کی بیٹیاں کلثوم، رضیہ اور فائزہ آئیں۔ سارہ نے تینوں کو گلے لگا کر پیار کیا۔ سارہ نے کہا: "اباجی! اب میں چلتی ہوں۔ ہم اتوار کو گھر کا سامان لے کر یہاں پہنچ جائیں گے۔" چودھری نے سارہ سے کہا کہ وہ ذرا تشویش نہ کرے۔ اب یہ کوٹھی اس کی ہے وہ اتوار کو ان کا انتظار کرے گا۔ سارہ اور احسن وہاں سے نکل کر سیدھے امرتسر کو روانہ ہوئے۔

امرتسر پہنچ کر شام کو سارہ احسن کے ساتھ انیتا کے ہاں پہنچی۔ خادمہ نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سیٹھ منوہر لال اندر آئے سارہ نے تسلیم کیا اور اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ اس نے سارہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے دلاسا دیا اور کہا: "بیٹی! ڈاکٹر حاران کے یوں چلے جانے کا گہرا دکھ ہوا ہے لیکن اس کی شہادت بہت بڑی عظمت رکھتی ہے۔ کیونکہ اس نے آزادی وطن کے لئے انتہائی جرأت اور جاں نثاری سے کام لیا۔" وہ دونوں صوفے پر بیٹھ گئے منوہر لال نے احسن کو پیار کیا اس نے سارہ کو بتایا کہ تھوڑی دیر تک انیتا آنے والی ہے۔

منوہر لال اسی لمحے اپنے کمرے میں چلا گیا اور پندرہ منٹ کے بعد واپس آیا۔ منوہر لال نے سارہ کو پچاس ہزار کا چیک دیتے ہوئے کہا: "بیٹی! میں تمہیں یہ معمولی سی رقم دیتا ہوں، اسے لینے سے انکار نہ کرنا۔ مجھے بڑا دکھ ہوگا۔" سارہ کو خاموش رہنا پڑا اس نے کہا: "ڈیڈی! میں آپ کی بہت مشکور ہوں کہ آپ نے مجھ سے واقعی اپنی بیٹی کا سا سلوک کیا ہے۔" سارہ نے منوہر لال کو یہ بھی بتایا کہ وہ کل لاہور منتقل ہو رہی ہے اس نے سارہ سے کہا کہ اس کی تو پرارتھنا ہے کہ وہ جہاں رہے خوش اور خوشحال رہے اسی لمحے انیتا مدن لال اور اپنے بیٹے کے ساتھ آگئی وہ سارہ کو دیکھ کر اس سے لپٹ گئی اور رونے لگی۔ سارہ کی آنکھوں میں بھی آنسو ڈبڈبا آئے۔ لیکن اس نے خود پر ضبط کر کے انیتا کو دلاسا دیا۔ وہ دونوں بیٹھ گئیں اسی لمحے انیتا کے سامنے حارث کی شبیہہ ابھری۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ خادمہ چائے لے کر آئی تو انیتا چائے بنانے لگی۔

دوسرے دن سارہ اور اس کے متعلقین لاہور کو روانہ ہو گئے۔ سارہ دوپہر کو بملا کی کار میں ماڈل ٹاؤن پہنچی تو ٹرک سے سامان اتارا جا رہا تھا۔ رات کو چودھری صاحب نے سب کو کھانے پر مدعو کیا اور سب کا فرداً فرداً تعارف ہوا۔ سوموار کے دن گھر کو سنوارا گیا۔ لڑکے گھر کا سودا سلف لائے اور گھر کا کاروبار باقاعدہ چلنے لگا۔ مشتاق، اخلاق اور آفاق تینوں اپنی ڈیوٹی پر جانے لگے چودھری صاحب نے ایک ہفتے کے اندر احسن کو بھی ایک اچھے بینک میں ملازم کرا دیا۔ دو ہفتوں کے اندر کوٹھی احسن کے نام منتقل ہو گئی۔

راشدہ کچھ بیمار رہنے لگی تھی۔ ایک دن ناشتہ کے بعد سارہ نے چودھری اور اس کی بیوی کو اپنے ہاں بلایا۔ اور کہا: "اباجی! مجھ پر دو لڑکیوں کی اور تین لڑکوں کی شادی کا بوجھ ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ احسن کی شادی فائزہ سے انازیہ کی ڈاکٹر الیاس سے، فریدہ کی ڈاکٹر افتخار سے، ایاز کی کلثوم سے اور اعجاز کی شادی رضیہ سے ہو جائے۔ اور میں آزاد ہو جاؤں۔" چودھری نے کہا: "بیٹی! ہم تو پہلے ہی چاہتے تھے کہ یہ رشتے طے پا جائیں، ہماری طرف سے ہاں ہے اور ہماری

شرط یہ ہے کہ نہ آپ کچھ خرچ کریں اور نہ ہم رسومات میں پڑیں۔ جو کچھ دینا ہو وہ لڑکوں اور لڑکیوں کو نقد دے دیں۔ صرف معمولی دعوتِ ولیمہ ہو گی۔ دعوتِ ولیمہ ہو گی۔" دو ہفتوں کے بعد یہ شادیاں بخیر و خوبی سرانجام پائیں۔

۱۹۴۷ء کے آغاز میں کئی شہروں میں ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے جن میں امرتسر سرِ فہرست تھا۔ پھر ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کا بٹوارہ ہوا اور پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور آبادی کے انتقالِ مکانی کے وقت خونریز اور وحشیانہ قتل و غارت شروع ہو گیا۔ لاکھوں انسانوں پر مشتمل قافلے ہندوستان سے پاکستان کی طرف اور پاکستان سے ہندوستان کی طرف روانہ ہونے لگے۔ ان فرقہ وارانہ فسادات میں عورتوں پر سب سے زیادہ ظلم ہوا۔

سارہ نے گھریلو جھمیلوں سے فراغت پا کر سیاسی حلقوں میں میل جول بڑھایا اور پاکستان انقلابی پارٹی کی بنیاد رکھی جس کے نظریات آہستہ آہستہ لوگوں میں پھیلتے رہے پارٹی کا منشور انقلابی تھا۔ اس لئے پارٹی بڑی سرعت سے متوسط طبقے اور مزدور طبقے میں نفوذ کرتی گئی۔

۱۹۵۲ء کے اواخر میں ایک رات سارہ نے ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۲ء تک کے سیاسی واقعات کا جائزہ لیا۔ اس دوران میں عالمی سیاست میں کئی تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ مئی ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کا قیام عمل میں آیا اور فلسطین کی عرب آبادی کو جبری طور پر مہاجر بنا کر فلسطین سے نکال دیا گیا۔ اسرائیل کے قیام میں یورپ اور امریکہ کی سامراجی طاقتوں کا ہاتھ تھا۔ ۱۹۴۹ء میں چین میں سرخ انقلاب آیا اور امریکہ کے پروردہ جنرل چیانگ کائی شیک نے فارموسا کے جزیرے میں پناہ لے لی۔ امریکہ کی پوری قوت اس کی پشت پناہی کر رہی تھی۔ انقلابِ چین عہدِ حاضر کا ایک اہم ترین سیاسی واقعہ تھا۔ ۱۹۵۲ء میں کوریا میں امریکہ، یورپ اور روس کی فوجوں میں وسیع پیمانے پر جنگ چھڑ گئی جس میں کوریا کے عوام کا بہت جانی اور مالی نقصان ہوا۔

یکم جنوری ۱۹۵۲ء تک پاکستان انقلابی پارٹی کے متوسط طبقے کے ممبر دل

کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ اور مزدوروں کی ممبر شپ کی تعداد پانچ ہزار تھی۔ وسط مارچ ۱۹۵۲ء میں موچی دروازے کے میدان میں پاکستان انقلابی پارٹی کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں لوگ بھاری تعداد میں شامل ہوئے۔ اس جلسے میں سارہ حاران نے عوام سے خطاب کیا۔ جب آغا خالدہ گیلانی جلسہ گاہ میں پہنچی تو سارہ سٹیج پر مائک کے آگے کھڑی کہہ رہی تھی: "عوام کو ہمیشہ کے لئے جان لینا چاہیئے کہ پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور اس کا رِستا ہوا ناسور جاگیرداری نظام ہے۔ جب تک جاگیرداری نظام کا مکمل خاتمہ نہیں ہوگا اور زمین کسانوں کی ملکیت میں نہیں آئے گی پاکستان کے عوام ناداری، پس ماندگی، جہالت اور بیماری میں مبتلا رہیں گے۔ پاکستان میں بیک وقت تین نظام یعنی قبائلی نظام، دیوہیکل جاگیرداری نظام اور ابھرتا ہوا سرمایہ داری نظام موجود ہیں۔ اور ان تینوں نظاموں پر جدید نوآبادیاتی نظام پہرہ دار ہے جو ان کی حفاظت کر رہا ہے۔ پہلے ہماری جنگ سامراج سے تھی۔ اب مقامی استحصالی قوتوں سے ہے۔

"استحصال مذہبی، اخلاقی اور انسانی لحاظ سے ناجائز ہے لیکن تعجب ہے کہ حکمران طبقہ اور مذہبی پیشوا اسے نہ صرف جائز سمجھتے ہیں۔ بلکہ اسے کوئی سماجی قباحت تصور ہی نہیں کرتے۔ حالانکہ تمام آسمانی صحائف استحصال کو ایک ایسی قباحت قرار دیتے ہیں جو تمام سماجی قباحتوں کو جنم دیتی ہے۔

"ان سنگین حالات میں محنت کش عوام کے سامنے صرف طبقاتی جدوجہد کا راستہ کھلا ہے۔ وہ طبقاتی جدوجہد ہی سے جاگیرداری نظام کا مکمل خاتمہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جاگیرداری نظام کا مکمل خاتمہ پاکستان کا اوّلین مسئلہ ہے یاد رکھو کہ طبقاتی جدوجہد کا کوئی بھی محاذ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اس میں حصہ لینے والے سائنسی فکر سے لیس ہونے کے ساتھ ساتھ ایثار اور بے غرضی کی صفات سے متصف نہ ہوں۔ پاکستان پائندہ باد!"

جب سارہ سٹیج سے نیچے اتری تو پاکستان انقلابی پارٹی کے گارڈ اس کے ارد گرد چل رہے تھے۔ خالدہ گیلانی گارڈز کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

اس بیچ سارہ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اس نے خالدہ کو اپنے گھر کا پتہ بتا دیا۔ دوسرے دن صبح سویرے پولیس کی بھاری تعداد نے سارہ کی کوٹھی سے اُسے گرفتار کر لیا۔ شام کے اخباروں میں یہ خبر شائع ہوگئی کہ پاکستان انقلابی پارٹی کی صدر سارہ حاران کو قابلِ اعتراض تقریر کی بنا پر گرفتار کر لیا گیا۔"

ایک ہفتہ کے بعد سارہ کو اجازت ملی کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کر سکے۔ سب سے پہلے نازیہ، احسن، فائزہ، فریدہ اور آفاق ملاقات کے لئے آئے۔ آفاق نے بتایا کہ دو دن پہلے راشدہ کا انتقال ہوگیا۔ سارہ کو راشدہ کے چلے جانے کا بہت صدمہ ہوا۔

جیل میں بیٹھے ہوئے رات کے سناٹے میں سارہ کو ڈاکٹر حاران کی شہادت کا خیال آیا۔ لوگ طبقاتی جدوجہد کے سٹیج پر آتے ہیں اور اپنا کردار ادا کر کے سٹیج سے اتر جاتے ہیں۔ لیکن خیر و شر کی کشمکش مسلسل جاری رہتی ہے جس پر فتح ہمیشہ خیر کی قوتوں کی ہوتی ہے۔ اور معاشرہ، معاشی، سیاسی اور اخلاقی ارتقا کی جانب بڑھتا رہتا ہے۔ سارہ نے سوچا۔
